2010

انسپکٹر جمشید پارٹی، انسپکٹر کامران مرزا پارٹی، شوکی برادرز،
عمران اور کرنل فریدی ٹیم کا مشترکہ خاص نمبر

بٹوما کے شیطان

Atlantis Publications

اشتیاق احمد

Atlantis Publications

تفریح بھی، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	بٹوما کے شیطان (خاص نمبر)
نمبر	انسپکٹر جمشید سیریز نمبر 768
پبلشر	فاروق احمد
صفحات	360
قیمت	400

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

ایک حدیث

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:
"قیامت کے دن جب حساب کتاب کے لیے بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگی تو آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے۔ جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔ ایک اُس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو ختم کر دیا۔ دوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پرانا کیا۔ اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس کے بارے میں کیا عمل کیا؟"

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔
☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ! بٹوما کے شیطانوں سے ملیے... ان سے ملاقات آپ کو پسند آئی ہے یا نہیں... کچھ کہا نہیں جا سکتا، اس لیے کہ شیطانوں سے ملاقات کوئی خوش گوار بات تو ہوتی نہیں... اب یہ اور بات ہے کہ یہاں قدم قدم پر شیطان موجود ہیں... انسان ان سے خود کو بچائے تو کیسے... پھر یہ شیطان تو ہیں بھی بٹوما کے... اب آپ کے ذہن میں سوال ابھر رہا ہوگا... یہ بٹوما کیا بلا ہے۔

لیجیے... اب میں آپ کو پلاٹ سے متعلق ہر بات تو بتانے سے رہا... اس طرح اس قسم کے ناولوں کا کیا خاک مزہ رہے گا... مزہ تو خاک میں مل کر رہ جائے گا اور یہ دانہ بھی نہیں کہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہو جائے۔

میں بھی کہاں کی لے بیٹھا... سیدھی سادی بات تو بس یہ تھی... کہ ناول کا نام بٹوما کے شیطان ہے... گویا آپ کی ملاقات شیطانوں سے ہو رہی ہے... اور وہ بھی بٹوما کے شیطانوں سے۔

کچھ عرصہ پہلے تک اس ناول کے پلاٹ کے بارے میں کوئی بات میرے ذہن میں قطعاً نہیں تھی... اچانک میں نے اخبار میں ایک مضمون پڑھا... مضمون تین اقساط میں تھا... اس مضمون کو پڑھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی... اس وقت میں نے سوچا یہ تو ایک ناول کا بہت زبردست پلاٹ ہو سکتا ہے... بس میں نے اس پر ذہنی طور پر کام شروع کر دیا۔

ذہنی طور پر کام شروع کرنے کا مطلب بھی آپ کو بتاتا چلوں۔ یہ کام کاغذ اور قلم کے ذریعے نہیں ہوتا... جب کوئی خیال آتا ہے تو اسے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہوں اور پھر دماغ میں اس پر خود بخود کام ہونے لگتا ہے... یہ ہے اس بات کا مطلب... آپ کو مطلب کس کس بات کا بتاؤں... بہتر ہے آپ مطلب نہ ہی پوچھیں... بس آم کھائیں... پیڑ گن کر کیا کریں گے... یہ اور بات ہے کہ آم کھانا بھی آپ کو آسان کام محسوس نہ ہو... آخر آموں کا تعلق بھی تو بٹوما سے ہوگا اور بٹوما کا تعلق ٹھہرا اس کے شیطانوں... یوں یہ معاملہ آپ کے لیے ٹیڑھی کھیر ہوگا... ان سب باتوں سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ بس بسم اللہ پڑھ کر ناول شروع کر دیں اور اس میں ڈوب جائیں... جی ہاں! ناول آپ کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا... اور پھر اس ناول کے سمندر میں آپ ڈوب جائیں گے اور ایسے ڈوبیں گے کہ ابھر نہیں سکیں گے۔ ابھریں گے اس وقت جب ناول ختم ہو رہا ہوگا... اور اس وقت ایک اور حیرت آپ کے استقبال کے لیے تیار ہوگی... اس حیرت تک اجازت۔

اس ماہ کا خاص نمبر

بٹوما کے شیطان

آئندہ ماہ کا ناول

خوف کی قید

گزشتہ اشاعت کا ناول

بلیک ہارٹ

اٹلانٹس پبلیکیشنز
A-36 ایسٹرن اسٹوڈیوز کمپاؤنڈ، B-16 سائٹ، کراچی

خوف

اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی فرزانہ الجھن میں مبتلا ہوگئی... پھر جب اس نے اسے نظر بھر کر دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے... ایسے میں انوار بروہی اس سے بولے:

"اندر چلی جاؤ بیٹی... شائلہ اپنے کمرے میں ہے۔"

"اچھا انکل... شکریہ!" اس نے مشکل سے کہا۔

پھر تیسری نظر اجنبی پر ڈالی تو دماغ میں دھماکے سے ہوتے محسوس کیے... گھبراہٹ کے عالم میں اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے... جوں جوں وہ اجنبی سے دور ہوتی چلی گئی... اس کی گھبراہٹ غائب ہوتی گئی، یہاں تک کہ شائلہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچنے تک وہ بالکل پرسکون ہو چکی تھی... البتہ پہلی نظر پڑتے ہی اس نے جو الجھن محسوس کی تھی... وہ بدستور اس کے دماغ میں موجود تھی۔

آخر اس نے دروازے پر دستک دی... اندر سے فوراً آواز آئی:

"چلی آؤ فرزانہ... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

اس نے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہوگئی... شائلہ مسہری کے

ایک طرف گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے کوئی رسالہ پڑھنے میں مصروف تھی:

''السلام علیکم شمائلہ۔''

''وعلیکم السلام... آؤ بیٹھو... بہت دنوں بعد آئی ہو... ایسی بھی کیا بے مروتی۔''

''نہیں تو... مجھے تو دور دور تک نظر نہیں آرہی۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''کیا چیز؟'' شمائلہ نے چونک کر پوچھا۔

''بے مروتی... اور کیا۔''

شمائلہ ہنس پڑی...

''دیکھو نا... تم نے فون کیا... میں فوراً آگئی... اس میں بے مروتی کہاں سے کود پڑی بھلا۔''

''اچھا چھوڑو... مان لیا کہ تم بے مروتی سے پاک ہو۔''

''شکریہ! اب کہو... آج اچانک کیسے یاد کرلیا۔''

''تم ابھی ابھی لان سے گزر کر اندر آرہی ہو نا۔''

''ہاں! بالکل۔''

''میں نے ابو سے کہہ دیا تھا کہ فرزانہ آنے والی ہے... اسے میرے پاس بھیج دیجیے گا۔''

''ہاں! انہوں نے ہی مجھے ادھر بھیجا ہے... کوئی ملازم مجھے یہاں تک نہیں چھوڑ گیا۔''

''تم نے اس مہمان کو دیکھا... جو اس وقت ابو کے ساتھ بیٹھا ہے۔''

فرزانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا:

''کیوں! کیا بات ہے۔''

''یہ صاحب تین دن پہلے یہاں آئے تھے... جب آئے تھے تو ابو کے لیے بالکل اجنبی تھے، لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے ابو کو ان سے زیادہ کسی کی پروا نہ ہو... گھر اور گھر والوں کی طرف ان کی بالکل کوئی توجہ نہیں رہی۔''

''تین دن پہلے جب یہ آئے تھے... اس وقت کی بات بتاؤ... تم نے کہا ہے... وہ ایک اجنبی کی حیثیت سے آئے تھے، تب پھر کیا ہوا... تفصیل سے بتاؤ۔''

''انہوں نے دستک دی تو بابا شریف نے دروازہ کھولا... انہوں نے بتایا... ان کا نام سربال ہے... پنگان سے آیا ہے... اور انوار بروہی سے ملنا ہے... اس وقت میں ابو کے پاس ہی بیٹھی تھی... یہ بات سن کر ابو خود دروازے پر گئے...'' اور ملاقاتی سے بولے:

''فرمائیے آپ کو مجھ سے کیا کام ہے۔'' میں نے سنا... اجنبی نے جواب دیا۔

''میرے پاس پنگان کی کچھ قیمتی اور نادر چیزیں ہیں... میں نے سنا ہے... آپ نوادرات کے بہت شوقین ہیں... یہ سن کر ابو چونک اٹھے... انہیں واقعی نوادرات جمع کرنے کا بے حد شوق ہے... لیکن ایک اجنبی کے منہ سے اپنے بارے میں یہ بات سن کر انہیں بہت حیرت ہوئی تھی... چنانچہ انہوں نے پوچھا تھا:

''آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہے۔''

''میں نوادرات کا سوداگر ہوں... جس شہر میں نوادرات لے کر جاتا ہوں، وہاں ایسے لوگوں سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو نوادرات جمع

کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں، چنانچہ میں سیدھا اس شہر کے عجائب گھر جاتا ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کا آنا جانا عجائب گھر میں ضرور رہتا ہے... اور وہ ایسے لوگوں سے واقف بھی ہوتے ہیں... بس میں نے عجائب گھر والوں سے کچھ نام اور پتے حاصل کیے... ان میں ایک نام آپ کا بھی تھا... اب یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ سب سے پہلے میں آپ کے ہاں ہی آیا ہوں۔"

"مطلب یہ کہ آپ میرے نوادرات دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔"

"ہاں! لیکن ساتھ میں میں اپنے نوادرات آپ کو دکھانے کے لیے بھی آیا ہوں... یہ ضروری نہیں کہ آپ ان میں سے کچھ خریدیں بھی۔"

یہ باتیں ان میں ہوئیں... پھر ابو انہیں اندر لے آئے... بس اب تین دن گزر گئے ہیں... مہمان نے اس دن سے جانے کا نام تک نہیں لیا... اور ابو بھی ہر وقت اس کے پاس بیٹھے رہتے ہیں... اس سے باتیں کرتے رہتے ہیں... بلکہ..."

"بلکہ کیا؟" فرزانہ بولی۔

"تین دن سے ابو دفتر بھی نہیں گئے، کہتے ہیں، دفتر جانے کو جی نہیں چاہ رہا... تم جانتی ہی ہو... ابو کتنے بڑے آفیسر ہیں... پہلے کبھی دفتر سے چھٹی نہیں کی... بس اتوار کی چھٹی کرتے ہیں... وہ بھی اس لیے کہ دفتر بند ہوتا ہے... لیکن یہ اتوار کو بھی گھر میں دفتر کا کام کرتے رہتے ہیں... اور اب تین دن سے یہ حال ہے کہ جیسے انہیں دفتر کے کام سے دلچسپی ہی نہ ہو۔"

"ہوں... حالات عجیب و غریب ہیں... میرے لیے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس شخص پر نظر پڑتے ہی مجھے خوف محسوس ہوا تھا... جب میں نے دوسری نظر اس پر ڈالی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے... اور تم جانتی ہو... ہم لوگ تو دن رات خطرات سے کھیلنے والے لوگ ہیں... کسی کو دیکھ کر یہ حالت ہماری مشکل ہی ہوتی ہے... اور ہوتی ہے تو پھر اس شخص میں ضرور کوئی بات ہوگی... لہٰذا میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں... تمہارا گھرانہ ضرور کسی چکر میں آچکا ہے یا آنے والا ہے... میں ذرا محمود اور فاروق کو فون کر لوں... انہیں بھی یہاں بلانا ہوگا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اب فرزانہ نے محمود کے نمبر ملائے... اس کی آواز سن کر وہ فوراً بولی:

"تمہاری یہاں ضرورت ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

فرزانہ نے فون بند کر دیا تو شائلہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا:

"یہ کیا فرزانہ! تم نے انہیں یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تم کہاں ہو... کس کے ہاں ہو۔"

"جب میں تمہاری طرف روانہ ہو رہی تھی... میں نے انہیں بتا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کی بھی یہاں ضرورت پیش آنے کے زبردست امکان ہے..."

"اوہ... اور تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا تھا؟" شائلہ اور زیادہ حیران ہو کر بولی۔

"تمہاری آواز سے، آواز کہہ رہی تھی کہ تم بہت زیادہ پریشان ہو... مجھے ایسے ہی نہیں بلا رہیں۔"

"ہوں! تم لوگ واقعی حیرت انگیز ہو۔"

''اب تم اپنے ابو کو یہ بھی بتادو کہ محمود اور فاروق بھی آ رہے ہیں... لہٰذا انہیں بھی ادھر ہی بھیج دیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

شائلہ نے کہا اور اپنے ابو کے نمبر ملائے... پھر ان کی آواز سن کر بولی:

''ابو فرزانہ کے بھائی محمود اور فاروق بھی آ رہے ہیں... انہیں بھی ادھر ہی بھیج دیجیے گا۔''

''اچھا بیٹی۔'' انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جلد ہی محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے... ان کے چہروں پر خوف ہی خوف تھا:

''کیا بات ہے... بہت خوف زدہ نظر آ رہے ہو۔'' فرزانہ بولی۔

''تو کیا تم یہاں تک خوف زدہ ہوئے بغیر پہنچی تھیں۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''ن... نہیں۔'' فرزانہ ہکلائی۔

''نہیں کے دو ٹکڑے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''سیدھی سی بات ہے... تم نے بھی اس مہمان کو دیکھ کر خوف محسوس کیا تھا... اسی لیے ہمیں بلایا ہے نا۔''

''ہاں! یہی بات ہے... ویسے تم نے کیا محسوس کیا ہے؟''

''پراسرار سا آدمی ہے... دیکھ کر نہ جانے کیوں خوف محسوس ہوتا ہے... ویسے کیا خیال ہے... ہم اس سے ملاقات کیوں نہ کریں۔''

''ملاقات؟'' شائلہ چونکی۔

''ہاں! ملاقات۔''

''بھلا ابا جان اس کی اجازت کیسے دیں گے۔''

''ہم حادثاتی طور پر ملاقات کر سکتے ہیں... بس تم دیکھتی جاؤ اور ہمارے ساتھ چلو... اس انداز میں... جیسے تم ہمیں اپنے ساتھ لان میں لائی ہو... ٹہلنے کے لیے...''

''ابو کا کیا کریں گے... اگر انہیں یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔''

''ہمارے خیال سے آپ کے ابو اس وقت اس شخص کے جال میں ہیں... انہیں اس جال سے نکالنے کا مسئلہ ہے... اس سلسلے میں انہیں ہماری حرکات ناگوار تو گزریں گی... اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں... لیکن تم بے فکر رہو... وہ تم پر نہیں بگڑیں گے... ذمے داری ہماری ہوگی...''

''آخر کیسے؟'' شائلہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''بس تم دیکھتی جاؤ... تم نے ہمیں بلایا ہے نا... تو پھر ہم پر چھوڑ دو۔''

''اچھی بات ہے... میں تو بس ابو کے لیے پریشان ہوں...''

''اور ہم انہیں اس پریشانی سے نکالنے کے لیے ہی کام شروع کر رہے ہیں۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

''آئیں... پھر چلتے ہیں... اللہ مالک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

اب چاروں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے، لان کافی بڑا تھا... اور کوٹھی کے چاروں طرف تھا... لہٰذا جس سمت میں وہ دونوں بیٹھے تھے، اس کے مخالف سمت سے انہوں نے لان میں چہل قدمی شروع کر دی:

"محمود، فاروق تم ہم سے پندرہ بیس قدم آگے چلو گے۔"

"اچھا۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا پھر تیز قدم اٹھاتے ان سے آگے ہو گئے... اس طرح چکر کاٹتے وہ انوار بروہی اور سربال کے قریب پہنچ گئے، وہ اپنی باتوں میں محو تھے۔ جب محمود اور فاروق ان کے نزدیک سے گزرنے لگے... تو دونوں نے ایک ساتھ کہا:

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

عین اس لمحے فرزانہ چلائی:

"محمود، فاروق بچو... تمہارے سر پر سیاہ چیز۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے بلا کی رفتار سے دوڑ لگا دی... اور پوری رفتار سے ان دونوں سے جا ٹکرائی... دونوں بری طرح اچھلے اور سربال پر گرے، وہ کرسی سمیت الٹ گیا:

"ارے ارے... یہ کیا؟" انوار بروہی بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم... ہم... ہمیں افسوس ہے..." محمود اور فاروق نے گڑبڑا کر کہا... دونوں اٹھنے کی بے ڈھب کوشش میں ایک بار پھر اجنبی پر گر پڑے:

"اوہو... کیا ہو گیا ہے... تمہیں... بے چارے مہمان کو بھی گرا دیا... اٹھو۔"

فرزانہ نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور انہیں اٹھانے لگی... ادھر انوار بروہی اپنے مہمان کو اٹھنے میں مدد دے رہے تھے... اس وقت اس کے منہ سے سرسراتی آواز میں نکلا:

"یہ... یہ کیا تھا... یہ کون بدتمیز لوگ ہیں۔" "یہ... یہ واقعی بدتمیز

ہیں۔" انوار بروہی نے جھلا کر کہا اور ان کے رنگ اڑ گئے... انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ شائستہ کے والد ان کے بارے میں ایسا کہہ دیں گے... وہ انہیں اچھی طرح جانتے تھے... وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انسپکٹر جمشید ملک میں کس حیثیت کے آدمی ہیں، اس کے باوجود انہوں نے یہ جملہ کہا تھا۔

"ان سے کہیے... یہ اسی وقت آپ کے گھر سے نکل جائیں... پھر ادھر کا رخ کبھی نہ کریں۔"

"سنا تم نے مسٹر سربال نے کیا کہا ہے... نکل جاؤ میرے گھر سے... اور آئندہ ہرگز ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

تینوں کے سر گھوم گئے... اچانک انہیں یاد آیا... کہ وہ یہاں کیوں آئے تھے... لہٰذا انہوں نے غصے کو فوراً پی لیا اور مسکرانے لگے... ایسے میں فرزانہ نے کہا:

"انکل... ان کے سروں پر سیاہ چیز تھی... میں گھبرا گئی... بس ان کی طرف دوڑ پڑی... آخر یہ میرے بھائی ہیں... وہ چیز انہیں کاٹ سکتی تھی..."

"تم نے سنا نہیں... میں نے کیا کہا ہے۔" وہ گرجے۔

"جی ہاں! سن لیا ہے... ہم جا رہے ہیں... جانے سے پہلے وضاحت ضروری تھی نا۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ابو... آپ بھول رہے ہیں... یہ میرے دوست ہیں... انسپکٹر جمشید کی اولاد ہیں۔"

"کیا کہا... یہ کس کے بچے ہیں۔" سربال نے مارے حیرت سے کہا۔

"انسپکٹر جمشید کے... لیکن ہمیں کیا... ہوں گے... اے چلو تم دفع

ہو جاؤ یہاں سے۔''

اس وقت محمود اور فاروق اجنبی کا بغور جائزہ لے چکے تھے... اس کی آنکھوں میں جھانک چکے تھے اور وہ بھی اب تک اٹھ چکا تھا... اپنے کپڑوں سے گھاس تنکے جھاڑ رہا تھا:

''جا رہے ہیں انکل... اگر ہماری ضرورت پڑے تو ہمیں آواز دے لیجیے گا۔'' محمود مسکرایا۔

''مجھے اور تمہاری ضرورت پڑے گی... گھاس کھا گئے ہو... چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''لان میں چلتے پھرتے نظر آنے کے لیے ہی تو آئے تھے... لیکن آپ کو ہمارا چلنا پھرنا ایک آنکھ نہیں بھایا...''

''اوہو... بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو... چلو بھاگو... ورنہ میں تم پر اپنے کتے چھوڑ دوں گا۔''

''کیا کہا۔'' مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا... انہیں معلوم تھا، انوار بروہی نے بہت خوفناک کتے پال رکھے تھے... تاہم وہ کوٹھی کے پچھلے حصے میں چار دیواری سے باہر ایک باڑے میں رکھے جاتے تھے۔

''آؤ بھئی چلیں۔'' فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

تینوں گیٹ کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگے... ایسے میں سر بال چیخا:

''ٹھہرو!''

☆☆☆☆☆

چیخ

وہ چونک کر مڑے... سر بال انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا:

''واپس آؤ...''

انہوں نے چاہا... فوراً کوٹھی سے نکل جائیں... لیکن ان کے قدم تو من من بھر کے ہو چکے تھے... اٹھائے نہ اٹھے... البتہ سر بال کی طرف قدم خود بخود اٹھتے چلے گئے تھے... یہاں تک کہ وہ اس کے بالکل سامنے جا کھڑے ہوئے:

''چور اچکے کہیں کے... ساکت اور جامد کھڑے رہو... نہ ہاتھ ہلیں نہ پیر... آنکھیں تک نہ جھپکنا... اور بروہی صاحب! آپ پولیس کو فون کریں۔''

''پولیس کو۔'' انوار بروہی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

''ہاں! کیا آپ کے ملک میں چور کو پولیس کے حوالے کرنے کا قانون نہیں ہے۔''

''بالکل ہے مسٹر سر بال۔''

''تب پھر یہ تینوں چور ہیں... میں ان کی چوری ثابت کروں گا...

لیکن، لیکن پہلے آپ پولیس کو بلالیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' انہوں نے کہا اور جیب سے موبائل نکال کر فون کرنے لگے۔

شائلہ نے پریشان ہو کر تینوں کی طرف دیکھا... وہ بالکل بت بنے کھڑے نظر آئے:

''ڈیڈی... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... یہ میرے دوست ہیں... اور پھر انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں... انسپکٹر جمشید ہمارے ملک کے مشہور و معروف آدمی ہیں... یہ لوگ ملک کے لیے اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں... کیا یہ چوری کریں گے... یہ ان پر سراسر الزام ہے... آپ پولیس کو فون نہ کریں اور اپنے مہمان کو سمجھائیں... ہاں! زیادہ سے زیادہ اتنا کریں کہ ان کی تلاشی لے لیں۔''

''تم چپ رہو۔'' سربال نے غرا کر کہا۔

شائلہ کو اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے... وہ اندر جانے کے لیے مڑ گئی... کیونکہ اب اس کے لیے یہاں کھڑا ہونا بہت مشکل ہو گیا تھا... لیکن جونہی اس نے اندر کی طرف قدم اٹھایا... سربال کی کڑک دار آواز گونج اٹھی:

''ٹھہرو! تم کہاں چلیں... ان کی گرفتاری کا منظر دیکھ کر جانا... دل خوش کن منظر ہوگا۔''

شائلہ کے قدم بھی وہیں جم گئے... یوں لگتا تھا جیسے کسی جادوئی دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے وہ چاروں پتھر کے ہو گئے ہوں۔''

''بروہی صاحب... پولیس کتنی دیر میں آجائے گی۔''

''بس... چند منٹ میں... بلکہ لیجیے... آ گئی...''

انہوں نے اسی وقت پولیس کی گاڑی کے رکنے کی آواز سن لی... پھر زوردار انداز میں گھنٹی بجی... ادھر اندر سے شریف گیٹ کی طرف دوڑ پڑا... اس نے دروازہ کھول دیا اور فوراً ہی پولیس اندر آگئی... انہوں نے انوار بروہی کو بہت احترام سے سلام کیا:

''ان تینوں کو گرفتار کر لیا جائے۔'' انوار بروہی کے بجائے سربال نے کہا۔

پولیس آفیسر نے ان پر نظر ڈالی... پھر حیران ہو کر بولا:

''یہ... یہ تو انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔''

''تو کیا ہوا... کیا اس ملک کا قانون چوروں کو پکڑنے کا نہیں ہے۔''

''وہ تو ہے... لیکن یہ... یہ چور نہیں ہیں... بہت معزز لوگ ہیں۔''

''قانون قانون ہے... یہ معزز ہیں یا جو بھی ہیں، اگر چوری کی ہے تو انہیں گرفتار کرنا چاہیے۔''

''اچھی بات ہے... انہوں نے کیا چیز چرائی ہے۔''

''میرا لائٹر... ہیرے کا لائٹر... اس کی قیمت کم از کم ایک کروڑ روپے ہے... کیا یہ کوئی معمولی چوری ہے۔''

''ایک کروڑ روپے کا لائٹر۔'' مارے حیرت کے پولیس آفیسر کے منہ سے نکلا...

''ہاں! ایک کروڑ کا۔''

''ٹھیک ہے... ہم ان کی تلاشی لے لیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر آفیسر آگے بڑھا... ان کے نزدیک پہنچا اور بولا:

"کیا آپ لوگوں نے چوری کی ہے۔"

انہوں نے چاہا... کہہ دیں:

"نہیں! ہم نے چوری نہیں کی۔"

لیکن ان کی زبانیں نہ ہل سکیں... یہ دیکھ کر پولیس آفیسر کو بہت حیرت ہوئی:

"کیا بات ہے... آپ خاموش کیوں ہیں۔"

"جرم کیا ہے نا... بولیں کیا۔" سربال ہنسا۔

اب پولیس آفیسر نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاشی لی... محمود کی جیب سے ایک لائٹر نکلا... وہ اب اس لائٹر کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے... اس جیسا لائٹر انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کیا یہی ہے وہ لائٹر۔"

"ہاں! یہی ہے... دوسرے کی جیب سے میرا پین نکال لیں... وہ بھی ہیرے کا ہے اور ایک کروڑ کا ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے... لیکن ان کی آوازوں میں ان تینوں کی آوازیں شامل نہیں تھیں۔

"اور اس لڑکی کی جیب سے میرا چشمہ نکال لیں... اس کا فریم بھی ہیرے کا ہے۔"

"نن... نہیں۔"

"خاص لوگ ہیں... تو خاص چیزیں ہی چرائیں گے نا۔"

"حیرت ہے... کمال ہے۔" پولیس آفیسر کے منہ سے نکلا۔

"یہ تینوں چیزیں مجھے دے دیں اور انہیں لے جائیں۔"

"بہت بہتر۔"

آفیسر نے تینوں چیزیں سربال کی طرف بڑھا دیں... اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا... کہ وہ ان تینوں کو لے چلیں... کانسٹیبل ان کی طرف بڑھے ہی تھے کہ سربال بول اٹھا:

"ٹھہریں... بس رہنے دیں... آپ لوگ جائیں۔"

"کیا مطلب... ہم لوگ جائیں۔"

"ہاں! میں نے پروگرام بدل دیا ہے... اب انہیں سزا میں اپنے ہاتھوں سے دوں گا... آپ جائیں۔"

"یہ قانون کے خلاف ہے... سزا دینا عدالت کا کام ہے۔"

"تم جاتے ہو یا نہیں۔" سربال کا لہجہ بدل گیا۔

"میں کہتا ہوں... جاؤ۔" سربال دھاڑا۔

سارا لان ہل گیا... درختوں پر بیٹھے پرندے خوفناک آوازوں کے ساتھ اڑ گئے اور دور ہوتے چلے گئے... ادھر پولیس آفیسر اور اس کے ساتھی تھر تھر کانپ رہے تھے... یہی حالت انوار بروہی اور شائلہ کی تھی... البتہ وہ تینوں اب تک اسی طرح پتھر کے بت بنے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے پولیس والوں کو بدحواسی کے عالم میں کوٹھی سے باہر جاتے دیکھا:

"مسٹر انوار... جا کر گیٹ اندر سے بند کر دو۔"

ایک لمحے کے لیے انوار بروہی کا رنگ اڑ گیا... وہ ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر تھے... اس طرح انہیں بھلا کب کوئی پکارتا ہوگا... لیکن انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا اور جا کر گیٹ بند کر آئے۔

''اب میرے پیچھے آؤ... اور تم تینوں بھی آؤ... لنگور کہیں کے۔''

''لنگور کہیں کے'' سن کر ان کے چہرے سرخ ہو گئے... ان کا جی چاہا... سربال کا منہ نوچ لیں... لیکن وہ صرف اندر کی طرف قدم اٹھانے کے قابل تھے اور بس۔''

سربال کے پیچھے چلتے وہ اندرونی بڑے کمرے میں آئے... اس کمرے میں ایک بڑی میز کے گرد کرسیاں رکھی گئی تھیں... دراصل یہاں دفتر کے آفیسرز کے ساتھ میٹنگیں ہوتی تھیں:

''مسٹر انوار بروہی... اس میز پر لیٹ جاؤ۔''

''جج... جی... کیا فرمایا۔''

''میں نے کہا ہے... اس میز پر لیٹ جاؤ۔'' وہ دھاڑا۔

انوار بروہی کے جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی... وہ فوراً میز پر لیٹ گئے:

''لو لڑکی... اب دیکھو نظارا... تم نے جن لوگوں کو مدد کے لیے بلایا تھا... وہ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکیں گے۔''

''تت... تت... تم کیا کرنا چاہتے ہو۔'' مارے خوف کے شائلہ بولی۔

''میں وہ کرنے لگا ہوں... جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے... مسٹر انوار بروہی...''

''ہاں مسٹر سربال۔''

''وہ بریف کیس کہاں ہے... جو ملک کے صدر نے تمہیں دیا تھا۔''

''وہ... وہ... وہ۔'' مارے خوف کے انوار بروہی کے منہ سے نکلا۔

''ہاں وہ۔''

''وہ اس سامنے والی سیف میں ہے۔''

''سیف کی چابیاں مجھے دو۔''

انوار بروہی نے لیٹے لیٹے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ باہر نکلا تو اس میں چابیوں کا چھلا تھا۔ وہ اس نے سربال کی طرف بڑھا دیا:

''ہی ہی ہی... ہاہاہا۔'' وہ خوفناک ہنسی ہنسا۔

اس لمحے ایک بار پھر محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے جسموں کو حرکت دینے کی کوشش کی... لیکن وہ پلٹ تک نہ سکے... سربال نے نہایت اطمینان سے چابیوں کا چھلا ان کے ہاتھ سے لیا اور سیف کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک ایک کر کے چابیاں لگانے لگا۔ آخر سیف ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا... اب اس کا خفیہ خانہ کھولنا تھا... اسے کھولنے میں بھی اسے صرف چند سیکنڈ لگے... اس خانے میں سیاہ رنگ کا بریف کیس موجود تھا... اسے دیکھ کر وہ ایک بار پھر ہنسا... پھر اس نے بریف کیس اٹھا لیا... اور انوار بروہی کی طرف آیا... چابیاں ان کی طرف اچھالیں اور بولا:

''یہی ہے نا وہ بریف کیس۔''

''ہاں مسٹر سربال! وہ یہی ہے۔''

''جس میں تم لوگوں کی جان بند ہے۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''ہاں! یہی ہے۔''

''لو... اب تم میز سے اٹھ کر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ... میں

ذرا ان تینوں کا مزاج پوچھ لوں... زندگی میں پہلی بار کسی کا دھکا لگنے سے میں گرا ہوں... لہٰذا انہیں تھوڑی بہت تو سزا دینا ہوگی... کیا خیال ہے مسٹر بروہی۔"

"بہت نیک خیال ہے۔"

"شکریہ... اب... تم ادھر آؤ... اور میز پر لیٹ جاؤ۔" اس نے محمود کی طرف اشارہ کیا... فوراً ہی محمود کے جسم میں حرکت ہوئی... کہاں تو وہ پلک تک نہیں جھپک رہا تھا... کہاں چلنے کے قابل ہو گیا تھا... وہ سیدھا میز کی طرف آیا اور اس پر لیٹ گیا... فاروق اور فرزانہ اگرچہ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے... لیکن سوچنے اور سمجھنے کے قابل تو تھے، لہٰذا ان کے دل بڑی طرح دھڑکنے لگے... دم گویا لبوں پر آ گئے... انہوں نے خود کو اپنی زندگی میں اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا ہوگا... جتنا کہ اس وقت... نہ جانے وہ محمود کے ساتھ کیا سلوک کرنے چلا تھا... اسے کیا سزا دینے والا تھا... اور پھر انہوں نے چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ سنی... اب تو ان کے اوسان خطا ہو گئے... وہ کس قدر بے بس تھے... محمود کے لیے کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھے... شائلہ آنکھیں پھاڑے یہ ہولناک منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا:

"نن نہیں... نہیں۔"

"نہیں کہیے یا ہاں... مجھے تو اپنا کام کرنا ہے... انہوں نے میری جیبوں میں ہاتھ ڈالا... میری چیزیں اڑائیں... آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا... پھر انہوں نے مجھے نیچے گرایا... میرے نزدیک ان سے بڑا مجرم کون ہو گا... ویسے تم فکر نہ کرو... میں انہیں جان سے نہیں ماروں گا... ان کے صرف ناک اور کان کاٹوں گا... تاکہ لوگ انہیں نکٹے اور کن کٹے کہا کریں۔"

"نن... نہیں۔" شائلہ چلائی۔

انوار بروہی بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھے... لیکن بالکل خاموش تھے... وہ سب کچھ محسوس کر رہے تھے... لیکن سربال کو اس کے ارادے سے روکنے کے قابل نہیں تھے... کھلا چاقو لیے وہ محمود پر جھکا...

فاروق اور فرزانہ نے جسموں کو حرکت دینے کی کوشش کی... لیکن ایسا نہ کر سکے... شائلہ کے پورے جسم میں اب لرزہ طاری تھا... انوار بروہی کی آنکھوں میں دہشت ہی دہشت نظر آ رہی تھی۔

ایسے میں کچھ کی آواز سنائی دی اور پھر ایک ہولناک چیخ نے کمرے کو ہلا کر رکھ دیا:

☆☆☆☆☆

سربال

کھٹ کی آواز کے ساتھ ہی ان کے دل اچھل کر حلق میں آ رہے تھے... ایسے میں انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی، وہ پرسکون آواز میں کہہ رہے تھے:

"لگتا ہے، تم کوئی جادوگر ہو... اور ہپناٹزم کے ماہر بھی..."

سربال ابھی تک اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے سے پکڑے کھڑا تھا... انسپکٹر جمشید کا پھینکا ہوا چاقو اس کی ہتھیلی کے آر پار ہو گیا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا... اچانک اس نے چاقو اپنی ہتھیلی سے کھینچ لیا اور بجلی کی سی تیزی سے انسپکٹر جمشید پر کھینچ مارا... وہ پہلے ہی اس حملے کے لیے تیار تھے... لہٰذا چاقو دروازے میں پیوست ہو گیا:

"آؤ آؤ... وقت پر آئے... چلو اچھا ہے... ایک ہی بار تم سب کا کا کانٹا نکل جائے گا... اور پھر بٹوما میں کام جاری رہ سکے گا۔"

"بٹوما۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! بٹوما... لیکن یہ کیا تم میری طرف دیکھے بغیر بات کر رہے ہو... ڈر گئے ہو کہ کہیں میں تمہیں ہپناٹزم کے زیر اثر نہ لے آؤں۔"

"ایسی بات نہیں... میں تمہارے ٹرانس میں نہیں آؤں گا... ویسے میرا خیال ہے... تم جادوگر بھی ہو۔"

"خیال بُرا نہیں۔" وہ ہنسا۔

"تم سے دو بے وقوفیاں ہوئیں... ورنہ تم بریف کیس لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور وہ کون کون سی؟" سربال نے منہ بنایا۔

"ایک تو یہ... کہ تم شریف کو بھول گئے... انہوں نے مجھے فون کر دیا... دوسرے وہ پولیس آفیسر... جسے تم نے جانے کی اجازت دے دی... انہوں نے بھی مجھے فون کر دیا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے... لیکن بات اب بھی میرے ہاتھ ہی ہے..."

"چاہتے کیا ہو۔"

"یہ بریف کیس لے جانا۔"

"اس میں کیا ہے۔"

"یہ اپنے انوار بردہی سے پوچھتے رہنا... میں تو چلا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ میں بریف کیس تھام لیا۔

"میرے پاس چاقو ختم نہیں ہوئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک اور چاقو نظر آیا۔

"پہلے میں باخبر تھا... میری ساری توجہ تمہارے اس لڑکے پر تھی... اب تم چاقو پھینک کر اس کا انجام دیکھ لو... میں اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کروں گا... اس کے باوجود تمہارا چاقو مجھے نہیں لگے گا۔"

"اچھی بات ہے... یہ لو پھر... سنبھلو۔"

انہوں نے تلے انداز میں چاقو کھینچ مارا... وہ اپنی جگہ سے

ہلا تک نہیں... اس نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوئی کوشش نہیں کی... چاقو اس کے نزدیک سے گزر گیا اور دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گرا... انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں تیسرا چاقو تھا:

"کیا خیال ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اسے بھی آزما لو۔" وہ ہنسا۔

انہوں نے ایک بار پھر پوری طرح نشانہ لے کر چاقو پھینکا... لیکن وہ بھی اسے نہ لگا...

"اب کیا خیال ہے۔" سربال بولا۔

"مقابلہ تو ہوگا۔"

"ضرور... کیوں نہیں... اگر تم نے مجھے مقابلے میں شکست دے دی تو میں یہ بریف کیس یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

"یہ لے جانا کہاں چاہتے ہو۔"

"بتایا تو ہے بٹوما۔"

"اور یہ بٹوما کہاں واقع ہے۔"

"اگر مجھ سے اگلوا سکتے ہو تو ضرور اگلوا لینا... فی الحال تو اپنی خیر مناؤ... موت تم سے بہت قریب ہے۔"

"موت تو انسان سے کبھی بھی دور نہیں ہوتی۔"

"اس وقت تم اس کے دہانے پر پہنچ گئے ہو... مجھے خاص طور پر ہدایات تھیں کہ بریف کیس حاصل کرنے کے علاوہ تمہیں بھی ٹھکانے لگانا ہے... اچھا ہوا... مجھے تمہارے گھر نہیں جانا پڑا... تم خود یہاں آ گئے... ویسے یہاں سے فارغ ہو کر مجھے تمہاری طرف ہی آنا تھا۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"پہلے تم اپنا زور لگا لو... کیونکہ اس کے بعد تو میرا کام رہ جائے گا اور وہ چند لمحے میں پورا ہو جائے گا۔"

"یہ لو پھر یہ چیز سنبھالو۔"

اس مرتبہ انہوں نے ایک گول سی چیز اس پر پھینک ماری... وہ شیشے کی تھی... اس کے پیروں پر گری اور پھٹ گئی... اس کے پھٹنے سے ایک ہلکا سا دھماکا ہوا... اس میں سے سفید دھواں نکلا اور سیدھا اس کی ناک کی طرف گیا... اس دھوئیں سے وہ بری طرح لڑکھڑا گیا اور پھر انہوں نے اسے گرتے دیکھا:

"اللہ تیرا شکر ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کے نزدیک آ کر گرے... دوسرے ہی لمحے انہوں نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکالی اور اس کا ڈھکنا کھولتے ہی اس کے منہ میں الٹ دی... شیشی کی دوا اس کے حلق سے نیچے اتر گئی۔

"تم لوگ اب حرکت کر سکتے ہو یا نہیں۔" انہوں نے ان تینوں سے پوچھا۔

پہلے ان کی پلکوں میں حرکت ہوئی... پھر سر ہلے... اس کے بعد پورے جسم میں حرکت ہوئی... اور آخر ان کے منہ سے نکلا:

"ہم اب بول سکتے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

محمود میز سے اٹھ بیٹھا۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اُف مالک! اگر آپ نہ آ جاتے تو..."

"اللہ کی مہربانی سے میں یہاں پہنچ سکا... انوار بروہی صاحب... اس بریف کیس میں کیا ہے۔"

"بس... کچھ نہ پوچھیں۔"

"اچھی بات ہے... نہیں پوچھتا... لیکن پہلی فرصت میں اسے محفوظ مقام تک پہنچا دیں۔"

"بس تو پھر آپ کر گزرے یہ کام... کیونکہ یہ شخص ہوش میں آ کر کچھ بھی کر سکتا ہے... ایسا نہ ہو... کہ ہم اس کے مقابلے میں بے بس ہو جائیں... اور..."

"میں جا رہا ہوں... بریف کیس فوراً صدر صاحب کے حوالے کر دیتا ہوں۔"

"انہوں نے یہ آپ کو دیا کیوں تھا؟"

"یہ مجھے ان سے نہیں ملا... صدر صاحب بیرون ملک گئے ہوئے تھے... انہیں تین دن بعد آنا تھا... لیکن آج شام کو جن صاحب کے پاس یہ تھا، انہیں بھی کسی فوری ضرورت کے تحت ملک سے باہر جانا پڑ گیا۔ وہ یہ مجھے دے گئے کہ جونہی صدر صاحب آئیں... یہ انہیں دے دیا جائے... اب اس سے پہلے کہ میں یہ لے کر جاتا... یہ شخص یعنی سربال ملنے کے لیے آ گیا... اب مجھے کیا معلوم تھا... کہ یہ کوئی خوفناک بلا ہے۔"

"لیکن یہ آ کیسے گیا۔"

"نوادرات کا بہانہ بنا کر... میں نوادرات کا بہت شوقین ہوں نا..."

"میں سمجھ گیا... اس سے انشاء اللہ ہم نبٹ لیں گے... آپ جائیں... اور ہاں جب آپ یہ صدر صاحب کے حوالے کر دیں تو مجھے فون ضرور کر دیجیے گا..."

"اچھی بات ہے۔"

"کیا آپ یہ بتانا پسند نہیں کریں گے کہ آپ کو یہ بریف کیس دیا کس نے تھا۔"

"آپ کوئی عام آدمی نہیں ہیں... لہٰذا بتا دیتا ہوں... یہ اے کے تمامی نے مجھے دیا تھا۔"

"اے کے تمامی... آپ کا مطلب ہے... وزیر خارجہ نے۔"

"جی ہاں۔"

"اچھی بات ہے... آپ تو جائیں... ویسے آپ کو معلوم ہے... اس میں ہے کیا۔"

"نہیں... مجھے بالکل معلوم نہیں۔"

"خیر! اس شخص کو معلوم ہے..." انہوں نے سربال کی طرف اشارہ کیا... وہ ابھی تک مکمل طور پر بے ہوش تھا... انوار بروہی نے بریف کیس اٹھایا اور فوراً نکل گئے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا ابا جان... یا تو یہ شخص پورا پورا جادوگر یا پھر جرم کا ماہر نظر آ رہا تھا... یا اس طرح مار کھا گیا۔"

"دراصل ایسے لوگوں کے نزدیک آنا خطرناک ہوتا ہے... میں نے دور رہ کر وار کیا... وہ بھی اس وقت جب کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا... ورنہ تم نے دیکھ لیا جب وہ ہوشیار تھا تو میرا کوئی چاقو اسے نہیں لگا... البتہ گیس گیند

سے وہ نہ بچ سکا... مجھے یقین ہے... یہ شخص جادوگر نہیں تو ہپناٹزم کا ماہر ضرور ہے... اور ایسے لوگوں کے مقابلے کے لیے مضبوط ترین قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے... اگر ہماری قوتِ ارادی کمزور پڑ گئی تو اس صورت میں ہم اس کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گے... اب ہمیں اسے پہلی فرصت میں باندھ لینا چاہیے۔''

انہوں نے ریشم کی ڈوری سے اسے مضبوطی سے باندھ دیا، پھر اکرام کو فون کیا۔ وہ جلد ہی وہاں پہنچ گیا... سربال کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد انوار بروہی واپس آگئے... ان کے چہرے پر گہرا اطمینان تھا:

''کیا رہا۔''

''بریف کیس صدر صاحب کے حوالے کر آیا ہوں... جو واقعہ پیش آیا، وہ بھی انہیں بتا آیا ہوں... وہ کافی فکر مند ہو گئے ہیں اور انہوں نے میرے سامنے ہی حفاظتی انتظامات کی ہدایات جاری کر دی تھیں۔''

''چلیے یہ اچھا ہوا... آپ کی بیٹی بھی اب پر سکون ہے... اور دماغی طور پر بالکل ٹھیک ہے... لہٰذا ہمیں اجازت دیجیے۔''

''آپ لوگ کمال کے ہیں... اگر آپ یہاں نہ ہوتے تو یہ بریف کیس تو گیا تھا۔''

''آپ احتیاط کریں... ہر آنے والے سے بے دھڑک ملاقات نہ کیا کریں... اس وقت پوری دنیا میں ہمارے ملک کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں... دراصل پوری دنیا کے غیر مسلم لوگ اسلام سے شدید خطرہ محسوس کر رہے ہیں... اور وہ چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح ہمارے ملک کو نقصان پہنچائے

رہیں۔''

''ویسے انسپکٹر جمشید صاحب... وہ شخص آخر کیا چیز تھا۔''

''آپ کا مطلب ہے... سربال۔''

''ہاں!'' وہ بولے۔

''میں اس سے حوالات میں ملاقات کروں گا... خیال یہی ہے کہ وہ جادوگر قسم کا انسان ہے۔''

''اس طرح تو وہ حوالات میں بھی ہمارے لیے خطرناک ہے۔''

''ہاں! لیکن میں ہدایات دے دوں گا... آپ فکر نہ کریں۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے بہت زحمت کی... اپنی جانوں پر کھیل کر مجھے، میری بیٹی کو اور اس بریف کیس کو بچایا۔''

''میرا خیال ہے... بریف کیس بدستور خطرے میں ہے... اس سلسلے میں بھی مجھے صدر صاحب سے ملاقات کرنا ہوگی۔''

''ہوں... ٹھیک ہے۔''

''آؤ بھئی چلیں۔'' انہوں نے تینوں سے کہا۔

وہ اٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا... فون اکرام کا تھا... بوکھلائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا:

''سربال بند کوٹھری سے غائب ہو گیا۔''

''کیا!!!''

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

☆☆☆☆☆

ایک بار پھر

"کیا کہہ رہے ہو اکرام... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"سر! دروازہ بہر حال بند ہے... ہو سکتا ہے... اس نے ہپناٹزم کے ذریعے حوالات کے نگران کو حکم دیا ہو... دروازہ کھول دو اور مجھے باہر نکال کر پھر تالا لگا دو۔"

"ہوں... لیکن حوالات سے نکلنے کے بعد پولیس اسٹیشن سے وہ کیسے نکل گیا... کیا وہ کسی کو نظر نہیں آیا۔"

"یہاں بھی اس نے ہپناٹزم کا سہارا لیا ہوگا۔ کسی نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو... خیر... میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے... لگتا ہے... یہ شخص کچھ پراسرار قوتوں کا مالک ہے... ان سے کام لیتا ہے... اب دیکھنا ہے، یہ کیا کرتا ہے... مجھے تو قدرے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں سر... خوف اور آپ کو۔"

"ہاں! لیکن اپنے لیے نہیں... بریف کیس کے لیے۔"

"اس میں ہے کیا۔"

"ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اکرام... تاہم صدر صاحب سے بات کروں گا اور انہیں خطرے سے خبردار کرنے کے ساتھ یہ بھی پوچھوں گا... اس میں ہے کیا..."

ابھی انہوں نے فون بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔ وہ یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ فون صدر صاحب کا تھا:

"اللہ اپنا رحم کرے... یہ کہتے ہوئے انہوں نے موبائل آن کر دیا... اور بولے:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جمشید... فوراً چلے آؤ... تینوں بچوں کو بھی لے آنا... اور پروفیسر صاحب اور خان رحمان کو تو میں خود ہی فون کر رہا ہوں۔"

"بہت بہتر سر... ہم آ رہے ہیں۔"

چند منٹ بعد وہ صدر صاحب کے سامنے بیٹھے تھے... ان چھ افراد کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا:

"ایک بریف کیس وزارت خارجہ کی تحویل میں تھا... وزیر خارجہ کو بیرون ملک جانے کی ضرورت پیش آ گئی... چند دن بعد بریف کیس میرے حوالے کیا جانا تھا... میں ان سے پہلے ایک ملک کے دورے پر چلا گیا... اب وزیر خارجہ نے سوچا... میں واپس لوٹوں گا تو بریف کیس کون مجھ تک پہنچائے گا... اس کام کے لیے انہیں انوار بردی مناسب نظر آئے۔ آخر وہ وزارت خارجہ کے سیکرٹری ہیں... وہ انہیں ہدایات دے کر چلے گئے... اب بریف کیس

انوار بروہی کے پاس تھا... کہ ان سے ایک شخص ملنے کے لیے آیا۔ اس نے اپنا نام سربال بتایا اور یہ بتایا کہ وہ نوادرات کا تاجر ہے... انوار بروہی نوادرات کے شوقین ہیں... لہٰذا انہوں نے اسے اندر بلا لیا۔ اس کے بعد وہاں جو کچھ ہوا، اس سے تم لوگ آگاہ ہو... میں نے تمہیں یہاں یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ ہمارے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے۔''

''ہاتھ ہو گیا ہے... کیا مطلب؟''

''جو بریف کیس تم لوگوں نے انوار بروہی کو دیا، یہ کہ اسے فوراً مجھ تک پہنچا دیں... وہ اصلی بریف کیس نہیں ہے۔''

''کیا!!!!'' وہ چلا اٹھے۔

''ہاں! یہی بات ہے... مجھ تک جو بریف کیس پہنچا ہے... وہ نقلی ہے... اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''یہ ہو چکا ہے جمشید اور بہت خوفناک واقعہ ہے... اس قدر کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''اس... اس بریف کیس میں تھا کیا۔''

''ابھی یہ بات نہیں بتائی جا سکتی... لیکن تم لوگوں کو اس جادوگر سے اصلی بریف کیس واپس لانا ہے۔''

''سوال تو یہ ہے سر... کہ سربال نے وہ بریف کیس کب اٹھایا... انوار بروہی صاحب تو اپنے گھر سے بریف کیس لے کر آپ کے پاس آئے تھے۔''

''وہ نقلی بریف کیس تھا... بریف کیس اس سے پہلے ہی اڑایا جا چکا تھا۔''

''ن... نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر... وزیر خارجہ اے کے تمامی صاحب نے وہ بریف کیس انوار بروہی صاحب کو دیا تھا... انہیں وہ بریف کیس آپ کو دینا تھا... آپ بیرون ملک گئے ہوئے تھے... ورنہ اے کے تمامی خود بریف کیس آپ کو دیتے... لیکن انہیں بھی غیر ملکی دورے پر جانا پڑا... اس لیے جانے سے پہلے انہوں نے بریف کیس انوار بروہی کے حوالے کر دیا تاکہ جونہی آپ آئیں... وہ بریف کیس آپ کو سونپ دیں... اب آپ کے آنے سے پہلے سربال نامی ایک شخص نے انوار بروہی سے ملاقات کی... یہ شخص یا تو جادوگر ہے... یا ہپناٹزم کا بہت ماہر ہے... اس بات کا بھی امکان ہے کہ جادوگر بھی ہو اور ہپناٹزم کا ماہر بھی یا قبضے میں کچھ شیطانی طاقتیں ہوں... جادوگروں کے پاس ایسی طاقتیں ہوتی ہیں، وہ جنات کو قابو میں کر لیتے ہیں اور ان سے کام لیتے ہیں... لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ بریف کیس کیسے بدل گیا اور کب بدل گیا... دیکھیے پہلے یہ بتا دیں... اے کے تمامی تک وہ بریف کیس کیسے پہنچا تھا۔''

''ہمارے ملک کے سب سے بڑے ایٹمی سائنس دان وہ بریف کیس میرے حوالے کرنا چاہتے تھے۔''

''کس لیے... کیا انہوں نے آپ کو بتایا تھا۔''

''ہاں! انہوں نے بتایا تھا کہ اس بریف کیس میں کیا ہے... اور اسی بنیاد پر وہ بریف کیس میرے حوالے کرنا چاہتے تھے... دراصل ان کا خیال تھا کہ کچھ دشمن ممالک کے لوگ اس بریف کیس کے چکر میں ہیں... لہٰذا انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ میرے حوالے کر دیں... اسی روز مجھے بیرون ملک جانا تھا، لہٰذا میں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ بریف کیس اے کے تمامی وزیر خارجہ کو

دے دیں... میں ان سے لے لوں گا..."

"بالکل ٹھیک... مطلب یہ کہ پروفیسر عبدالقادر صاحب نے وہ بریف کیس اے کے تمامی صاحب کو دیا تھا۔"

"ہاں!" صدر صاحب بولے۔

"آپ ڈاکٹر عبدالقادر پر شک کر سکتے ہیں۔"

"نہیں... بالکل نہیں... وہ تو ہماری پوری قوم کے محسن ہیں... انہوں نے ہی تو ہمیں ایٹم بم بنا کر دیا ہے... جب تک ہم ایٹمی طاقت نہیں تھے، اس وقت تک ہمارا ہمسایہ ملک شارجستان ہمیں روز روز دھمکیاں دیا کرتا تھا... پھر جونہی ہم ایٹمی طاقت بنے... اس کی دھمکیوں کا سلسلہ رک گیا... لہٰذا ان پر تو شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں..."

"میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا... ہمارے نزدیک وہ پوری قوم کے محسن ہیں... اس کے بعد نمبر آتا ہے... اے کے تمامی صاحب کا... ان کے پاس وہ بریف کیس ایک آدھ دن رہا ہے... لہٰذا انہیں بدلنے کا موقع میسر تھا... آپ کیا کہتے ہیں... کیا وہ یہ کام کر سکتے تھے۔"

"میرا تو یہی خیال ہے... کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتے... کیونکہ وہ بھی مخلص ہیں۔"

"ان کے بعد وہ بریف کیس ملا تھا انوار بروہی صاحب کو... ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ان کے بارے میں... وہ بھی بہت دیانت دار ہیں۔"

"اور سرباں کو یہ موقع حاصل نہیں تھا... کیونکہ ادھر وہ اس کے ہاتھ لگا ادھر اس سے ہم نے حاصل کر لیا... اور اسے حوالات میں بند کر دیا...

حوالات سے وہ فرار ہو گیا... اور ساتھ ہی آپ نے بریف کیس کو چیک کیا تو وہ نقلی تھا... سوال یہ ہے کہ اصلی بریف کیس کہاں ہے..."

"جمشید! اصل پریشانی کی بات یہ ہے کہ وہ بریف کیس بہت زیادہ اہم ہے۔"

"آپ ہمیں بتا کیوں نہیں دیتے... اس میں تھا کیا۔"

"پروفیسر عبدالقادر نے خود مجھے بھی نہیں بتایا۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں جمشید... انہوں نے یہ بات مجھے بھی نہیں بتائی... اب میں تمہیں کیا بتاؤں۔"

"یہ تو عجیب بات ہو گئی... ان حالات میں ہم اسے تلاش کیسے کر سکتے ہیں۔"

"اسے کھولنے کا طریقہ بھی صرف پروفیسر صاحب کو معلوم ہے... مطلب یہ کہ اس وقت وہ جس کے پاس ہے... وہ بھی اسے نہیں کھول سکتا۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے... ان کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے گھبراہٹ کے عالم میں پروفیسر صاحب کے نمبر ملائے... دوسری طرف سے ان کی آواز سنائی دی:

"پروفیسر عبدالقادر بات کر رہا ہوں۔"

"اور میں انسپکٹر جمشید ہوں... آپ کہاں ہیں۔"

"میں... میں اس وقت تجربہ گاہ کے رہائشی حصے میں ہوں۔"

"اور کیا یہاں حفاظتی انتظامات مکمل ہیں۔"

"ہاں بالکل... کیوں... کیا ہوا؟" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں

بولے۔

"ہم آرہے ہیں... آپ پہرے داروں کو چوکس کر دیں... کوئی آپ کے رہائشی حصے کی طرف نہ آنے پائے اور تجربہ گاہ کی حفاظت پر جو فوجی مقرر ہیں... انہیں بھی خبردار کر دیں... آپ کو شدید خطرہ لاحق ہے۔"

"ارے باپ رے۔" وہ بولے۔

انہوں نے فون بند کیا اور اٹھ کھڑے ہو گئے:

"اب ہمارے پاس وقت نہیں ہے سر۔"

"ٹھیک ہے جمشید۔"

وہ دوڑ کر باہر نکلے... اپنی جیپ میں بیٹھے اور تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"محمود... تم اپنے انکل خان رحمان کو فون کرو اور فاروق تم پروفیسر انکل کو... تاکہ ہم وہاں ایک ساتھ ہی پہنچ جائیں۔"

"جی اچھا۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

پھر محمود نے خان رحمان کے نمبر ملائے... دوسری طرف سے موبائل تو آن کر لیا گیا... لیکن خان رحمان بات کر رہے تھے ظہور سے وہ کہہ رہے تھے:

"آج تو بس تم تین گھنٹے کے لیے کان پکڑ لو۔"

"یہ... یہ ناانصافی ہے خان صاحب!" ظہور کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ناانصافی ثابت کرو... ورنہ سزا چار گھنٹے کی ہوگی۔"

"پچھلی مرتبہ جب سوٹ جلا تھا تو آپ نے دو گھنٹے کی سزا دی تھی اور وہ سوٹ دو ہزار کا تھا... آج کا سوٹ ایک ہزار روپے کا تھا... لہٰذا سزا نصف ہونی چاہیے... یعنی ایک گھنٹے کی۔"

"ہوں... جواب معقول ہے... لہٰذا ایک گھنٹے کے لیے کان پکڑ لو۔"

"یہ بھی نہیں ہوگا... پچھلی مرتبہ آپ نے وقت دیکھنے میں دیر لگا دی تھی... اور میں نے آدھ گھنٹا زیادہ کان پکڑ رکھے تھے..."

"اوہ! یہ تو صرف آدھ گھنٹا رہ گیا... ایک منٹ... پہلے میں فون سن لوں السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام... فون آن کر کے آپ ظہور انکل کو کان پکڑوانے میں لگے رہے... مجھے انتظار کی زحمت کرنی پڑی... اب یا تو آپ جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار رہیں... یا اس کے بدلے میں ظہور کے آدھ گھنٹے کی سزا بھی معاف کر دیں۔"

"دھت تیرے کی۔"

"ہائیں! یہ کیا... آپ میں کہیں میری روح تو حلول نہیں کر گئی۔"

"حد ہو گئی۔" خان رحمان جھلا اٹھے۔

"اب شاید فرزانہ کی روح آ گئی آپ کی طرف۔"

"یار کیا روح روح لگا رکھی ہے..." خان رحمان جھلا اٹھے۔

"اچھا انکل! اب میں روح کی بات نہیں کروں گا... آپ ایسا کریں کہ پروفیسر عبدالقادر کی تجربہ گاہ پہنچ جائیں... پروفیسر انکل کو بھی فون کر رہے ہیں۔"

"خیر تو ہے..." خان رحمان چونکے۔

"خیر لگتی نہیں... ویسے اس سے وہاں ملاقات ہو جائے تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"کس سے؟" خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی... خیریت سے اور کس سے۔"

"دہشت تیرے کی... اچھا... میں پہنچ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

ادھر فاروق پروفیسر داؤد کے نمبر ملا رہا تھا... سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"السلام علیکم... سرد فیپر انکل۔"

"وعلیکم السلام... آہا فاروق یہ تم ہو... تم... مگر... یہ تم کیا کہہ گئے سرد فیپر انکل..."

"وہ... معاف کیجیے گا انکل... آپ کے نام میں س اور پ نے جگہ بدل لی... آپ کچھ خیال نہ کریں۔"

"تم کہتے ہو تو نہیں کرتا خیال... اب یہ بتا دو... اور کیا خیال کروں۔"

"خیال کرنے کے لیے ہم جو ہیں انکل... آپ بس اتنا کریں کہ پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ پہنچ جائیں... ہم بھی ادھر کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔"

"پروفیسر تو میں خود ہوں... فاروق آج تم گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

"جی کیا کہا... گھاس... نہیں آج تو گھاس نہیں کھائی۔" فاروق گڑبڑا گیا۔

"حد ہو گئی... کیا ہم روز گھاس کھاتے ہیں۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"انکل فرزانہ برا مان گئی... گھاس کھانے پر... مطلب یہ کہ ہم پروفیسر عبدالقادر کے ہاں جا رہے ہیں... آپ بھی فوراً وہاں پہنچ جائیں۔"

"اچھی بات ہے... یوں کہو نا۔" پروفیسر ہنس دیے۔

اور پھر وہ آگے پیچھے تجربہ گاہ کے دروازے پر پہنچے... وہاں چاروں طرف فوج کا پہرہ نظر آیا... ایک طرف فوجی دفتر بھی تھا... انہوں نے گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا... اندر چند آفیسر کام میں مصروف تھے... وہ اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ خود ہی بول اٹھے:

"ہاں! انہوں نے آپ لوگوں کے بارے میں ہدایات دی ہیں... ہم آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتے ہیں... وہ اس وقت تجربہ گاہ میں نہیں ہیں... رہائشی حصے میں ہیں۔"

"وہاں بھی حفاظتی انتظامات اسی پیمانے پر ہیں نا۔" انہوں نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ وہاں برجیوں پر فوجی کھڑے تھے۔

"اس پیمانے کے تو نہیں ہیں، لیکن ہیں ضرور... اور آپ فکر نہ کریں... پروفیسر صاحب خیریت سے ہیں۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس پیمانے کے کیوں نہیں ہیں... کیا ایٹمی پلانٹ کی طرح ان کی حفاظت ضروری نہیں۔"

"ضروری تو ہے... اور اپنے حساب سے ہم نے تمام تر انتظامات کیے ہیں... اب آپ کے کہنے کے بعد وہاں کے انتظامات بھی یہاں کے مطابق ہی کر دیں گے۔"

"شکریہ! اب چلیں۔"

انہوں نے ان کی گاڑی وہیں چھوڑ دی اور فوجی جیپ میں بٹھا کر انہیں لے چلے، ساتھ ہی آفیسر نے کہا:

"رہائشی حصے سے واپسی پر بھی آپ اسی جیپ میں آئیں گے... مطلب یہ کہ پلانٹ میں یا رہائشی حصے میں کوئی غیر فوجی گاڑی نہیں جا سکتی۔"

"یہ اچھا انتظام ہے۔" انسپکٹر جمشید نے تعریف کی۔

پھر جیپ چل پڑی... کوئی پانچ منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچے... اس دروازے کے پاس بھی ایک کیبن تھا... دروازے کے سامنے اور دائیں بائیں مسلح فوجی موجود تھے... یہاں بھی برجیاں بنائی گئی تھیں اور ان پر فوجی موجود تھے۔ آفیسر نے موبائل کے ذریعے دروازے کے اندر موجود فوجی آفیسر سے بات کی... اس کے بعد وہ گیٹ کھول دیا گیا اور جیپ اندر داخل ہوئی:

"پہلے ان حضرات کی تلاشی لی جائے گی۔" اندر موجود آفیسر نے کہا۔

"ضرور... آپ اپنی کارروائی مکمل کریں۔"

"کیا پروفیسر صاحب خیریت سے ہیں۔"

"ہاں بالکل... ابھی تھوڑی دیر پہلے انہوں نے آپ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔"

"تب پھر چیکنگ کی کیا ضرورت ہے۔"

"آپ کے بھیس میں کوئی اور لوگ بھی تو آ سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ اپنی کارروائی مکمل کرلیں۔"

پہلے ان کی تلاشی لی گئی... پھر چند عجیب و غریب کیمروں سے تصاویر لی گئیں... تب کہیں جا کر آفیسر نے کہا:

"یہ ٹھیک ہے... انہیں پروفیسر صاحب کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

ایک بار پھر انہیں جیپ میں بٹھایا گیا... اب جیپ ایک سڑک پر چل پڑی... دو منٹ بعد بلند و بالا درختوں کے درمیان گھری ایک عمارت کے سامنے جیپ رکی...

"اب آپ اندر جا سکتے ہیں... جیپ یہیں رہے گی... آپ ملاقات کر کے واپس یہیں آئیں گے اور ہم آپ کو آپ کی گاڑی تک لے جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے... آپ کا شکریہ۔"

"اندر گھریلو ملازم آپ کو پروفیسر صاحب کے کمرے تک لے جائے گا... ملازم دروازے پر آپ کا انتظار کر رہا ہے..."

"بہت بہت شکریہ!!"

وہ اندر داخل ہوئے... ایک باوردی ملازم نے انہیں سلام کیا اور بولا:

"آئیے!"

اب وہ ان کے آگے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک کمرے کے بڑے سے دروازے کے سامنے جا رکا... اس نے دروازے پر لگا ایک بٹن دبا دیا۔ اندر بہت آہستہ آواز میں گھنٹی بجی... پھر دروازہ خود بخود کھل گیا۔

"تشریف لے جائیں... پروفیسر صاحب اندر موجود ہیں۔"

جونہی وہ اندر داخل ہوئے... بہت زور سے اچھلے:

گڑبڑ

اندر سر بال موجود تھا... ان کے کانوں میں اس کی سرد اور سرسراتی آواز گونجی۔

"تو تم لوگ یہاں بھی آگئے۔"

"اور ہم آپ کو یہاں دیکھ کر حیران ہیں... پروفیسر کہاں ہیں۔"

"پروفیسر... ہاہاہا... بے چارہ... پروفیسر... پہلے میں نے بریف کیس اڑایا... اس کے بعد تمہارے پروفیسر کا ہاتھ صاف کر دیا اور اب یہاں سے جا رہا ہوں... تم لوگ روک سکتے ہو تو مجھے روک لو..." ان کے الفاظ کے ساتھ ہی وہ ان کے درمیان سے نکلتا چلا گیا... وہ پتھر کے بتوں کی طرح ساکت کھڑے رہ گئے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے پاؤں کئی من کے ہو گئے ہوں... وہ ہل بھی نہ سکے... نہ اپنے رخ گھما سکے... انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر بند ہونے کی بھی سنی... انہوں نے حلق سے آواز نکالنا چاہی... وہ ایسا بھی نہ کر سکے... یوں لگتا تھا جیسے کسی جادوئی دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے پتھر کے بن گئے ہوں۔ البتہ ان کے دماغ کام کر رہے تھے، وہ سوچ اور سمجھ سکتے تھے... اور اس وقت وہ بے بسی کے عالم میں یہ سوچ رہے تھے کہ پروفیسر عبدالقادر کہاں ہیں... وہ تو انہیں یہاں نظر ہی نہیں آئے تھے۔

پھر آدھ گھنٹا گزر گیا... تب کہیں جا کر ان کے جسموں میں حرکت ہوئی... وہ دوڑ کر باہر نکلے... لیکن باہر فوجی گاڑی موجود نہیں تھی... وہ تجربہ گاہ کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے... یہ بھی کافی فاصلہ تھا... پندرہ منٹ بعد وہ اس جگہ پہنچے... انہیں اس طرح دوڑ کر آتے دیکھ کر فوجی گھبرا گئے... انہوں نے اپنی رائفلیں تان لیں:

"خبردار! یہ ہم ہیں... جنہیں آپ لوگوں نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے رہائشی حصے میں بھیجا تھا۔"

"کیا مطلب... آپ لوگ تو فوجی گاڑی میں پہلے ہی ادھر آ چکے ہیں اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جا چکے ہیں۔" ایک فوجی نے چلا کر کہا۔

"کیا... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"وہی کہہ رہا ہوں... جو ہوا ہے... آپ لوگ پروفیسر صاحب سے ملاقات کے بعد فوجی گاڑی میں یہاں تک آئے تھے... پھر آپ اس گاڑی سے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور چل دیے۔"

"لیکن... لیکن... آپ اب اس طرف سے کیسے آ رہے ہیں۔"

"دوڑتے ہوئے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

انہیں بے بسی کے اس خوفناک عالم میں بھی ہنسی آ گئی... پھر فوجی آفیسر ان کے گرد آ کھڑے ہوئے... انہیں چاروں طرف سے رائفلوں کی زد پر لے لیا گیا:

"آپ لوگ وہ نہیں ہوں گے... وہ جا چکے ہیں۔"

"تب پھر ہم کون ہیں۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں... آپ بتائیں، آپ کون ہیں اور

اس طرف کیسے پہنچ گئے تھے... جب کہ بغیر اجازت اس طرف پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"ہمارے پر کب ہیں۔" فاروق جل گیا۔

"ایک منٹ بھئی... یوں بات نہیں بنے گی... ہمیں صدر صاحب کو فون کرنا ہوگا۔"

"جسے جی چاہے فون کریں... جب تک ہمارا اطمینان نہیں کرائیں گے... ہم جانے نہیں دیں گے۔"

"ٹھیک ہے... آپ کا شکریہ... آپ نے ہمیں فون کی اجازت تو دی۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... جلد ہی ان کی آواز سنائی دی:

"ہاں جمشید... کیا رپورٹ ہے۔"

"بہت خوفناک سر... پہلے تو ہمیں ان فوجیوں سے نجات دلوائی جائے..." جو ہمیں گھیرے کھڑے ہیں۔

"کیا مطلب... ایسی کیا بات ہوگئی۔"

"فون پر بتانا ذرا مشکل ہے سر... یوں سمجھ لیں کہ پروفیسر عبدالقادر صاحب کو بھی اغوا کرلیا گیا ہے۔"

"کیا!!! نہیں۔" صدر صاحب چلائے۔

"یہی بات ہے سر... جب ہم یہاں پہنچے اور ہمیں پروفیسر صاحب کے کمرے تک پہنچایا گیا تو اندر ان کی بجائے سربال موجود تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو جمشید... یہ کیسے ممکن ہے... کہیں تم نے کوئی

خواب تو نہیں دیکھا۔"

"نہیں سر... میرے ساتھ باقی سب موجود تھے... یہ اب بھی میرے ساتھ ہیں... ایسا لگتا ہے جیسے ہم کسی شیطانی جال میں پھنس چکے ہیں... سربال یا تو کوئی شیطان ہے... یا بہت سے شیطان اس کے قبضے میں ہیں... یا آپ یوں کہہ لیں کہ جنات اس کے قبضے میں ہیں۔"

"جمشید! تم کیسی باتیں کررہے ہو۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا سر کہ فون پر بتانا مشکل ہوگا... کیا آپ یہاں نہیں آسکتے ہیں سر..."

"ہاں کیوں نہیں... میں آرہا ہوں۔"

"لیکن پہلے تو انہیں ہدایات دیں... یہ ہم پر رائفلیں نہ تانیں... ہم فوری طور پر اپنا کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... میں متعلقہ آفیسر سے بات کرتا ہوں... یہ براہ راست میرا حکم نہیں مانیں گے۔"

"جی کیا مطلب؟"

"یہی اصول ہے بھئی... ظاہر ہے... انہیں ان کے آفیسر ہی براہ راست حکم دیتے ہیں... میں تو نہیں دیتا۔"

"ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

پھر جلد ہی آفیسر کے موبائل کی گھنٹی بجی... موبائل پر بات سن کر اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا:

"ان پر سے رائفلیں ہٹالو۔"

فوجی پیچھے ہٹ گئے۔

"ہمیں فوری طور پر اسی کمرے میں لے چلیں... اور صدر صاحب آنے والے ہیں... انہیں بھی وہیں لے آئیں۔"

"یہ ہدایات بھی ہمارے آفیسر سے دلوائیں۔" آفیسر نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! اچھا ٹھیک ہے۔"

انہوں نے پھر صدر سے بات کی... صدر صاحب نے آفیسر سے اور آفیسر نے اس فوجی آفیسر سے بات کی... ساتھ ہی اس نے کہا:

"یہ لوگ جو کہیں... وہ کرتے جائیں... اور بار بار اجازت کے لیے نہ کہیں۔"

"او کے۔" آفیسر نے کہا۔ پھر ان کی طرف مڑا:

"اب مکمل اجازت ہوگئی... جو کہیں گے... ہم کریں گے۔"

"آپ بہت اچھے ہیں اور با اصول ہیں... ایسا ہی ہونا چاہیے... اور پھر یہاں تو خاص طور پر ایسا کرنے کی ضرورت ہے... لیکن افسوس! ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود... وہ پروفیسر صاحب کو اغوا کر کے لے گیا۔"

"ہم نے کسی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا... بس آپ لوگ ضرور یہاں جیپ میں بیٹھ کر آئے تھے... پھر آپ جیپ سے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔"

"حالانکہ ہم اب آئے ہیں... اس سے پہلے تو آئے ہی نہیں... ہم تو پروفیسر صاحب کے کمرے میں تھے۔"

"آخر یہ کیسے ممکن ہے۔"

"حالات جادوئی قسم کے ہیں... یا تو ہمارا واسطہ کسی جادوگر سے ہے

یا پھر ہپناٹزم کا ماہر ترین شخص ہے... خیر آئیے پہلے پروفیسر صاحب کا رہائشی حصہ دیکھ لیں۔ کیا پروفیسر صاحب یہاں اکیلے ہی رہتے ہیں۔"

"ہاں! وہ بیوی بچوں کو یہاں نہیں رکھتے... وہ ان کے آبائی گاؤں ہی میں رہتے ہیں... یہ ہر ماہ وہاں جاتے ہیں۔"

"خوب!" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ رہائشی حصے میں داخل ہوئے... ہر طرف دیکھا بھالا گیا... وہاں پروفیسر کہیں بھی نہیں تھے... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"یہ کوئی ایسی بات نہیں... دیکھیں نا... آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ہم جیپ میں بیٹھ کر صدر دروازے کے پاس آئے تھے۔ وہاں سے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔"

"ہاں! ہم نے بالکل یہی دیکھا تھا۔"

"لیکن ہم یہیں تھے... تو اسی طرح وہ جب یہاں سے جا رہا تھا اور پروفیسر صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا تو آپ لوگ اسے اور پروفیسر کو کیسے دیکھ سکتے تھے... جب کہ اس نے آپ سب کو ہپناٹزم کے زیر اثر لے رکھا تھا۔"

"بات معقول ہے۔"

"مطلب یہ کہ ہم پروفیسر صاحب سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ساتھ میں سربالی بھی فرار ہو چکا ہے۔"

"بلکہ ان کے ساتھ وہ بریف کیس بھی ہاتھ سے نکل گیا... اُف مالک! اس سے بڑی شکست کیا ہوگی۔"

"ہاں! ہم ہولناک ترین حالات کا شکار ہیں۔"

پھر صدر صاحب وہاں پہنچ گئے... حالات کا انہیں پہلے ہی علم ہو چکا تھا... لہٰذا ان کا چہرہ زرد تھا... وہ آتے ہی بولے:

''جمشید! اب کیا ہوگا... بریف کیس بھی ان کے قبضے میں چلا گیا اور پروفیسر صاحب بھی... آخر ہم انہیں اغوا ہوتے سے کیوں نہیں بچا سکے۔''

''اس لیے سر کہ وہ شخص کچھ جادوئی طاقتوں کا مالک ہے... اور ہپناٹزم کا بھی اتنا بڑا ماہر ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے... مثلاً اس نے جاتے ہوئے صدر دروازے پر موجود تمام نگرانوں کو یہ پیغام دیا کہ پروفیسر صاحب کے رہائشی حصے سے آنے والے لوگ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں... اور ان لوگوں نے ہمیں آتے ہوئے دیکھا اور پھر ہمیں اپنی گاڑی میں بیٹھتے دیکھا، حالانکہ ہم سب اس حصے میں موجود تھے... اور وہ یہاں سے صرف پروفیسر صاحب کے ساتھ گیا تھا... ان حضرات کو نہ تو پروفیسر صاحب نظر آئے، نہ سربال۔''

''تو اس کا نام سربال ہے۔''

''اس نے انوار بروہی کو یہی نام بتایا تھا۔''

''سوال یہ ہے کہ اب کیا ہوگا... اگر وہ ابھی ملک ہی میں ہے اور تم اسے تلاش کر لیتے ہو... تو تم اسے کیسے روک سکو گے۔''

''ہمیں ہپناٹزم کے ماہرین کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی... ہمارے ملک میں بھی ہپناٹزم کے ماہرین ہیں... لیکن مجھے ڈر کہ وہ اس سے بڑے ماہر نہیں ہوں گے... اور اگر وہ بڑے ماہر نہیں ہیں تو پھر وہ بھی کچھ نہیں کر سکیں گے... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مقابلہ کر کے دیکھیں گے ہی نہیں... مقابلہ ہم ضرور کریں گے۔''

''یہ تو بعد کی بات ہے جمشید! پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ سربال کہاں ہے... پروفیسر صاحب کہاں ہیں۔ ان حالات میں اس کے لیے ملک سے باہر جانا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' صدر صاحب نے شدید الجھن کے عالم میں کہا۔

''جی ہاں سر... بالکل یہی بات ہے... شاید ہم اسے ملک سے باہر جانے سے بھی نہ روک سکیں۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''اور جمشید! اب جب کہ پروفیسر صاحب کو اغوا کیا جا چکا ہے... اور وہ بریف کیس بھی ہمارے قبضے میں نہیں رہ گیا تو میں یہ بتانے پر مجبور ہوں کہ اس بریف کیس میں کیا تھا۔''

''کیا تھا سر۔'' وہ ایک ساتھ بول اٹھے۔

''تمام ایٹمی اسلحے کے پن کوڈ نمبرز۔''

''کیا مطلب!!!'' وہ چلا اٹھے۔

ایسے میں انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی:

☆☆☆☆☆

آخری کوشش

انہوں نے جونہی موبائل آن کیا، سربال کی آواز ابھری:

"انسپکٹر جمشید... ہم لوگ پنگان جانے کے لیے تیار ہیں... وہاں ہمارا مرکز ہٹوما میں ہے... ہم تمہیں ہٹوما آنے کی دعوت دیتے ہیں... لیکن اس سے پہلے..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس سے پہلے ہم تم لوگوں کو ایک موقع اور دینا چاہتے ہیں... تم اپنے ملک میں ایک آخری کوشش اور کرلو... پروفیسر کو ہم سے چھڑا لو... ورنہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ہو جائیں گے... اور ہمارے لیے کام کریں گے اور یہ بھی جان لو... یہ اپنی مرضی سے اور اپنی خوشی سے ہمارے لیے کام کریں گے... اپنے بیوی بچوں تک کو یاد نہیں کریں گے... انہیں بھول کر بھی ان کا خیال نہیں آئے گا... ہم جو چاہیں گے، ان سے کام لیں گے... بلکہ جو تم کہو، ہم ان سے کرا کے دکھا دیں گے... ہم تمہیں ہٹوما کی سیر کرائیں گے... وہاں ایسی چیزیں ہوں گی کہ تم نے کبھی دیکھی ہوں گی نہ سنی ہوں گی۔"

"تم ایک آخری کوشش کا ذکر کر رہے تھے۔"

"ہاں! اس وقت ہم باجوہ محل میں ہیں... تم نے شاید باجوہ محل نہیں دیکھا ہوگا... اس کی چھت اس قدر لمبی ہے کہ ایک چھوٹا سا جہاز اس پر سے

اڑان بھر سکتا ہے... ہمارا راکٹ ڈوم بھی تیار کھڑا ہے... پروفیسر کو اس میں بٹھا دیا گیا... میں بھی اس میں سوار ہونے والا ہوں... لیکن میں چاہتا ہوں... تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھ لوں... لہٰذا آجاؤ... اور چھڑا لو اپنے پروفیسر کو ہم سے... باجوہ محل شہر کے مشرقی سرے پر جنگل کے کنارے پر واقع ہے... اور اس وقت باجوہ خاندان بھی ہمارے قبضے میں ہے... ہم تمہارا انتظار کریں گے... لیکن صرف آدھ گھنٹے تک۔ اس کے بعد ہم باجوہ محل کی چھت چھوڑ دیں گے... تمہارا نیا مہربان... سربال۔"

یہ گفتگو وہ سب سن چکے تھے... لہٰذا فوری طور پر صدر صاحب کی گاڑی میں روانہ ہو گئے... انہوں نے احتیاطاً صدر صاحب کو ساتھ نہیں لیا تھا... مارے بے چینی کے ان کا برا حال تھا... وہ جلد سے جلد باجوہ محل پہنچ جانا چاہتے تھے... لیکن ڈرائیور کا کہنا تھا کہ فاصلہ زیادہ ہے... اور وہ آدھ گھنٹے میں کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکیں گے... آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"مہربانی فرما کر آپ ڈرائیونگ مجھے کرنے دیں۔"

"کیا آپ کے خیال میں آپ مجھ سے بہتر اور تیز ڈرائیونگ کر سکتے ہیں۔" صدر صاحب کے ڈرائیور نے بہت ہی برا منہ بنایا۔

"میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہاں پہنچنے کے لیے نصف گھنٹے سے بھی کم وقت باقی ہے۔ اگر ہم نصف گھنٹے کے اندر اندر وہاں نہ پہنچ سکے تو وہ لوگ فرار ہو جائیں گے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی ڈرائیونگ کرے... مشرقی سرے تک نصف گھنٹے میں نہیں پہنچ سکتا۔"

"چلیے خیر... میں آپ کے دعوے کی نفی نہیں کرتا... معاملہ صرف وہاں پہنچنے کا ہے اور دشمن نے ہمیں صرف نصف گھنٹے کی مہلت دی ہے... آپ بس ڈرائیونگ مجھے کرنے دیں۔"

"شوق سے کریں... تشریف لائیے۔" یہ کہہ کر اس نے گاڑی کی رفتار کم کر لی اور سڑک کے کنارے کرتے ہوئے آخر روک دی۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی... ابھی انہیں گاڑی چلاتے پانچ منٹ نہیں ہوئے تھے کہ بہت زبردست بریک لگانے کی ضرورت پیش آ گئی... ان سب کو بہت خوفناک جھٹکا لگا... بریک ہولناک آواز میں چرچرائے تھے... ایک بڑھیا عین سڑک کے درمیان میں اچانک آ گئی تھی... گاڑی اس بڑھیا سے صرف ایک انچ ادھر رکی... ساتھ ہی بڑھیا سڑک پار کر گئی... انہوں نے پھر گاڑی آگے بڑھا دی... اور بولے:

"اللہ کا شکر ہے... بڑھیا بال بال بچی۔"

"حیرت ہے... کمال ہے..." ڈرائیور کے منہ سے نکلا۔

"اور آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اس بڑھیا کے بچ جانے پر... جس رفتار پر گاڑی تھی... اور جس طرح اچانک بڑھیا سڑک پر آ گئی تھی... کوئی ماہر سے ماہر ڈرائیور بھی اس مہارت سے بریک نہیں لگا سکتا تھا کہ گاڑی بھی الٹنے سے بچ گئی اور بڑھیا بھی محفوظ رہی..."

"تب پھر اب تو آپ جان لیں کہ ہم آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"نہیں خیر... یہ تو کسی صورت ممکن نہیں۔"

"اچھا! اللہ مالک ہے۔"

اور پھر ٹھیک آدھ گھنٹے بعد انہیں باجوہ محل دکھائی دے گیا... بلکہ ابھی چند سیکنڈ باقی تھے:

"اُف مالک... کمال ہو گیا۔" ڈرائیور چلا اٹھا۔

"انسپکٹر جمشید... عین وقت پر آئے... ہم تو بس چلنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ خیر... اب تم اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھو... چھت پر راکٹڈوم موجود ہے... ہم اس میں سوار ہیں... اور یہ لو... اڑنے چلے ہیں... تم سے ہمیں روکنے کے لیے جو ہو سکے کر گزرو... ہماری طرف سے اجازت ہے۔"

انہوں نے جلدی سے محل کی چھت کی طرف دیکھا... وہاں واقعی ایک چلغوزے کی شکل کا چھوٹا سا جہاز اوپر اٹھ رہا تھا... اس کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ تیر کی طرح اوپر جاتا نظر آیا... ان کے سر اوپر اٹھتے چلے گئے... وہ ان حالات میں کر ہی کیا سکتے تھے... ایسے میں انہوں نے ڈرائیور کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت دیکھی:

"اُف... مالک! یہ کیا چیز ہے۔"

"اسے راکٹڈوم کہتے ہیں۔ میزائل کی رفتار سے سیدھا اوپر جاتا ہے اور وہاں سے سیدھا اس مقام کی طرف نیچے جاتا ہے... جہاں اسے اترنا ہوتا ہے... وہ راکٹڈوم میں ہمارے ملک کے سائنس دان عبدالقادر کو لے گئے... اور ساتھ میں ایک انتہائی اہم چیز بھی لے گئے۔ آئیے! اب چلیں... یہاں اب کیا رکھا ہے۔"

"لل... لیکن ابا جان... ان لوگوں نے باجوہ فیملی کو بھی تو کسی کمرے میں بند کر رکھا ہوگا۔"

''اوہ ہاں! اگرچہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے... لیکن انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان کی مدد کرتے جائیں۔''

اب وہ محل میں داخل ہوئے... اس محل کے افراد محل کے باغیچے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے... ان کی آنکھیں کھلی تھیں، لیکن جسم پتھر کی طرح ساکت تھے۔ انسپکٹر جمشید ان پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھے:

''اوہ... یہ سب ہپناٹزم کے زیر اثر ہیں... فی الحال ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے... یہ خود بخود معمول پر آجائیں گے۔ آؤ چلیں۔''

وہ وہاں سے سیدھے ایوان صدر آئے تو صدر صاحب بت بنے بیٹھے نظر آئے:

''خیر تو ہے صاحب صدر۔''

وہ اس طرح اچھلے جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ پھر چونک کر بولے:

''اوہ اچھا... تم لوگ ہو۔''

''خیر تو ہے... آپ کہاں گم تھے۔''

''مجھے سربال کا فون ملا تھا... کہہ رہا تھا... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی اگرچہ یہاں پہنچ گئے ہیں... لیکن وہ ہمیں جانے سے نہیں روک سکے... لہٰذا ہم پروفیسر عبدالقدیر کو لے کر جا رہے ہیں... آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے۔'' صدر صاحب نے بتایا۔

''لیکن آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں۔''

''تو میں اور کس طرح بیٹھوں۔'' صدر صاحب نے برا سا منہ بنایا۔

اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے:

''تم لوگ مسکرا رہے ہو... ہائیں... اور میری جان پر بنی ہے... تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے، ہم اس وقت کس صورت حال سے دوچار ہیں... پروفیسر صاحب اور اس بریف کیس کا ان لوگوں کے ہاتھ لگ جانے کا مطلب جانتے ہو کیا ہے... یہ کہ ہمارا ایٹمی اسلحہ ہمارے لیے تو بیکار ہو ہی گیا ہے... الٹا وہ ہمارے ہی خلاف استعمال ہو سکتا ہے... فرض کیا سربال پروفیسر صاحب کو ہپناٹزم کے زیر اثر لا کر حکم دیتا ہے... تمام ایٹم بم اپنے ہی ملک میں چلا دو اور وہ چلا دیتے ہیں... تو کیا ہوگا... سب کچھ آن کی آن میں ختم... نہ تم رہو گے، نہ میں اور نہ ملک...''

''نن... نہیں۔'' وہ سب کے سب چلا اٹھے۔

''لیکن آخر... وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔'' محمود نے مارے حیرت کے کہا۔

''ہو سکتا ہے... ان کا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو، لیکن وہ ہمیں ایسا کرنے کی دھمکی دے سکتے ہیں اور اس دھمکی کے چکر میں اپنے نہ جانے کتنے مطالبات منوا سکتے ہیں... مثلاً وہ ہم سے مطالبہ کریں کہ پروفیسر داؤد کو ہمارے حوالے کر دو... ورنہ ہم تم لوگوں کا ایٹمی ذخیرہ اڑا دیں گے... اب ہم پورا ملک بچائیں گے یا پروفیسر داؤد کو بچائیں گے۔''

''ارے بب... باپ رے۔'' پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

اور انہیں پھر ہنسی آگئی... اگرچہ وہ حد درجے خوفناک صورت حال سے دوچار تھے، لیکن اس کے باوجود ہنسی بھی آہی جاتی ہے:

''آپ پریشان نہ ہوں... ہم پنگان کے لیے روانہ ہو رہے ہیں... ہم جانتے ہیں... یہ مہم انتہائی مشکل ہے... اس میں کامیابی کا امکان صرف

ایک فیصد ہے... اور 99 فیصد ناکامی کے امکانات ہیں... لیکن اس کے باوجود ہم جائیں گے۔"

"اور جمشید... کیا تم اکیلے جاؤ گے۔"

"نہیں سر... ہم تینوں پارٹیاں جائیں گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر چونک کر بولے:

"اس کے ساتھ ہی میری ایک تجویز ہے سر۔"

"اور... وہ کیا۔"

"وہ میں آپ کے کان میں بتا سکتا ہوں۔"

صدر صاحب نے کان ان کے منہ کے قریب کر دیا... وہ انتہائی دبی آواز میں اپنی بات کہنے لگے... پھر جونہی انہوں نے بات مکمل کی... صدر صاحب کے چہرے پر رونق دوڑ گئی... وہ بول اٹھے:

"بہت خوب جمشید۔"

"اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ صدر صاحب کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی... انہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے موبائل آن کیا... اور دوسری طرف کی آواز سننے لگے... انہوں نے دیکھا... صدر صاحب کے چہرے پر خوف پھیلتا جا رہا تھا۔ آخر انہوں نے فون بند کر دیا... اور لگے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے:

"خیر تو ہے سر۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"کچھ اور خوفناک خبریں ہیں جمشید... سربال نے کچھ اور اسلامی ممالک میں اسی قسم کے کام کیے ہیں... تمام ایسے ملک حد درجے پریشان

ہیں... وہ سب ہم سے مشورہ چاہتے ہیں... تم بتاؤ جمشید... ہم انہیں کیا جواب دیں۔"

"انہیں بتا دیں سر کہ آپ اس مہم پر اپنے ملک کے کچھ لوگوں کو روانہ کر رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" صدر صاحب بولے۔ پھر انہوں نے یہی بات آگے پہنچا دی... دوسری طرف جواب سن کر انہوں نے انسپکٹر جمشید سے کہا:

"ان کا کہنا ہے... وہ بھی اپنے ملک کے بہترین ماہر ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں... بلکہ اس قسم کا پروگرام وہ پہلے ہی طے کر چکے ہیں... ایسے تمام ماہرین کا اجلاس کل شام نمیریا میں ہوگا... وہ چاہتے ہیں... تم لوگ بھی وہاں پہنچ جاؤ۔"

انسپکٹر جمشید سوچ میں پڑ گئے... آخر بولے:

"ہمارے لیے اپنے طور پر جانا مناسب ہے... کیونکہ ہم اپنے انداز میں کام کرنے کے عادی ہیں... ان کے ساتھ شامل ہو گئے تو ہم اپنی مرضی نہیں کر سکیں گے... اس لیے آپ معازرت کریں... اور ہمارا پروگرام انہیں بتا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اب صدر صاحب نے پھر ان لوگوں سے بات کی... ادھر کا جواب سن کر انہوں نے ان سے کہا:

"ان کا کہنا ہے... تمام اسلامی ممالک کا فیصلہ یہی ہے کہ سب مل کر چلیں گے... اس طرح اس مہم میں ایک سے بڑھ کر ایک ماہر شامل ہو جائیں گے اور اہم کردار ادا کر سکیں گے۔"

''تو پھر... آپ کیا کہتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''میں بھی یہی کہتا ہوں... تم لوگ یہاں سے نمیریا کے لیے روانہ ہو جاؤ... میں ان لوگوں کو فون کر دوں گا... وہ تمہیں ایئر پورٹ سے لے لیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی... ہمیں پھر اجازت دیں... کیونکہ ابھی ہمیں انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو بھی پیغامات دینے ہیں۔''

''ہاں ٹھیک ہے... اور جمشید تمہیں یہ بھی بتا دوں... تم اس اجلاس کو معمولی نہ خیال کر لینا... دنیا کے ماہر ترین لوگ اس میں شرکت کر رہے ہیں۔''

''آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے سر۔''

''جہاں جہاں سربال نے اپنا کام دکھایا ہے... وہاں وہاں کی حکومتوں نے یہ فیصلہ کیا ہے... شاید ان کے پاس ہم سے زیادہ معلومات ہیں... یا پھر ان ملکوں میں سربال کے کام کی نوعیت مختلف ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے... تمام ملکوں میں ایک ہی شخص کام کر رہا ہے... اور اس کا نام سربال ہے۔''

''مجھے معلوم نہیں کہ بہت سے لوگوں نے اپنا نام سربال رکھ لیا ہے یا ایک ہی سربال نامی شخص نے تمام ملکوں میں کام دکھایا ہے... مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ تمام ملکوں میں بے چینی پھیل گئی ہے... اور تو اور ان میں چند غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں... ان ملکوں کے لوگ یا حکومتیں مسلمان تو نہیں ہیں... لیکن مسلمان ملکوں سے ان کے دوستانہ تعلقات ہیں اور جنگ کی صورت میں ان ملکوں کے آپس میں معاہدات ہیں... مطلب یہ کہ بڑی بڑی غیر مسلم حکومتیں اگر مل کر کسی اسلامی ملک پر حملہ کریں تو یہ غیر مسلم ملک اس اسلامی ملک کا

ساتھ دیں گے... نہ کہ بڑی غیر مسلم طاقت کا۔''

''یہ اچھی خبر ہے... تو ان غیر مسلم ملکوں میں بھی سربال نے کام دکھایا ہے۔''

''ہاں! ان کاموں کی تفصیلات اس کانفرنس میں بیان کی جائیں گی۔''

''ہوں ہم سمجھ گئے سر۔''

''اور ہمارے ملک کے مشرقی حصے کے ساتھی بھی شرکت کر رہے ہیں... یہ جان کر تم لوگوں کو شاید زیادہ خوشی ہو گی۔''

''آپ کا مطلب ہے... کرنل فریدی اور علی عمران وغیرہ۔''

''ہاں...''

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں... پھر فاروق نے کہا:

''لطف رہے گا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' صدر صاحب عجیب سے انداز میں بولے۔

''یہ آپ نے کیا فرمایا انکل صدر... ہو سکتا ہے۔''

''میں نے کہا ہے... ہو سکتا ہے... خوب لطف رہے... لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ لطف نہیں رہے گا۔''

''اگر لطف خود نہیں رہے گا تو کیا ہوا... ہم اسے زبردستی لے آئیں گے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''میرا مطلب ہے... مہم اس قدر خوفناک ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے... اس مرتبہ تم لوگوں کا مقابلہ جادو یا پپناٹزم سے ہے... اور ظاہر ہے... ان لوگوں نے معمولی قسم کے ماہر تو وہاں جمع کیے نہیں ہوں گے۔''

"جی ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے... لیکن انکل صدر... راستے میں تو لطف رہے گا ہی۔"

"راستے میں بھی وہ لوگ آخر قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کریں گے۔"

"خیر... دیکھا جائے گا... آپ بھی یہ بات جانتے ہیں... خطرات سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔"

"ہاں! یہ تو خیر میں جانتا ہوں۔" صدر مسکرا پڑے۔

اور اٹھ کھڑے ہوئے... عین اس لمحے صدر صاحب کے فون کی گھنٹی بج اٹھی... انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کا اشارہ کیا، پھر موبائل آن کر دیا:

"السلام علیکم... شیرازی صاحب... خیر تو ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے... جلد ہی انہوں نے ان کا رنگ اڑتے دیکھ لیا... وہ ہوں ہاں کرتے رہے... آخر فون بند کر کے ان کی طرف مڑے... اس وقت انہوں نے دیکھا... ان کے چہرے پر حد درجے خوف طاری ہو چکا تھا:

"خیر تو ہے سر۔"

"نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟"

"خیر نہیں ہے۔"

"کیا ہوا سر۔" وہ بولے۔

"میری حکومت کا تختہ الٹنے کی تیاریاں کر لی گئی ہیں... میری جگہ

جس شخص کو کامیاب کرایا جائے گا... وہ انشارجہ کا خاص آدمی ہے۔"

"نن نہیں... لیکن سر... وہ یہ کس طرح کریں گے۔"

"میری پارٹی اکثریتی پارٹی ہے، لیکن اس کے سو آدمی اچانک اس شخص کی پارٹی میں چلے گئے ہیں... اور اب میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک شروع کی جائے گی... وہ اپنی اکثریت ثابت کر دیں گے اور ساتھ ہی وہ شخص صدر چن لیا جائے گا... گویا میری صدارت اب ایک یا دو دن کی ہے... اور جمشید... تمہیں معلوم ہونا چاہیے... نیا صدر پہلا حکم کیا دے گا۔"

"کیا دے گا سر۔"

"یہ کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی... ملک سے باہر نہیں جائیں گے... نئے صدر کی ہدایات پر عمل کریں گے۔"

"نن نہیں... لیکن سر... اس سے کیا ہو جائے گا... ابھی آپ نے بتایا ہے... دنیا بھر کے ماہرین پنگان کا رخ کرنے والے ہیں۔"

"ہاں! رخ کرنے والے ہیں... لیکن وہ چاہتے ہیں... تم لوگ ان کے ساتھ نہ ہو۔"

"اور کرنل فریدی اور علی عمران سر؟"

"ان دونوں پارٹیوں کو بھی کسی طرح روک دیا جائے گا۔"

"تب پھر ہم ابھی اور اسی وقت جا رہے ہیں۔"

"ہاں! جمشید! اب یہی کرنا ہوگا... مجھے اپنی حکومت کی فکر نہیں... ملک کی فکر ہے... پورا ملک اس وقت موت کے دہانے پہنچ چکا ہے۔"

"یس سر... اب ہم رک نہیں سکتے... اللہ حافظ۔" یہ کہتے ہی وہ دوڑ پڑے۔

ہیں...

"نئے صدر نے ابھی چارج نہیں سنبھالا، لیکن... ایک دن بعد یا
دن ایسا ہونے والا ہے۔"

"تب تو فون اس وقت آئے گا... ابھی کیوں آنے لگا۔" احمد کمال بولے۔
شعرانی بولے۔

"یہ آپ کا خیال ہے... جب کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ..."

انسپکٹر جمشید کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت صدر
صاحب کا موبائل گنگنا اٹھا تھا... انہوں نے چونک کر سکرین کی طرف دیکھا۔
ان کے صدر کا نام نظر آیا:

"یہ تو آپ کے پہلے والے صدر ہیں۔"

"او ہو اچھا... سن لیں پھر..." انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

احمد کمال نے بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی آواز سنائی دی:

"تو انسپکٹر جمشید... آپ کے پاس ہیں... میں ہوں پاک لینڈ کا
صدر۔"

"ہاں! یہ کیا... صدر ہارون علیم کہاں ہیں۔"

"انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہے... فوج نے اقتدار
قبضہ کر کے فوری طور پر مجھے صدر بنا دیا ہے۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"صبح کے اخبارات میں پڑھ لیجیے گا، پہلے یہ بتائیں... یہ لوگ یہاں
ہیں۔"

"ہاں! یہ یہاں ہیں اور میرے مہمان ہیں۔"

"آپ اپنے مہمانوں کو فوری طور پر ہمارے حوالے کر دیں... ورنہ
آپ کی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"ایک منٹ! پہلے میں ان سے بات کر لوں... پھر آپ کو بتاتا
ہوں۔"

"ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں... آپ خود جواب دیں۔"

"مہمان کو اس کے دشمن کے حوالے کر دینا ہماری روایت نہیں۔"

"گویا آپ ان لوگوں کی خاطر پوری ریاست کو تہس نہس کر دیں
گے۔"

"ان لوگوں نے کئی بار پوری ریاست کو تہس نہس ہونے سے بچایا بھی
ہے۔"

"کیا ان کے ساتھ انسپکٹر کامران اور شوکی برادرز ہیں۔"

احمد کمال نے الجھن کے عالم میں ان کی طرف دیکھا جیسے کہ
ہوں... اب اس سوال کا میں کیا جواب دوں... انسپکٹر جمشید نے فوری
طور پر یہ بات محسوس کر لی... انہوں نے موبائل احمد کمال کے ہاتھ سے جھپٹ لیا
ران کی آواز میں بولے:

"کیا پوچھا آپ نے؟"

"کیا انسپکٹر جمشید پارٹی کے ساتھ انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز
ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے انسپکٹر جمشید بھی چکرا گئے... کیونکہ اگر وہ
کہتے کہ ہاں وہ ان کے ساتھ ہیں تو یہ جھوٹ ہوتا اور اگر کہتے نہیں ہیں... تو
حکومت ان کی گرفتاری کے لیے ہر طرف جال بچھا دیتی... پھر فوراً ان کے

اگر تم نے ریاست پر حملہ کیا تو ہم نے تمہارے اتنے آدمی غائب کر رکھے ہیں... وہ ہمارے نشانے پر ہیں... جونہی ریاست پر حملہ ہوا... انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔''

''اوہ... اوہ۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ہاں بالکل... اپنے گرفتار شدہ شہریوں کی رہائی ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بن جائے گا اور وہ ریاست پر حملہ نہیں کر سکیں گے... اس دوران ہم یہاں سے نکل چکے ہوں گے... اور صدر صاحب یہ اعلان کر سکیں گے ہم لوگ اب ان کی ریاست میں نہیں... لہٰذا وہ خود بخود حملہ کرنے سے رک جائیں گے۔''

''اوہ... اوہ بہت خوب! لاجواب... شاندار۔'' تینوں ایک ساتھ بولے۔

''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' فرزانہ بولی۔

''اور وہ کیا؟''

''آخر ہم یہ مہم کیوں سر کرنے جا رہے ہیں جب کہ ہمارے ملک کے نئے صدر ایسا نہیں چاہتے۔''

''نئے صدر ہمارے ملک کے خیر خواہ نہیں... وہ انشارجہ کے آدمی ہیں... جو کر رہے ہیں، انشارجہ کی ہدایات پر کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے پاس دو راستے ہیں، ایک یہ کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، دوسرے یہ کہ ہم اس مہم پر نکل جائیں... کیونکہ یہ صدر صاحب تو آج ہیں کل نہیں ہوں گے... لیکن ان کی آڑ میں جو کام انشارجہ اور برٹائن لینا چاہتے ہیں... وہ لے لیں گے اور اس سے جو نقصان پہنچے گا... وہ ہم سوچ بھی نہیں

سکتے... ہمیں اپنے ملک کو دیکھنا ہے... نہ کہ نئے صدر کو... واپس آنے پر ہم ان صدر صاحب کے معاملے کو بھی دیکھ لیں... یہ بے چارے کچھ نہیں کر سکیں گے۔''

''جی کیا مطلب... یہ کیا کہا آپ نے... ملک کے صدر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔''

''ہاں بس... تم دیکھتے جاؤ... اس وقت ہمارے سامنے مہم ہے... پہلے ہم سربال سے نپٹنا چاہتے ہیں... ساری دنیا کے ماہرین ایسے ہی تو ایک جگہ سوچ بچار کے لیے جمع نہیں ہو رہے... تم سننا... وہ کیا کیا بتاتے ہیں... اسلامی دنیا کے لیے حالات اس قدر خوفناک ہو چکے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے...

''اس کا مطلب ہے... آپ کو حالات معلوم ہیں۔''

''اخبارات، ریڈیو اور دوسرے ذرائع سے جو خبریں مل رہی ہیں... ان سے بہت کچھ اندازہ لگا چکا ہوں... لیکن اصل حالات اس کانفرنس میں ہی معلوم ہوں گے۔''

''تب پھر ہم کب روانہ ہوں گے۔''

''پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دوست کا کیا معاملہ رہتا ہے، ہمارے نئے صدر، انشارجہ اور برٹائن اس دھمکی میں آتے ہیں یا نہیں... ورنہ پھر ہمیں کوئی اور قدم اٹھانا ہوگا۔''

''مطلب یہ کہ ابھی ہمیں کل تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔''

''شاید... لیکن ہمارے پاس ابھی وقت ہے... ہم میٹنگ میں آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔''

"اچھی بات ہے۔"

تین گھنٹے بعد صدر صاحب ان کے کمرے میں داخل ہوئے... انہوں نے پرجوش انداز میں کہا:

"سب کو خفیہ مقامات پر پہنچا دیا ہے... پہنچایا بھی ہے مختلف مقامات پر... اور ایسے لوگ ان پر مقرر کر دیے ہیں کہ جان تو دے دیں گے... انہیں ادھر سے ادھر فرار نہیں ہونے دیں گے یا انہیں رہا کرانے کے لیے کسی طرح کوئی حملہ ہو جائے تو بھی ان کے مقابلے پر ڈٹ جائیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

جلد ہی فون کی گھنٹی بجی... صدر صاحب نے موبائل کی طرف دیکھا:

"آ گیا آپ کے نئے صدر کا فون۔"

"مجھے دیں موبائل... میں بات کروں گا آپ کی آواز میں۔"

"اوہ اچھا!" انہوں نے کہا اور موبائل انہیں دے دیا۔

"السلام علیکم جناب صدر!" وہ صدر کی آواز میں بولے

"آپ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو ہمارے حوالے کر دیں... ورنہ بُرے انجام کے لیے تیار رہیں۔"

"ہمیں بُرے انجام کی دھمکی دینے سے پہلے یہ دیکھ لیں... انشارجہ اور برطانیہ کے تمام اہم ترین آدمی اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں اور نامعلوم مقامات پر بھیج دیے گئے ہیں... اگر ہم پر حملہ ہوا تو انہیں اڑا دیا جائے گا... لہٰذا پہلے آپ انشارجہ اور برطانیہ سے حملے کی اجازت لے لیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی... اس طرح تو ہم بھی اپنے ملک میں آپ کی

ریاست کے لوگوں کو پکڑ لیں گے۔"

"انہیں پہلے ہی ادھر بلا لیا گیا ہے... اب وہاں ہمارا ایک آدمی بھی نہیں ہے... اس درمیانی وقفے میں ہم نے یہی تو کام کیا ہے... لہٰذا پہلے آپ انشارجہ اور برطانیہ سے بات کر لیں... پھر ہمیں فون کر لیجیے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور صدر کی طرف مڑے

"احمد کمال صاحب... لگتا ہے تیر نشانے پر لگا ہے... نئے صدر چونکہ پہلے ہی انشارجہ اور برطانیہ کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، اس لیے ان سے بات کیے بغیر فوج کو کوئی حکم نہیں دیں گے... لہٰذا اب ہمیں ان کے فون کا انتظار کرنا ہے۔"

"چلیے پھر کھانا کھا لیتے ہیں۔"

اسی شام وہ بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ بہت سے قدموں کی آواز گونج اٹھی۔ انہوں نے سر اٹھائے تو انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز دونوں پارٹیاں چلی آ رہی تھیں:

"حد ہو گئی... یہ تو یہاں آرام سے بیٹھے چائے پی رہے ہیں..." آفتاب کی آواز گونجی۔

"ہم کھڑے ہو کر تو چائے پینے سے رہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"حد ہو گئی... نہ سلام نہ دعا... اور آتے ہی شروع ہو گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں! پہلے تو السلام علیکم۔"

"تو پھر وعلیکم السلام۔"

اور پھر انہوں نے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملائے... کچھ تو

گلے بھی ملے۔

''یہ ہمارے ملک کو کس کی نظر لگ گئی... بے چارے صدر کو قید کر لیا گیا...''

''اسلامی ملکوں کے خلاف کوئی عالمی سازش ہوئی ہے... فوج کی مدد کے بغیر اس طرح ایک منتخب صدر کا تختہ نہیں الٹا جا سکتا... لیکن ان معاملات پر ہم اس مہم سے واپسی پر بات کریں گے... اس وقت مسئلہ ہے میٹنگ کا... ہمارے ملک میں آپ کے ہاں بھلا کیا خاص واقعہ پیش آیا؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''ہم نے تو آپ کی طرف کی خبریں سنی تھیں... کوئی خوفناک آدمی اس طرف آیا تھا... جو جادو یا ہپناٹزم کا خاص ماہر ہے... اور وہ پروفیسر عبدالقادر کا ایک بریف کیس لے گیا ہے... جس میں ایٹمی اسلحے کے پن کوڈ تھے۔''

''ہاں! یہی ہوا ہے... بلکہ وہ پروفیسر عبدالقادر کو بھی اغوا کر کے لے گیا ہے... اور مزے کی بات یہ کہ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے لے گیا ہے... کوئی اسے روک نہیں سکا... اس لیے کہ جب وہ انہیں لے کر جا رہا تھا... اس وقت کوئی اسے اور پروفیسر صاحب کو دیکھ نہیں سکا تھا... ان حالات میں کوئی کر بھی کیا سکتا تھا... بہرحال ہماری طرف یہ واقعہ ہوا ہے اور یہ ملک کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے... بلکہ اس ایک واقعے سے پورا ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے... وہ لوگ اگر پروفیسر صاحب سے وہ بریف کیس کھلوا لیتے ہیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں... ہمارے ملک میں موجود ایٹمی بم ہمارے ہی ملک میں چل جائیں گے... سوچیں اس وقت کیا ہوگا... پورے ملک کی تباہی میں کوئی کسر رہ

جائے گی۔''

''نن... نہیں...'' وہ کانپ گئے۔

''یہی وجہ ہے کہ ہم اس مہم پر نکل رہے ہیں... ہمیں وہ بریف کیس ہر حال میں واپس حاصل کرنا ہے اور پروفیسر عبدالقادر کو بھی...''

''لیکن اگر انہوں نے اس سے پہلے ہی پروفیسر صاحب سے بریف کیس کھلوا لیا...'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''بس... پھر ہم گئے کام سے... لیکن...'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

''اللہ کا شکر ہے...'' فاروق نے فوراً کہا۔

''دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

''توبہ ہے تم سے۔'' فرزانہ بھی جھلا کر بولی۔

''تم دونوں کو ہوا کیا... پہلے اس کی بات تو سن لو۔'' آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

''کیا خاک سن لیں... ابا جان کہہ رہے ہیں... پھر گئے ہم کام سے اور یہ اس پر کہہ رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے۔''

''میں نے اس جملے پر اللہ کا شکر ہے، نہیں کہا۔'' فاروق فوراً بولا، ساتھ ہی اس نے برا سا منہ بنایا۔

''تب پھر؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''اس جملے کے بعد ابا جان نے جو لیکن کہا ہے نا، میں نے تو اس پر کہا تھا، اللہ کا شکر ہے، مطلب یہ کہ پھر ہم کام سے جاتے جاتے بچ سکتے ہیں... اس لیکن کی مدد سے...'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''توبہ ہے تم سے... بات کو کہاں کی کہاں لے جاتے ہو۔'' فرحت نے جھلا کر کہا۔

''میرے خیال میں ہمیں اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی بجائے کام کی بات کر لینی چاہیے۔ ہاں تو انکل! آپ لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کہ... پروفیسر عبدالقادر اس قدر آسانی سے بات اگل دینے والے نہیں ہیں... ان کے اعصاب بہت مضبوط ہیں اور وہ اس قسم کے حالات میں پوری طرح ثابت قدم رہ سکتے ہیں... انہیں معلوم ہے... پن کوڈ والا بریف کیس کھولنے کا کیا مطلب ہے۔''

''لیکن انکل! ان لوگوں کے پاس بھی آخر زبانا... ارے۔'' شوکی کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں سارے جہان کا خوف پھیل گیا۔

''کیا ہوا بھئی۔''

''اُف مالک اُف... غور کریں انکل غور... وہ لوگ تو پہلے ہی ہپناٹزم کے ماہر ہیں... کیا وہ پروفیسر عبدالقادر کو ہپناٹزم کے زیر اثر لا کر بریف کیس کھولنے کا طریقہ معلوم نہیں کر لیں گے۔''

''اوہ! اوہ۔'' ان سب کے منہ سے نکلا۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

جنگل جہاز

انہوں نے دیکھا، فون خفیہ فورس کے انچارج کا تھا۔

''ہاں نمبر ایک! کیا خبریں ہیں۔''

''انتہائی خوفناک... خاص طور پر آپ لوگوں کے لیے۔''

''ہم سننے کے لیے پہلے ہی تیار ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے پرسکون انداز میں کہا۔

''نمیریا کی انتظامیہ کو ہدایات دے دی گئی ہیں... آپ کی تینوں پارٹیاں اِدھر کا رخ کریں تو تینوں کو ایرپورٹ ہی سے گرفتار کر کے ملک میں واپس بھجوا دیا جائے۔''

''یہ اندازہ تو ہم پہلے ہی لگا چکے تھے۔''

''لیکن پھر آپ کریں گے کیا... جب آپ کی اپنی حکومت اس مہم سے آپ کو روکنا چاہتی ہے۔''

''ہم سے جو ہو سکا، کریں گے... یہ معاملہ اس قدر خوفناک ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا، لیکن نئے صدر اسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں... اور ظاہر ہے اس کی بھی وجہ ہوگی... نئے صدر ایسے ہی تو اچانک صدر نہیں بنا لیے گئے... وجہ یہی ہے کہ اس کیس میں حکومت بس کچھ نہ کرے۔''

''جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔''

''تب پھر ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں... اگر مہم پر نہیں جاتے تو پورا ملک تباہ ہو جائے گا... کوئی ملک کا نام لینے والا بھی نہیں ہوگا... ہاں شاید کوئی یہ کہہ دیا کرے گا کہ کسی زمانے میں اس جگہ ایک اسلامی ملک آباد تھا... جس کے کھنڈرات آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''اللہ نہ کرے۔'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

''اسی لیے ہمیں مہم پر نکلنا ہوگا... اور اب ہمارے راستے میں دو رکاوٹیں ہوں گی... ہمارے ملک کی طرف سے ہمارا راستہ روکا جائے گا... دوسرے اس ساری گڑبڑ کے مہرے قدم قدم پر ہمیں روکیں گے... اور ہر قیمت پر ہمیں ختم کرنے کے چکر میں رہیں گے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے۔''

''بہرحال... تم بھی محتاط رہو... اور جہاں تک ہو سکے... ہمیں خبریں سناتے رہو...''

''مطلب یہ کہ آپ جلد اس مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔''

''ہاں نمبر ایک... یہ تو اب کرنا ہوگا۔''

''اچھی بات ہے سر... میں مسلسل رابطہ رکھوں گا... اور مہم پر بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''ہائیں! یہ کیا کہا تم نے۔''

''میرا مطلب ہے سر... ہم لوگ سائے کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے... کیونکہ اس مہم پر قدم قدم پر خطرات ہیں۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا... نمبر ایک... ہمارا مقابلہ

پیناٹزم اور جادو کے ماہر ترین لوگوں سے ہے... اور تم یہ دونوں فن نہیں جانتے... لہٰذا ان کے ہتھے چڑھ جاؤ گے... مارے جاؤ گے... لہٰذا تم اپنی جگہ رہو... تمہاری یہاں ضرورت زیادہ ہے۔''

''جو حکم۔'' اس نے کہا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

''ہم اب نمیریا نہیں جا سکتے... براہ راست بٹوما جانا ہوگا اور ظاہر ہے... جو لوگ نمیریا میں جمع ہو رہے ہیں، وہ بھی آخر بٹوما آئیں گے... لہٰذا ان سے راستے میں ملاقات ہو جائے گی یا وہیں کہیں ہو جائے گی... ملاقات نہ ہو، تب بھی کوئی بات نہیں... ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔''

''اس معاملے پر آپ میری ایک الجھن دور کر دیں۔'' ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی دی۔ سب اس کی طرف گھوم گئے۔

''ہاں فرزانہ! کہو، کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''فرض کیجیے! اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہم میں کامیابی عطا کر دیتے ہیں اور ہم بخیریت اپنے وطن آ جاتے ہیں... تو کیا ہوگا... نئے صدر تو ہمیں گرفتار کر لیں گے۔''

''اوہ اچھا... یہ الجھن ہے تمہارے ذہن میں... اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمیں اس وقت گرفتار نہیں کر سکیں گے۔''

''لیکن کیسے؟'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''اس سوال کا جواب میں اس وقت نہیں دے سکتا... بس تم ذہن میں الجھن نہ رکھو۔ اور بے فکر ہو جاؤ... ہمیں اگر اس مہم پر نہ نکلنا ہوتا تو ہم پہلے اسی مسئلے کو لیتے... اس وقت زیادہ خطرہ بٹوما میں ہونے والی سازشوں سے ہے... نہ کہ نئے صدر سے۔''

"چلیے ٹھیک ہے، ہمارا اطمینان ہوگیا... یہاں سے ہمیں کہاں جانا ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"یہ میں تم لوگوں کو صبح فجر سے پہلے بتاؤں گا۔"

دوسرے دن فجر سے پہلے وہ سفر کے لیے تیار ہو چکے تھے... ایک بڑی گاڑی صدر کی رہائش کے اندر سے انہیں لے کر باہر نکلی۔ اس کے شیشے اندھے تھے۔ باہر سے اندر بیٹھے لوگوں کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا... اس گاڑی نے انہیں ایک ساحل تک پہنچا دیا۔ یہاں ایک بڑی لانچ تیار کھڑی تھی... وہ اس پر سوار ہو گئے... ان کے دوست صدر اس گاڑی میں ان کے ساتھ آئے تھے... انہوں نے انہیں الوداع کہا اور لانچ روانہ ہوئی... وہ ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہتے رہے۔ جواب میں وہ بھی ہاتھ ہلاتے رہے۔ آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے... اس وقت وہ لانچ کے ڈرائیور کی طرف مڑے:

"ہمارا سفر کتنے گھنٹے کا ہے۔"

"جی... انیس گھنٹے کا۔"

"اوہ... کافی طویل ہے پھر تو۔"

"جی ہاں! لیکن جہاں میں آپ کو اتاروں گا... وہ ایک بالکل آزاد ریاست ہے... وہاں کسی بھی ملک کے لوگ بغیر کسی پابندی کے آجا سکتے ہیں اور اس کے بالکل قریب بٹوما ہے... وہاں سے بٹوما تک اپنا راستہ آپ کو خود طے کرنا ہوگا... اور وہ راستہ آپ کیسے طے کرتے ہیں، یہ آپ کا کام ہوگا، آپ کو دیکھنا ہوگا، کیونکہ مجھے وہاں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں... اور ہمیں اس آزاد ریاست تک پہنچا دیں... پھر ہم جانیں ہمارا کام جانے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اور پھر وہ لانچ کے ہال میں آگئے... ہال میں چاروں طرف کرسیاں بچھائی گئی تھیں اور درمیان میں گول میزیں رکھی گئی تھیں۔ وہ اس میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے:

"گویا... انیس گھنٹے تک ہم بالکل فارغ ہیں... خوب گپ شپ لگا سکتے ہیں... ضرب الامثال اور محاورات کی ایک دوسرے پر بوچھاڑ کر سکتے ہیں..."

"نمازوں کے اوقات کے علاوہ۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"جی ہاں... وہ تو ہے۔" سب ایک ساتھ بولے۔

"نمیریا میں جو لوگ جمع ہو رہے ہیں... کیا وہ بھی وہاں سے اس آزاد ریاست میں آئیں گے۔"

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں... لیکن شاید اس بارے میں ریاست میں پہنچ کر ہمیں معلوم ہو جائے گا۔"

"خیر دیکھا جائے گا... اب بڑوں کی طرف ہمیں اجازت ہونی چاہیے... کیونکہ ہم ایک مدت بعد ملے ہیں..."

"اوہو... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

انہوں نے ڈرائیور کی آواز سنی... اس نے یہ جملہ اپنے کیبن سے بولا تھا... لیکن مائیک اس کمرے میں بھی لگے ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے اس کا جملہ سن لیا... وہ چونک اٹھے۔ اسی وقت اس کے نائب نے کہا:

"کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"ایک جنگی جہاز۔"

"جی... جنگی جہاز... بھلا جنگی جہاز کا یہاں کیا کام۔"

''ہو سکتا ہے... یہ جہاز ڈاکوؤں کا ہو... انہوں نے دور سے لانچ کو دیکھ لیا اور ہماری طرف بڑھنا شروع کر دیا ہو۔''

''جو بھی ہے... میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔''

ان کی گفتگو سن کر وہ باہر نکل آئے اور ڈرائیور کے کیبن کے باہر جمع ہو گئے... انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں... انہیں کوئی جہاز نظر نہ آیا... یہ دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا کیبن میں داخل ہو گئے اور بولے:

''ہمیں تو جہاز نظر نہیں آ رہا۔''

''مستول پر کیمرہ لگا ہوا ہے... اس کی آنکھ جو دیکھ رہی ہے... وہ ہم یہاں سکرین پر دیکھ رہے ہیں... آپ اس طرف دیکھیے۔'' اس نے سکرین کی طرف اشارہ کیا... انہوں نے دیکھا... ایک جہاز کے اوپر والے حصے نظر آ رہے ہیں... لیکن کبھی نظر آنے لگتے... کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔''

''تھوڑی دیر میں یہ صاف نظر آنے لگا... اسی طرح وہ لوگ ہماری لانچ کو دیکھ رہے ہیں۔'' ڈرائیور نے بتایا۔

''ہوں... لیکن لانچ کی رفتار تو جہاز کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے... لہٰذا ہم اسے نزدیک کیوں آنے دیں... انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''آپ غلط سوچ رہے ہیں۔'' ڈرائیور مسکرایا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''یہ جنگی جہاز ہے، اس کی رفتار لانچ سے بہت زیادہ ہوتی ہے... ہم کسی سمت سے نکل جانا چاہیں، یہ پھر بھی ہمیں آ لے گا۔''

''اچھی بات ہے... تب پھر اپنے راستے پر چلتے رہیں... ہو سکتا ہے، یہ ہمیں روکنے کی کوشش ہی نہ کرے۔''

''جب کہ میرا خیال ہے... اسے خاص طور پر ہمارے لیے بھیجا گیا ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''او ہو اچھا!'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

پھر انہوں نے موبائل پر اپنے دوست صدر کے نمبر ملائے۔ سلسلہ ملنے پر وہ بولے:

''السلام علیکم... ایک جنگی جہاز ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔''

''اوہ!'' صدر مارے حیرت کے بولے۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... صرف اتنا بتا دیں... کیا ہم لانچ کے ڈرائیور اور اس کے نائب پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''ہاں! یہ میرے خاص آدمی ہیں... جان تو دے سکتے ہیں... غداری یا دھوکا نہیں کر سکتے... آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے... آپ انہیں جو ہدایات دیں گے، یہ اس پر عمل کریں گے۔''

''بہت خوب!''

''اور چاہے انہوں نے یہ بات چیت سن لی ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا... یہ وفادار ہیں، وفادار رہیں گے۔''

''بہت خوب! تب پھر ہم ایک کام کرتے ہیں... ہم پوری رفتار کے ساتھ واپس آنے کی کوشش کرتے ہیں... اس طرح کم از کم اتنا ہو گا کہ ہم آپ کی ریاست کے نزدیک سے نزدیک تو ہوتے چلے جائیں گے اور جنگی جہاز اگر ہمارا تعاقب کرے گا تو آپ کی ریاست کی حدود میں آ جائے گا... اس طرح آپ کے لڑاکا طیارے اسے آسانی سے نشانہ بنا سکیں گے۔''

''ہوں! ٹھیک ہے... میں اپنی فضائی حدود میں لڑاکا طیارے بھجوا دیتا ہوں...''

''بہت بہت شکریہ۔''

''آپ نے سنا... ہمارا کیا پروگرام ہے۔''

''ان حالات میں اس سے بہتر طریقہ کوئی ہو بھی نہیں سکتا...'' ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا۔

''اور ایسے طریقے ہم نے اپنے دوست خان رحمان سے سنے ہیں۔''

''وہ... وہ کون ہیں...''

''ایک ریٹائرڈ فوجی... یہ رہے ہمارے ساتھ۔''

خان رحمان مسکرا دیے... اب لانچ پر ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا... ساتھ ساتھ وہ جہاز کی پوزیشن کو دیکھتے رہے... جہاز بدستور ان کا تعاقب کر رہا تھا... جب کہ پہلے ایسا نہیں تھا... پہلے وہ ان سے نزدیک ہونے کے لیے ان کی سیدھ میں آ رہا تھا... پھر جونہی لانچ کا رخ بدلتے دیکھا، انہوں نے بھی جہاز کا رخ ریاست کی طرف کر دیا۔ انہوں نے دیکھا ڈرائیور لانچ کو تیز چلانے میں اپنی پوری مہارت صرف کر رہا تھا... اس کی پوری کوشش کے باوجود جہاز کا اور لانچ کا درمیانی فاصلہ بڑھ رہا تھا... آخر ڈرائیور نے اعلان کیا:

''وہ مارا... ہم ریاست کی فضائی حدود میں داخل ہو چکے ہیں... یہاں ہمارے طیارے اس کی خبر لے سکیں گے۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' وہ بول اٹھے۔

جہاز لمحہ بہ لمحہ لانچ سے نزدیک ہو رہا تھا... لیکن اب وہ فکر مند نہیں رہے تھے... پھر اچانک فضا میں طیارے نمودار ہوئے اور جہاز پر فائرنگ کرتے آگے گزر گئے... انہوں نے جہاز کے مستول گرتے دیکھے... اس کے ساتھ ہی جہاز کا رخ بدل گیا، ادھر طیارے پھر آ رہے تھے... وہ ایک بار پھر فائرنگ کرتے گزر گئے... انہوں نے جہاز کا ایک حصہ ٹوٹتے دیکھا:

''بہت خوب! کافی ماہر ہیں یہ لوگ۔'' خان رحمان نے تعریف کی۔

''آہا... جہاز سے سفید جھنڈا لہرایا جا رہا ہے... گویا یہ لوگ صلح پر اتر آئے ہیں۔'' خان رحمان بولے۔

''تب پھر طیاروں کو روک دینا چاہیے۔''

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے صدر سے رابطہ کیا اور صورت حال انہیں بتائی۔ پھر فون بند کر دیا۔

اتنی دیر میں طیارے پھر آ گئے... اب انہیں تو سفید جھنڈوں کے بارے میں پتا نہیں تھا... لہٰذا وہ پھر فائرنگ کرتے گزر گئے... عرشے پر کھڑے افراد میں سے چند اچھل اچھل کر پانی میں جا گرے... لیکن اس میں لڑاکا طیاروں کے پائلٹوں کا کوئی قصور نہیں تھا... پھر اس سے پہلے کہ وہ چوتھی مرتبہ حملہ کرتے... انہیں ہدایات مل گئیں اور وہ جہاز کے اوپر چکر کاٹنے لگے... ادھر چند لانچیں جہاز کی طرف بڑھنے لگیں... ان پر سے اعلان کیا گیا:

''تم لوگ ہتھیار گرا دو... ورنہ طیاروں کی فائرنگ سے تباہ کر دیے جاؤ گے اور سب کے سب سمندر کی تہ میں پہنچ جاؤ گے۔''

انہوں نے جلدی جلدی ہتھیار پھینک دیے:

''اب تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھائے، منہ دوسری طرف کر کے اس جگہ سے عرشے کے دوسرے سرے پر چلے جاؤ۔'' انہیں ہدایات دی گئیں۔ انہوں نے اس پر بھی عمل کیا... اس طرح سب کو گرفتار کر لیا گیا... اور ان کے ہاتھ کمر

کے پیچھے باندھ دیے گئے... اب وہ جہاز کے عرشے پر آ گئے:

''ہاں دوستو! اب بتاؤ... تم لوگ کون ہو... اور کیا ارادے تھے تم لوگوں کے۔''

''ہم تو بس ڈاکو ہیں۔''

''اور یہ جنگی جہاز؟''

''یہ بھی ہم نے فوجیوں سے چھینا تھا... اس وقت سے ہم اس کے ذریعے ڈاکے ڈالتے ہیں...''

جہاز کی تلاشی لی گئی... بہت دولت ان کے ہاتھ لگی... ڈاکوؤں کا بیان بھی درست ثابت ہو گیا... اس طرح انہوں نے جہاز اور سارا مال اپنے دوست صدر کے حوالے کیا اور ایک بار پھر وہاں سے روانہ ہوئے... اس مرتبہ پانچ گھنٹے تک وہ بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتے رہے... پانچ گھنٹے بعد انہیں ایک جہاز نظر آیا... وہ ایک بار پھر گھبرا گئے... جہاز ان سے کافی دور دائیں طرف تھا... لیکن اس کا رخ انہی کی طرف تھا:

''لو بھئی... ایک اور جہاز... اب اس کا کیا کریں۔''

''پہلے تو ان کے ارادے معلوم کرنا چاہییں... تبھی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔''

''ٹھیک ہے... ویسے کیا ہم اس جہاز سے کنی کترا کر نکل سکتے ہیں... یہ تو جنگی نہیں ہے۔''

''ہاں! بالکل نکل سکتے ہیں۔''

''بس تو پھر الجھنے کی کیا ضرورت ہے... ہم نکلے چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

ڈرائیور نے لانچ کی رفتار بڑھا دی... اور اس طرح وہ اس جہاز سے دور ہوتے چلے گئے... یہاں تک کہ اس سے بہت آگے نکل گئے... اس وقت انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... لیکن ان کا یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ اس بار انہوں نے جو منظر دیکھا... وہ ان کے لیے زندگی کا سب سے عجیب ترین منظر تھا۔

☆☆☆☆☆

سرخی

''لانچ کو روک لو۔'' انہوں نے اپنے ڈرائیور سے کہا۔

''جی اچھا'' اس نے کہا اور انجن بند کر دیا... لیکن لانچ اسی طرح آگے بڑھتی رہی... انہوں نے خیال کیا، ظاہر ہے، کافی رفتار پر چل رہی تھی... انجن بند ہونے پر بھی کچھ دور تو آگے جائے گی... لیکن دو منٹ گزر گئے اور لانچ نہ رکی تو انہیں حیرت ہوئی۔

''کیا بات ہے... لانچ رک کیوں نہیں رہی۔''

''میں اسے جام کر چکا ہوں... لیکن اس کا آگے بڑھنا رک نہیں رہا۔'' ڈرائیور نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''حیرت ہے... کمال ہے... بھلا ایسا کیوں ہو رہا ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''میں خود حیران ہوں... یہ میری زندگی کا عجیب ترین واقعہ ہے۔''

''تب پھر انجن سٹارٹ کریں اور اسے پیچھے لے چلیں۔''

''جی اچھا۔''

اب اس نے انجن سٹارٹ کیا... اور لانچ کو ریورس گیئر میں ڈال دیا... انہوں نے دیکھا... لانچ بدستور آگے جا رہی تھی۔

''یہ کیا... یہ تو آگے جا رہی ہے۔''

''جی ہاں! اور اس کا مطلب صرف اور صرف ایک ہے۔''

''اور وہ کیا؟'' ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

''لانچ کسی انجانی طاقت کے کنٹرول میں ہے، وہ طاقت لانچ کو اس سمت میں کھینچے لیے جا رہی ہے اور اس سمت میں وہ پہاڑ ہمارے راستے میں کھڑا ہے۔ اسی پہاڑ کو دیکھ کر ہم نے لانچ روکنے کے لیے کہا تھا...''

انہوں نے دیکھا پہاڑ اپنی جگہ کھڑا تھا... اس کا اوپر والا سرا نظر نہیں آ رہا تھا... گویا پہاڑ کی چوٹی نظر نہیں آ رہی تھی... نیچے سے وہ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک بہت چوڑا ستون سیدھا اوپر اٹھتا چلا گیا ہے اور ان کی لانچ پوری رفتار سے اسی کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ لانچ ڈرائیور کے کنٹرول سے باہر تھی۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ تھا کہ لانچ اس سے کوئی دم ٹکرانے والی ہے... ان سب کے چہروں پر پریشانی کے آثار اب صاف نظر آ رہے تھے۔

''ہم... ہم اب کیا کر سکتے ہیں۔'' پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر کیوں نہ لانچ سے چھلانگیں لگا دیں... اس طرح ہم اس زبردست جھٹکے سے بچ جائیں گے... جو لانچ کے ٹکرانے سے لگے گا... پانی میں تو ہم اس صورت میں بھی گریں گے۔''

''ہاں! اب یہی کرنا ہوگا۔'' انسپکٹر کامران مرزا کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

''اور پھر... اس کے بعد؟'' شوکی کے منہ سے نکلا۔

''اس کے بعد... اس کے بعد کیا؟'' محمود نے اسے گھورا۔
''اس کے بعد کیا ہوگا۔''
''اس کے بعد وہی ہوگا... جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا... چھلانگیں تو لگانا ہوں گی۔''
''ٹھیک ہے... ہم تیار ہیں... اس سے پہلے کہ لانچ اس ستون نما پہاڑ یا پہاڑ نما ستون سے ٹکرائے... ہم چھلانگیں لگا دیں گے۔''
''ٹھیک ہے... سب تیار ہیں۔''
''لیکن...'' ایسے میں ڈرائیور کے منہ سے نکلا۔
''لیکن... یہ آپ ان حالات میں ایک عدد لیکن کہاں سے لے آئے۔''
''لیکن... میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا... صدر صاحب کی ہدایات ہیں... میں آپ لوگوں کو بچانے کے لیے جان تو دے دوں... لیکن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دوں۔''
''آپ اب کر ہی کیا سکتے ہیں... لہٰذا ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں... آپ بھی چھلانگ لگا دیں۔''
''نہیں... میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا... کشتی کے ٹکرانے سے اگر میری جان جاتی ہے تو جائے... ڈوب کر جاتی ہے تو جائے... لیکن میں آخر وقت تک کشتی سے نہیں اتروں گا۔''
''لیکن اس کا فائدہ۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔
''فائدے اور نقصان کی بات سوچنا میرا کام نہیں... جس نے مجھے آپ لوگوں کے ساتھ بھیجا ہے... اس کا کام ہے... لہٰذا آپ اترنا چاہتے ہیں،

اتر جائیں... میں نہیں اتروں گا... حمادی... تم بھی چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''
''نہیں فہد صاحب! میں آپ کا ماتحت ہوں... آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔''
''اوہو... اس کا کوئی فائدہ نہیں... یہ احمق پن ہے... پانی میں کود جانے کی صورت میں ہم تیرنے کے قابل رہیں... ہو سکتا ہے... تیرتے ہوئے کسی جزیرے پر پہنچ جائیں جب کہ لانچ سے ... ستون سے ٹکرانے کے بعد تم ہوش میں رہتے بھی ہو یا نہیں... کچھ نہیں کہا جا سکتا... اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم دونوں ہمارے ساتھ چھلانگ لگا دو۔''
''یہ نہیں ہوگا...''
''لیکن۔'' انسپکٹر جمشید نے سخت لہجے میں کہا۔
''لیجیے! اب آپ ایک عدد لیکن اٹھا لائے... نہ جانے کہاں ہے۔'' فاروق کے منہ سے نکلا۔
''میں ان سے یہ کہنا چاہتا ہوں... کیا صدر صاحب نے آپ کو یہ ہدایات نہیں دی تھیں کہ جو ہم کہیں، وہ کرنا۔''
''اوہ ہاں! یہ ہدایات تو انہوں نے دی تھیں۔''
''بس تو پھر ہماری ہدایت یہ ہے کہ چھلانگیں لگا دو۔''
اب ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی... اس پر آفتاب نے ہنس کر کہا:
''لگتا ہے... انکل کا یہ لیکن کارگر ثابت ہو گیا ہے۔''
''ہاں! واقعی... ہمیں تو آپ کا حکم ماننا ہے۔''

"بس تو پھر چھلانگیں لگانے کے لیے تیار ہو جائیں... اس کے بعد ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ آپ دونوں کی زندگیوں کو بچائیں... یعنی اپنا خیال ہم اتنا نہیں کریں گے... جتنا تم دونوں کا کریں گے۔"

"آپ... آپ ہماری فکر نہ کریں... ہم ملاح ہیں... سمندر میں بہت دیر تک تیر سکتے ہیں اور ہمیں یہ بھی اندازہ ہے کہ یہاں سے بائیں طرف اگر ہم تیرنا شروع کر دیں تو ایک جزیرہ ہمارے راستے میں آجائے گا... ہم اس پر پناہ لے سکیں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

"اور... اب ہم اس ستون سے بالکل نزدیک ہو چلے ہیں... لانچ کوئی دم میں ٹکرانے والی ہے۔"

"اوہ... اوہ۔"

اور پھر ان سب نے اللہ کا نام لے کر... ضروری چیزیں جیبوں میں ٹھونس کر سمندر میں چھلانگیں لگا دیں... اور لگے تیرنے... وہ بائیں طرف تیر رہے تھے... لیکن مڑ مڑ کر لانچ کی طرف بھی دیکھ رہے تھے... اچانک لانچ اس ستون سے ٹکرا گئی... لیکن کوئی دھماکا نہیں ہوا... کوئی جھٹکا نہیں لگا... نہ لانچ کے ٹکڑے ہوئے... وہ تو اس طرح آرام سے اس ستون سے جا چپکی تھی... جیسے لوہے کی چیز کو مقناطیس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو:

"یہ... یہ کیا... لانچ کو تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"تب تو ہم پھر اس پر سوار ہو سکتے ہیں... آؤ..." انسپکٹر جمشید نے پرجوش انداز میں کہا۔

اب وہ سب کشتی کی طرف چل پڑے۔ لمحہ بہ لمحہ اس کے نزدیک

ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ لانچ تک پہنچ گئے... اور باری باری اس پر سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کیا... اور اس جگہ سے لانچ کو ہٹانا چاہا... لیکن لانچ اس سے بدستور چپکی رہی:

"یہ کیا... لانچ تو اس سے الگ نہیں ہو رہی۔"

"اوہ..." ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"یہ... یہ ستون آخر کیا بلا ہے۔"

اچانک ستون میں سے دو ہاتھ نمودار ہوئے... دونوں ہاتھوں نے لانچ کو پکڑا... بالکل اس طرح جیسے کوئی انسان کسی پیالے کو پکڑ لیتا ہے اور پھر ان دونوں ہاتھوں نے اس لانچ کو پانی کی سطح سے اوپر اٹھا لیا:

"ارے باپ رے... یہ... یہ تو کوئی جن ہے..." شوکی چلایا۔

"کیا کہا... جن۔"

"ہاں... جن... ایسے کام تو پھر جن ہی کر سکتے ہیں۔"

اسی وقت کشتی اوپر اٹھنے لگی... وہ کسی لفٹ کی طرح اوپر اٹھ رہی تھی:

"یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں جن بھائی۔" مکھن نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا کہا... جن بھائی... حد ہو گئی... اے... یہ حضرت جن کو بھائی بنانے پر تل گئے۔"

"تل تو ہم اس وقت بھی رہے ہیں۔"

"جن میاں آپ کا ارادہ کیا ہے۔"

"ہو ہو... ہو... ہاہا۔" انہوں نے گویا بادلوں کے گرجنے کی آواز

سنی۔

"یہ... یہ آپ کی آواز ہے... یا بادل گرجے ہیں۔" آفتاب نے ہانک لگائی۔

"ہوہوہو... ہاہاہا۔" اس نے پھر کہا۔

"اس جملے کا ترجمہ تو کر دیں... اب ہمیں کیا پتا... یہ کون سی زبان کے الفاظ ہیں... اگر یہ جناتی زبان ہے تو ہم نہیں جانتے جناتی زبان۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"کچھ بھی ہو... ان صاحب کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں... ورنہ یہ لانچ کو پانی کی سطح سے اتنا اونچا کیوں اٹھاتے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"شش شاید... یہ حضرت ہمیں جنوں کے دیس میں لے جانا چاہتے ہیں اور وہاں لے جا کر یہ ہمیں مکھیاں بنا دیں گے... جیسا کہ پرانے زمانے کی کہانیوں میں ہوتا تھا..."

"توبہ کرو بھائی... توبہ... اللہ کو یاد کرو..."

"یہ تو خیر کام کی بات کہی تم نے... ان حالات میں اللہ کو یاد کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔"

اور وہ لگے اللہ کو یاد کرنے... ادھر لانچ مسلسل اوپر اٹھ رہی تھی... ستون اب بھی ان کی نظروں کے سامنے تھا... اور ستون میں سے نکلے ہوئے دونوں ہاتھ کشتی کو اوپر ہی اوپر اٹھا رہے تھے... ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی گھگی بندھ چکی تھی... وہ تھرتھر کانپ رہے تھے... کسی قدر خوف انہیں بھی محسوس ہو رہا تھا... کیونکہ اس وقت وہ خود کو مکمل طور پر بے بس محسوس کر رہے تھے... حالات کے رحم و کرم پر تھے... خود کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں

تھے... ایک بار پھر انہوں نے وہی آواز سنی:

"ہوہوہو... ہاہاہا۔"

اور پھر لانچ ترچھی ہونے لگی:

"ارے ارے... یہ کیا کر رہے ہو بھائی... ہم گر جائیں گے۔" شوکی چلا اٹھا۔

لانچ اور ترچھی ہوگئی... ان کے لیے لانچ میں ٹھہرے رہنا مشکل ہوگیا۔ ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ انہوں نے لانچ کے کناروں کو پکڑ لیا، لیکن کب تک... جب لانچ بالکل الٹی ہوگئی تو کنارے بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور وہ بہت اونچائی سے پانی کی طرف گرنے لگے۔ ایسے میں کئی گھٹی گھٹی چیخیں بھی سنائی دیں... شاید یہ حمادی اور فہد کی تھیں، کیونکہ وہ تو اس قسم کے حالات کے عادی تھے۔

ایک زوردار چھپاکے کی آواز کے ساتھ ہی وہ پانی پر گرے اور پانی ان کے جسموں کو نیچے لے گیا، پھر اس نے انہیں اوپر اچھال پھینکا... اس وقت انہوں نے فوراً تیرنا شروع کر دیا، لیکن وہ مختلف جگہوں پر گرے تھے... کسی کو کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا... انہوں نے نظریں گھما کر دیکھا... تو ستون نظر نہ آیا... اب تو وہ چکرا گئے... کیونکہ ستون کو دیکھ کر وہ بائیں طرف کا رخ کر سکتے تھے... لیکن اب ان کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا...

اب انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ جزیرہ کس سمت میں ہے... اور چونکہ پانی میں تھے... لہٰذا تیرنے کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے... تاہم اس وقت انہوں نے ایک کام کیا... ہوا کے رخ پر تیرنے لگے... کیونکہ ہوا کے مخالف سمت میں تیرنا اور زیادہ مشکل ہوتا۔ اس طرح وہ بہت جلد تھک جاتے۔

وہ تیرتے چلے گئے... تیرتے چلے گئے... کوئی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا... سب اکیلے اکیلے تیر رہے تھے... ان حالات میں امید کا دامن کئی بار چھوٹتا محسوس ہوا۔ ایسے میں انہوں نے اللہ کا ذکر شروع کر دیا...

اور پھر تیرتے تیرتے... وہ بے ہوش ہو گئے... انسپکٹر جمشید کی آنکھ کھلی تو وہ ایک ساحل پر پڑے تھے... انہوں نے سر اٹھایا... تو جزیرہ نظر آیا... پل بھر کے لیے انہیں خوشی کا احساس ہوا، لیکن پھر خوشی کا یہ احساس غم میں بدل گیا... کیونکہ اپنے بچوں اور باقی ساتھیوں کا خیال آ گیا تھا... وہ اٹھے اور جزیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے... تا کہ کوئی اور ساتھی ساحل پر پڑا ہو تو معلوم ہو جائے... انہیں دور سے ایک جسم پڑا نظر آیا... ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی... وہ لگے دوڑنے... نزدیک پہنچے تو وہ آفتاب تھا... انہوں نے فوراً کہا:

"یا اللہ! تیرا شکر ہے... ایک ساتھی تو ملا..."

اب انہوں نے آفتاب کو ہوش میں لانے کی کوشش کی... لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں تو وہ اسے اٹھا کر ایک درخت کے نیچے لے آئے... اسے الٹا لٹا کر اس کے پیٹ سے پانی نکالنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن اس کے پیٹ میں پانی نہیں تھا... اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تیرتے ہوئے ہی یہاں تک آ گیا تھا، لیکن پھر تھکن سے بے ہوش ہو گیا ہو گا۔

اب انہوں نے اسے تو وہیں چھوڑا اور ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑتے چلے گئے... جلد ہی انہیں شوکی نظر آیا... انہوں نے ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور اسے اٹھا کر آفتاب کے پاس لے آئے... اس کے بعد انہوں نے باقی ساحل کا چکر لگا ڈالا... لیکن کوئی اور ساتھی نظر نہ آیا۔ اس کا مطلب تھا، اس

جزیرے تک وہ تین ہی پہنچ سکے تھے... جلد ہی ان دونوں نے آنکھیں کھول دیں... ان کی طرف دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرائے... اور پھر ایک ساتھ انہوں نے کہا:

"اور ہمارے باقی ساتھی۔"

اور جب انہوں نے انسپکٹر جمشید کو خاموش پایا تو ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... وہ بولے:

"نن... نہیں... نہیں۔"

عین اس لمحے جزیرے کے درمیان سے ایک خوفناک آواز سنائی دی:

☆☆☆☆☆

نیگوٹال

انسپکٹر کامران مرزا کی آنکھ کھلی تو انہوں نے خود کو ایک ساحل پر پڑے پایا... وہ جلدی سے اٹھ بیٹھے... انہوں نے دیکھا، ان کے پاس محمود بے ہوش پڑا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر مکھن پڑا تھا... انہوں نے سوچا، شاید کوئی اور ساتھی کہیں اور پڑا ہو... چنانچہ انہوں نے وہاں سے دوڑ لگا دی... وہ دوڑتے چلے گئے، لیکن کوئی اور ساتھی نظر نہ آیا، آخر تھک کر واپس اس جگہ آئے جہاں وہ دونوں پڑے تھے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ اب وہاں ان کے پاس ہی پروفیسر داؤد بھی پہنچ چکے تھے۔ وہ بھی بے ہوش تھے۔

انہوں نے انہیں ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دیں...

جلد ہی ان تینوں نے آنکھیں کھول دیں:

"سب باقی ساتھی کہاں ہیں۔" پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں... اس جزیرے پر تو آپ ہی مجھے مل سکے ہیں۔"

"اوہ... اوہ... اب کیا ہوگا..."

"اللہ پر بھروسہ رکھیں... اللہ بہت کارساز ہے... وہ ہمیں ضرور ملائے گا۔"

"وہ... وہ دیکھیے انکل جہاز۔" شوکی نے چلا کر کہا۔

انہوں نے اس سمت میں دیکھا... ایک جہاز جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا:

"اللہ کا شکر ہے... کوئی چیز تو نظر آئی۔"

"لیکن ہو سکتا ہے... یہ کوئی دشمن جہاز ہو۔" شوکی بولا۔

"کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا... جزیرے سے تو بہتر رہے گا۔"

"ہاں... بالکل۔"

انہوں نے کپڑے ہلانے شروع کر دیے... ان کے پاس آگ جلانے کے لیے کچھ نہیں تھا... سب پانی میں بھیگ چکا تھا... اس لیے آگ جلا کر دھواں نہ دکھا سکے... تاہم جہاز کا رخ تو پہلے ہی جزیرے کی طرف تھا... اس لیے انہیں اطمینان تھا کہ جہاز جزیرے کے پاس ہی سے گزرے گا... اس لیے یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگ انہیں نہ دیکھیں:

پھر جہاز قریب آ گیا... اور جزیرے کے پاس لنگر انداز ہو گیا:

"عرشے پر کھڑے ایک باوردی آدمی نے سپیکر پر کہا:"

"تم لوگ کون ہو... اور اس جزیرے پر کیسے پہنچے۔"

"ہماری لانچ ڈوب گئی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لانچ... سمندر میں لانچ بھلا کب تک کام آ سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمیں اپنی ریاست سے ایک ملک تک جانا تھا... لیکن... وہ الٹ گئی۔"

"خیر... تمہارا تعلق کس ملک سے ہے۔" اس نے پوچھا۔

اس لمحے اس سوال کا جواب دینا انسپکٹر کامران مرزا کو بہت مشکل لگا... اگر وہ کہتے کہ ان کا تعلق پاک لینڈ سے ہے تو اس بات کا امکان تھا... ان کی حکومت نے ان کے بارے میں اخبارات میں کچھ شائع کرا دیا ہو... اگر وہ دوست صدر کی ریاست کا نام بتاتے تو بھی بات نہ بنتی... اب وہ جواب دیتے تو کیا... آخر عین اس وقت انہیں ایک آزاد ریاست کا خیال آ گیا... اس ریاست میں پوری دنیا کے لوگ آزادانہ آباد تھے... کوئی روک ٹوک نہیں تھی... چنانچہ انہوں نے فوراً کہا:

"ہمارا تعلق ایسا سے ہے۔"

"خوب خوب! تم لوگ جہاز پر آ سکتے ہو... لیکن سوال یہ ہے کہ تم بطور معاوضہ ہمیں کیا دے سکتے ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کو کافی کچھ دے سکتے ہیں... لیکن۔"

"میں اس لیکن کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس سلسلے میں آپ کو ہماری کچھ مدد کرنا ہوگی۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"کیا آپ جہاز کے کپتان ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب پھر سنیے... ہم آپ کو آپ کی امیدوں سے زیادہ دے سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... لیکن اگر یہ بات سبز باغ ثابت ہوئی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا... ہم تم سب کو سمندر میں دھکا دے دیں گے۔"

"ضرور دے دیجیے گا۔"

"اوکے۔"

اب جہاز کی طرف سے ایک کشتی بھیجی گئی... انہیں اس پر سوار کر کے جہاز کے عرشے پر پہنچایا گیا... یہاں جہاز کا کپتان ان کے استقبال کے لیے تیار کھڑا تھا... اس کے ہاتھ میں پستول تھا... جب کہ اس کے دس ساتھی رائفلیں ان کی طرف تانے کھڑے تھے:

"ہاں تو سب سے پہلے بات ہو جائے معاوضہ کی... اگر ہم تم لوگوں کو کسی محفوظ ساحل پر پہنچا دیں... جہاں سے تم اپنے ملک تک جا سکو تو اس کام کے بدلے میں تم ہمیں کیا دے سکتے ہو۔"

"بہت کچھ۔"

"پہلے تو آپ لوگوں کی تلاشی لی جائے گی۔" کپتان نے کہا۔

"ضرور لے لیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

چاروں کی تلاشی لی گئی... کچھ بھی نہ نکلا... یہ دیکھ کر ان لوگوں کے منہ بن گئے... کپتان نے تو جھلائے ہوئے انداز میں کہا:

"تم لوگوں کے پاس تو کچھ بھی نہیں... ہمیں کیا دو گے۔"

"آپ لینے والے بنیں۔"

"کیا!!!"

"ہیرے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جھوٹ... غلط... فضول... جب تم لوگوں کے پاس ہیرے ہیں ہی نہیں تو دو گے کہاں سے۔"

"اگر ہم آپ کو ہیرے نہ دیں تو آپ ہمیں اٹھا کر سمندر میں پھینک

دیں... ہیرے دے دیں تو ساحل پر پہنچا دیں۔"

"بات معقول ہے... نکالو پھر ہیرے۔"

"پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں۔"

"اور وہ سوال کیا ہے۔"

"کیا اس جزیرے کے آس پاس کوئی اور جزیرہ ہے۔"

"کوئی ایک جزیرہ... سمندر کے اس حصے میں تو کئی جزیرے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ... اوہ... تب تو مزہ رہے گا۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"کیا کہا... مزہ رہے گا... وہ کیسے۔"

"بھئی مزے کا کیا ہے... وہ تو کسی طرح بھی آ سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں... صاف صاف بات کریں۔"

"کپتان صاحب... صاف صاف بات یہ ہے کہ ہمارے چند ساتھی اور ہیں... ہم ایک لانچ میں تھے... لانچ الٹ گئی تھی... ہم چار اس جزیرے پر آ گئے... دوسرے آس پاس کے کسی جزیرے پر ہوں گے... اگر آپ تھوڑی سی مدد کریں تو وہ لوگ بھی ہمیں مل جائیں گے... اس کے بعد ہم آپ کی ہیروں سے خدمت کریں گے۔"

"لیکن کہاں سے کرو گے... ہم تلاشی لے چکے ہیں... تم لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"آپ نے ٹنگوٹال کا نام سنا ہے۔" کامران مرزا بول اٹھے۔

"ٹنگوٹال... کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلا۔

"آپ سوال کا جواب دیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں! میں جانتا ہوں... وہ افریقہ کا ایک علاقہ ہے... جو ہیرے کی کانوں کے لیے مشہور ہے۔"

"بہت خوب بھئی میں سننا چاہتا تھا آپ سے... ہمارے ان ساتھیوں میں ایک ساتھی ایسا ہے... جو ٹنگوٹال کی دس ہیرے کی کانوں کا اکیلا مالک ہے۔"

"کیوں گپ ہانک رہے ہیں۔"

"اور اس کے پاس بہت سے ہیرے ہر وقت موجود رہتے ہیں... اگر میری بات غلط ثابت ہوئی تو میری گردن اڑا دیں... بس آپ ان جزیروں تک ہمیں لے چلیں۔"

"اچھی بات ہے... لیکن اتنا سن لیں... بات غلط ہونے کی صورت میں تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور پھر جہاز وہاں سے روانہ ہوا... کچھ دیر بعد وہ ایک جزیرے پر پہنچ گئے... وہاں انسپکٹر جمشید، آفتاب اور شوکی موجود تھے... انہیں بھی سوار کر لیا گیا:

"ان میں سے ہیرے کس کے پاس ہیں۔"

"وہ ساتھی ان میں نہیں ہے... ہمیں ایک دو اور جزیرے دیکھنا پڑیں گے۔"

"جزیرے تو ہمیں دس دکھائی دیے تھے... اور پھر [illegible] لیکن [illegible] ہم سے ملتے چاہئیں۔"

"اگر ہمارے وہ ساتھی مل گئے تو ہیرے آپ کو ضرور مل جائیں گے۔"

"تمہاری باتوں پر نہ جانے کیوں یقین نہیں آرہا۔"

"تب پھر سن لیں... میں اس ساتھی کا حلیہ بتائے دیتا ہوں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انہوں نے خان رحمان کا حلیہ بتا دیا... ان کا نام بھی انہیں بتا دیا... اب وہ پھر روانہ ہوئے... اور آخر ایک جزیرے پر باقی لوگ مل گئے... اب تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی... وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملے... البتہ ان میں حمادی اور فہد نہیں تھے۔ ان کی تلاش کے لیے باقی جزیرے بھی دیکھے گئے، لیکن وہ نہ ملے۔ اب کپتان کی نظریں خان رحمان پر جم گئی تھیں... وہ بولا:

"تو یہی ہیں وہ۔" اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب؟" خان رحمان چونکے۔

"ہمارا ان کا ایک سودا طے ہوا ہے... ہم تین جزیروں پر بکھرے پڑے تھے... ہم نے ان سے بات کی... یہ کہنے لگے... اگر وہ ہمیں ایک جگہ جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں کیا ملے گا۔ اس پر میں نے کہہ دیا کہ آپ کو ہیرے ملیں گے... خان رحمان... میں نے ان سے غلط تو نہیں کہا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"بالکل نہیں۔" وہ چہکے۔

"تب پھر نکالیں وہ ہیرے۔" کپتان بے تابانہ بولے۔

"ہیرے تو ہم آپ کو ساحل پر پہنچ کر دیں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی

سے بول اٹھے۔

"بالکل ٹھیک کہا جمشید۔" خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہوئی تھی... اپنے ساتھی سے پوچھ لیں۔" کپتان نے منہ بنایا۔

"یہ ٹھیک ہے... لیکن آپ نے وعدہ کیا ہے... کہ ہمیں کسی ساحل پر اتار دیں گے۔"

"بالکل... بالکل... تم لوگ فکر نہ کرو۔"

"خان رحمان... انہیں چار عدد ہیرے دے دو۔"

"کیا کہا... چار عدد... یہ بات نہیں ہوئی تھی۔" کپتان نے چلا کر کہا۔

"تب پھر کیا بات ہوئی تھی۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تمام ہیرے دینا ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے... خان رحمان... انہیں سب ہیرے دے دیں۔"

انہوں نے خفیہ جیب سے ہیرے نکال کر سردار کی طرف بڑھا دیے... وہ ان کی چمک دمک دیکھ کر چونک اٹھا... لیکن پھر بولا:

"کیا خبر! یہ نقلی ہیرے ہوں۔"

"جی نہیں... ویسے آپ اپنا اطمینان کر لیں۔"

"شرجون کو بلاؤ۔" کپتان نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

اس نے دوڑ لگا دی... اور سیڑھیاں اترتے ہوئے غائب ہو گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی۔ اس کے ساتھ بہت بڑے بالوں والا ایک آدمی تھا:

"شر جون حاضر ہے۔"

"مسٹر شر جون... ذرا ان ہیروں کا جائزہ لینا۔"

"بہت بہتر ماسٹر۔" اس نے کہا اور ہیروں پر جٹ گیا... پھر وہ اچھل پڑا۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اُف! یہ تو بہت قیمتی ہیرے ہیں۔"

"کیا واقعی۔"

"آپ سوچ بھی نہیں سکتے ماسٹر۔" شر جون نے کہا۔

"بہت خوب! لاؤ بھئی... ہیرے مجھے دے دو۔"

اس نے ہیرے کپتان کو دے دیے:

"مم... مجھے اجازت ہے ماسٹر... یہ میرا آرام کرنے کا وقت ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے... تم جاؤ۔" کپتان بولا۔

وہ لگا مڑنے، اسی وقت فرزانہ کی آواز لہرائی:

"لیکن مسٹر شر جون! آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر مڑا۔

"میں نے کہا، آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔"

"اے لڑکی! تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"تم نے تمام ہیرے کپتان کو نہیں دیے... ایک اپنے پاس رکھ لیا ہے..."

"کیا!!!"

کپتان چلا اٹھا۔

نائب

اس کی نظریں شر جون پر جم گئیں... پھر وہ سانپ کی طرح پھنکارا:

"یہ... یہ میں نے کیا سنا ہے شر جون۔"

"یہ لڑکی غلط کہہ رہی ہے ماسٹر۔" شر جون نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہیرا برآمد کرنا میرا کام ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لڑکی! زبان سنبھال کر بات کرو... تمہیں نہیں معلوم... ماسٹر کے نزدیک میری کیا حیثیت ہے۔"

"اس صورت میں تمہیں ماسٹر کو دھوکا نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"اور میں نے انہیں دھوکا نہیں دیا۔"

"لیکن شر جون... تم نے سنا نہیں... یہ کہہ رہی ہے... یہ ہیرا برآمد کر سکتی ہے۔"

"تب پھر یہ ایسا کر دکھائے ماسٹر۔"

"لڑکی... بتاؤ... ہیرا اس نے کہاں چھپایا ہے۔"

"بائیں طرف کی جیب میں۔"

"تم اس کی جیب کی تلاشی لو۔" کپتان نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

اس نے آگے بڑھ کر اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا... ہاتھ باہر نکلا تو اس میں ہیرا موجود تھا:

"شرجون! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

اب شرجون خاموش کھڑا تھا... اس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا... آخر اس نے کہا:

"شاید! یہ اس لڑکی کی شرارت ہے۔"

"کیا مطلب... بھلا اس کی شرارت کیسے ہو سکتی ہے... یہ تو اپنی جگہ کھڑی رہی ہے اور تم اس سے کافی فاصلے پر تھے... اب یہ نشانہ لے کر ہیرا تمہاری جیب میں تو پھینک نہیں سکتی تھی۔"

"ان لوگوں نے کوئی نہ کوئی چکر ضرور چلایا ہے... تاکہ آپ کی نظروں میں ان کی جگہ بن جائے۔"

"میں اس بات کو ماننے پر تیار نہیں... اب تم سزا جھیلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پکڑ لو اسے اور لٹا دو عرشے پر۔"

"نن... نہیں ماسٹر نہیں... میں تمہارا بہت پرانا ساتھی ہوں... یاد کرو... کب سے میں..."

"خاموش..." کپتان گرجا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے بولا:

"گولیوں سے چھلنی کر دو اسے۔"

"ایک منٹ ماسٹر... تم مجھے موت کے گھاٹ اتار رہے ہو... ہیرے کس سے چیک کرایا کرو گے۔"

"میں کوئی اور آدمی تلاش کر لوں گا۔" کپتان بے رحمی سے بولا۔

"رحم کرو... ماسٹر رحم... مجھے معاف کر دو... مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

"تم جانتے ہو... ہمارے ہاں معافی نام کی کوئی چیز نہیں ہے... چھلنی کر دو اسے..."

"ماسٹر... کمینے ماسٹر... میں نے تمہاری کتنی خدمت کی... ڈاکو کہیں کے تم لوگ سن لو... جو میری موت کا سبب بن رہے ہو... یہ سب کے سب ڈاکو ہیں۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے... ہیرے لے کر تمہیں کسی ساحل پر نہیں پہنچائیں گے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلا اٹھے۔

کپتان فوراً ان کی طرف مڑا:

"انہیں نشانے پر لے لو۔"

نشانے پر وہ پہلے ہی تھے... اب فوری طور پر ان کے گرد اور زیادہ لوگ آ کھڑے ہوئے:

"کیا شرجون کی یہ بات ٹھیک ہے... تم لوگ بحری ڈاکو ہو... یہ جہاز ڈاکوؤں کا ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے... لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے... تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانا تھا... سو اتاریں گے... ابھی اور اسی وقت اتاریں گے۔"

"تب پھر پہلے شرجون کو ہلاک نہ کریں۔" ایسے میں فاروق کی آواز نکلی۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم میں سے کسی کا اس سے مقابلہ کرائیں... موت اور زندگی کا مقابلہ... اگر یہ ہم میں سے کسی کو شکست دے دے... یعنی اسے جان سے مار ڈالے تو اسے چھوڑ دیا جائے... ورنہ یہ ہم میں سے کسی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"بات دلچسپ ہے۔" کپتان مسکرایا... پھر اس نے شرجون کی طرف رخ کر کے کہا:

"کیوں... کیا تم ان میں سے کسی سے مقابلہ کرو گے۔"

"ہاں کیوں نہیں... انہی کی وجہ سے تو میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں... اچھا ہے... ان میں سے ایک آدھ کو ختم کر دوں۔"

"ٹھیک ہے... اسے چھوڑ دو... چلو بھئی... تم میں سے کون اس کا مقابلہ کرے گا، لیکن پہلے یہ جان لو... یہ بہت لڑاکا قسم کا آدمی ہے... اس کی ساری زندگی سمندر میں ڈاکے ڈالتے گزر گئی ہے... لڑائیوں بھڑائیوں میں ہی وقت گزرا ہے... میرا مطلب ہے، اسے معمولی آدمی نہ خیال کرنا۔"

"آپ نے اچھا کیا... بتا دیا... ورنہ ہم تو خیال کرتے کہ اسے شکست دینا کیا مشکل کام ہے... فاروق! یہ تجویز تم نے پیش کی ہے... لہٰذا تم ہی مقابلہ کرو۔"

"جج... جج... یہ... یہ آپ نے کیا کہہ دیا... میں اور اس قدر ڈویل ڈول والے آدمی سے مقابلہ کروں گا..." فاروق بوکھلا اٹھا۔

"اور مقابلہ بھی زندگی اور موت کا... شرجون اگر اس مقابلے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے... ماسٹر اس کی جان بخشی کرنے پر مجبور ہوگا... لہٰذا یہ تو لڑے گا جان توڑ کر... ورنہ دوسری صورت میں موت اس کا مقدر ہو

گی۔" آفتاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو دانت کیوں نکال رہے ہو۔" فاروق جل گیا۔

"یہ لو... میں نے دانت بند کر لیے... مقابلہ تو تمہیں اب کرنا ہو گا... بزدل کہیں کے۔" آفتاب بھنا اٹھا۔

"اتنے بہادر ہو تو تم کر لو نا اس کا مقابلہ۔"

"انکل مجھے حکم دیں گے تو میں کروں گا۔" اس نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"نہیں آفتاب... اس سے فاروق مقابلہ کرے گا۔" انہوں نے گویا اعلان کیا۔

اس وقت تک شرجون اٹھ کر مقابلے کے لیے تیار ہو چکا تھا... اور گویا اپنے مدمقابل کا انتظار کر رہا تھا:

"فاروق کچھ خیال کرو... تمہارا مقابل تمہارا انتظار کر رہا ہے... جتنی تم دیر کرو گے... اتنا ہی وہ شیر ہو گا..." محمود نے گویا اسے خبردار کیا۔

"سب لوگ مجھے ہی بھیجنے پر تل گئے ہیں... دور دور تک کوئی میرا ہمدرد نظر نہیں آ رہا۔"

"ایسی بات نہیں فاروق... تم پسند کرو تو میں اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ایسے میں فرحت نے جلدی سے کہا۔

"شکریہ فرحت... فرزانہ کو دیکھو... ذرا جو اس نے کوئی اپنائیت دکھائی ہو۔"

"اوہو بھئی یہ بات نہیں... ابا جان تمہیں بھیجنا چاہتے ہیں تو ضرور اس کی کوئی وجہ ہے۔"

"کیا مطلب؟" فاروق چونکا۔

"ماسٹر! یہ لوگ وقت ضائع کر رہے ہیں..." شرجون کی آواز گونجی۔

"ہاں واقعی... چلو بھئی مقابلہ شروع کرو... ورنہ میں شرجون کو حملہ کرنے کا حکم دوں گا۔"

"ارے باپ رے... نن... نہیں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اس کی تو ابھی سے سٹی گم ہو گئی... یہ بے چارہ کیا لڑے گا... اس کی جگہ کسی اور کو بھیجو، یوں کیا مزہ آئے گا۔"

"تم نے سنا فاروق! خیال کرو۔"

"کک... کیسے خیال کروں... ان حالات میں بے چارے خیالات بھی تو کوچ کر جاتے ہیں..."

"اس مقابلے کی تجویز تم نے ہی دی ہے... لہٰذا اب بھگتو۔" آصف ہنسا۔

"پکے مخالف ہو تم۔" فاروق چلا اٹھا۔

"بلاوجہ ڈر رہے ہو... یہ تو تمہارے ایک ہاتھ کی مار بھی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ڈیل ڈول دیکھا ہے اس کا۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے دو عدد آنکھیں دی ہیں سب کو..."

"اور پھر بھی یہ کہہ رہے ہو... کہ ایک ہاتھ کی مار ہے۔"

"انکل! فاروق تو زیادہ ہی ڈر رہا ہے... اس کی جگہ مجھے حکم دیں... میں مقابلہ کروں گا اس کا۔" آصف نے بڑا سا منہ بنایا۔

"نہیں! فاروق ہی مقابلہ کرے گا۔"

"مارا گیا... غریب کا بال۔" فاروق بولا اور باقی سب ہنس پڑے... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا کی نظریں کپتان پر پڑیں... اس کے چہرے پر انہیں حیرت ہی حیرت دکھائی دی... اس کی حیرت پر انہیں حیرت ہوئی... وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ یہ کس بات پر حیران ہے... لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آ سکی۔

ادھر فاروق ایک ایک قدم شرجون کی طرف بڑھنے لگا... پھر مناسب فاصلے پر جا کر رک گیا:

"میرا نہیں خیال تھا کہ یہ مقابلے پر آئے گا... ماسٹر اب آپ دیکھیں گے، میں اسے کیسے ناک آؤٹ کرتا ہوں۔"

"اس صورت میں تمہارا قصور معاف ہو جائے گا اور تم پھر سے میرے ساتھی ہو گے۔"

"شکریہ ماسٹر۔" شرجون نے خوش ہو کر کہا... فاروق پر فتح پانا اسے بہت آسان لگ رہا تھا۔

"میں حملہ کرنے لگا ہوں، پھر نہ کہنا..." شرجون نے کہا اور اس کی طرف دوڑ لگا دی، شاید اس نے سوچا کہ اس سے پورے زور سے ٹکرا جائے گا اور وہ چاروں شانے چت گرے گا... اس کے بعد وہ اسے کچل دے گا، ادھر فاروق اپنی جگہ کھڑا تھا... اس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا... پھر جونہی شرجون اس کے نزدیک پہنچا... وہ چلا اٹھا:

"نہیں نہیں... نہیں۔"

دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ وہ فاروق سے بس ٹکرانے ہی والا

ہے اور فاروق کسی صورت اس کی ٹکر سے نہیں بچ سکتا... لیکن پھر ان سب نے عجیب منظر دیکھا... فاروق ذرا سا ترچھا ہو گیا تھا... شرجون اپنی جھونک میں آگے بڑھ گیا... پھر وہ جھلا کر پلٹا اور خوفناک انداز میں فاروق کی طرف دوڑ پڑا... فاروق نے اب ایک چیخ ماری اور بھاگنے لگا... اب سب کے سب اس دوڑ میں اس قدر محو ہوئے کہ کسی کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا... دوڑ پوری رفتار سے جاری تھی... فاروق آگے آگے اور شرجون پیچھے پیچھے... درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا... یہاں تک کہ شرجون نے محسوس کر لیا... وہ فاروق کو دوڑ کے مقابلے میں نہیں ہرا سکے گا... اس تک نہیں پہنچ سکے گا... لہٰذا وہ رک گیا... اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا... عرشے پر موجود لوگ ان سے کافی فاصلے پر نظر آ رہے تھے... ایسے میں فاروق نے شرجون کی طرف دوڑ لگا دی... کہاں تو شرجون اس کی طرف دوڑ رہا تھا... کہاں الٹا فاروق اس کی طرف دوڑنے لگا... یہ منظر ان سب نے حیران ہو کر دیکھا... نزدیک پہنچ کر فاروق نے نہایت پھرتی سے سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں دے ماری، وہ پہلے ہی بے دم ہو چکا تھا... ٹکر کھا کر گرا... ساتھ ہی فاروق اس کے سینے پر سوار ہو گیا... اس نے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر جما دیے اور پوری طرح اس پر جھک گیا... اس وقت اس نے سرگوشی کی:

''میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا... لہٰذا دباؤ ہٹا رہا ہوں... لیکن تم یہی ظاہر کرو... کہ جیسے تمہارا دم نکل گیا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے انتہائی آہستہ آواز میں کہا۔

''ہم لوگ تمہارے ہمدرد ہیں... تمہیں مارنا نہیں چاہتے... لیکن اس بات کا پتا فی الحال ماسٹر کو نہیں چلنا چاہیے... لہٰذا میں تمہارے گلے پر مصنوعی

دباؤ ڈال کر اٹھ جاؤں گا، جب تک میں مصنوعی دباؤ ڈالتا رہوں... تم تڑپنے اور پھڑکنے کی اداکاری کرتے رہنا... کر لو گے یہ۔''

''ہاں... کیوں نہیں... تت... تم... تم بہت اچھے ہو۔''

''بس خاموش... ماسٹر کو شک نہ ہو جائے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں... اب میں بظاہر پورا زور لگاؤں گا۔''

اور پھر فاروق کے انداز سے یوں لگنے لگا جیسے وہ پورا زور لگا رہا ہے... جب کہ شرجون کے گلے پر ذرا بھی دباؤ نہیں تھا اور وہ آسانی سے سانس لے رہا تھا... تاہم اس کے جسم میں حرکت ہو رہی تھی... گویا وہ تڑپ رہا ہے، پھڑک رہا ہے۔

اور پھر فاروق اس کے اوپر سے اٹھ کھڑا ہوا... اس نے دونوں ہاتھ جھاڑ دیے... اب وہ لڑکھڑانے کے انداز میں ان کی طرف بڑھا... لیکن پھر مسکرا دیا اور وہیں رک گیا... اس نے بلند آواز میں کہا:

''یہ کیا ماسٹر... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا دیکھ رہے ہو۔'' کپتان نے حیران ہو کر کہا۔

''میرے ساتھی نظر نہیں آ رہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ پوری قوت سے دھاڑا... اور اس طرف مڑا... جس طرف وہ سب کھڑے تھے... وہاں واقعی ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آ رہا تھا... اب جو وہ بوکھلا کر فاروق کی طرف مڑا تو بری طرح اچھلا:

☆☆☆☆☆

بھوت

''یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... یہ سب لوگ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے... کیا یہ لوگ جادوگر ہیں؟'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

''ماسٹر! ایسا لگتا ہے... وہ مستولوں کے پیچھے چھپ گئے ہیں، لیکن بھلا اس طرح وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں... جہاز تو سمندر میں ہے، فرار تو یہ ہو نہیں سکتے... ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں... یہ مستولوں کے پیچھے چھپ کر کیا لیں گے۔'' اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

''ہوں... بات ٹھیک ہے... پکڑ لو انہیں... کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو اسے بھون ڈالو۔''

اب وہ لوگ شور مچاتے مستولوں کی طرف دوڑے... ان کی تعداد کم از کم ایک سو کے قریب تو ضرور ہوگی... جب کہ مستول دس کے قریب تھے... اور مختلف جگہوں پر تھے... یہ لوگ اس خیال سے بے فکر تھے کہ ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں... بے دھڑک مستولوں کے دوسری طرف پہنچ گئے... یہ دیکھ کر انہیں حد درجے حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا...

''ارے یہ کیا... یہ لوگ تو مستولوں کے پیچھے بھی نہیں ہیں۔''

''تب پھر وہ ادھر ادھر کہیں چھپ گئے ہیں... تلاش کرو انہیں۔''

اب وہ مختلف سمتوں میں دوڑ پڑے... اس وقت کپتان کی گردن ایک بازو کے شکنجے میں آ گئی... ساتھ ہی سرد آواز سنائی دی:

''مسٹر کپتان... عرف ماسٹر... اب ذرا حرکت کر کے دکھاؤ۔''

''کک... کیا... نن... نہیں۔'' اس کے منہ سے مشکل سے یہ الفاظ نکلے۔

''اب دیکھو... میں ایک بہت ہلکا سا جھٹکا تمہاری گردن کو دوں گا... بہت ہی ہلکا... اتنا کہ اس سے ہلکا جھٹکا شاید دیا ہی نہیں جا سکتا۔''

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے اسے واقعی بہت آہستہ سے جھٹکا دیا۔ اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی... لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی:

''کیا خیال ہے... تارے نظر آئے یا نہیں۔''

''ہاں! آئے... کیا چاہتے ہو۔''

''اب اس سے ذرا زوردار جھٹکا دینا چاہتا ہوں۔''

''نہیں نہیں... میری جان نکل جائے گی۔''

''ابھی نہیں نکلے گی... وہ تیسرے جھٹکے پر نکلے گی... لو دوسرے جھٹکے کا مزہ چکھو۔''

''نہیں نہیں۔'' وہ چلا اٹھا۔

انہوں نے اسے دوسرا جھٹکا دیا... اس مرتبہ اس کی چیخ اور زیادہ دل دوز تھی:

''اب کیا خیال ہے... تیسرا جھٹکا دوں۔''

''نن نہیں...'' وہ کانپ گیا۔

''اچھا تو اپنے ساتھیوں کو آواز دو... ان سے کہو... سب کے سب

تمہارے سامنے آ کھڑے ہوں۔"

"کیسے آواز دوں... گلے پر تو سخت دباؤ ہے۔"

"میں دباؤ میں کمی کر رہا ہوں... تم انہیں آواز دو۔"

انہوں نے جونہی کمی کی... وہ بے تابانہ بولا:

"سنو... سب لوگ ادھر آ جاؤ... جہاں میں کھڑا ہوں... ان لوگوں کی فکر چھوڑ دو۔"

اس کی آواز گونج گئی... کچھ لوگوں نے سن لی... انہوں نے دوسروں کو کپتان کا پیغام دے دیا... اس طرح جلد ہی سب سامنے آ کھڑے ہوئے... وہ بہت ڈیل ڈول والا تھا... انسپکٹر جمشید قریب اس کے پیچھے چھپے ہوئے تھے... فوری طور پر تو انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دیا... لیکن جلد ہی انہوں نے یہ بات بھانپ لی:

"یہ... یہ کیا ماسٹر! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"میں اس وقت اس شخص کے بالکل قابو میں ہوں... اگر میں نے ذرا بھی حرکت کی تو میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔"

"کیا کہا آپ نے۔"

"ان سے کہو اپنے ہتھیار پھینک دیں... ورنہ ہمارے ساتھ تو جو ہو گی، ہو گی... تم پہلے جان سے جاؤ گے..."

"تم لوگ فوراً ہتھیار پھینک دو۔"

"بہت بہتر۔" آوازیں ابھریں... پھر انہوں نے ہتھیار پھینک دیے۔

"اب تم لوگ پیچھے ہٹتے چلے جاؤ... جب تک میں نہ کہوں... ہٹتے

رہو۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں براہ راست حکم دیا۔

وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگے... جب وہ بہت دور ہٹ گئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا:

"آگے بڑھ کر ان کے ہتھیار سنبھال لو... اور مورچے سنبھال لو۔"

سب لوگ نہ جانے کہاں کہاں سے نکل کر آگے آ گئے اور ہتھیار سمیٹ کر مناسب جگہوں پر پوزیشن سنبھال کر کھڑے ہو گئے:

"کیا اب یہ سب لوگ ہماری زد پر ہیں۔"

"ہاں جمشید... بالکل... تم فکر نہ کرو... ان میں سے ایک بھی ہماری زد سے باہر نہیں ہے۔"

"ہوں... مسٹر کپتان عرف ماسٹر... اب کہو... کیا تمہارا پروگرام ہم سب کو قتل کرنے کا تھا۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"جھوٹ نہ بولو... سچ بتا دو۔"

"صحیح بات یہی ہے... کہ ہمارا پروگرام تم لوگوں کو قتل کر کے سمندر میں ڈال دینے کا تھا۔"

"اور تم لوگ ڈاکو ہو۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"بحری جہازوں کو لوٹنا تمہارا پیشہ ہے۔"

"ہاں۔"

"اچھا وہ ہیرے کہاں ہیں۔"

"میری جیب میں۔"

انہوں نے اس کی جیب سے ہیرے نکال لیے ... پھر اپنے ساتھیوں سے بولے

"یہ لوگ بحری ڈاکو ہیں... اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کو لوٹ چکے ہیں اور قتل کر چکے ہیں، ان لوگوں کو عرشے کے عین کنارے پر کھڑے ہونے کا حکم دیا جائے۔"

انسپکٹر کامران مرزا ان کا اشارہ سمجھ گئے۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا:

"تم سب لوگ عرشے کے عین سرے پر کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ لگے تھر تھر کانپنے... وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں... تاہم انہوں نے حکم کی تعمیل کی، لڑکھڑاتے قدموں سے عرشے کے کنارے کی طرف بڑھنے لگے... جب وہ سب پہنچ گئے تو انسپکٹر جمشید نے ماسٹر سے کہا:

"لو! اپنا اور اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھو... تم نے ان گنت لوگوں کو دولت کے لیے قتل کیا... اب بدلے میں اپنا انجام دیکھو۔"

"نہیں۔" وہ پوری قوت سے چلایا۔

"لیکن کیوں نہیں... وجہ..."

"ہمیں معاف کر دیں۔"

"کیا تم دوسروں کو معاف کرتے رہے ہو۔"

جواب میں وہ کچھ نہ کہہ سکا... ادھر انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو اشارہ کر دیا... تمام ڈاکوؤں پر فائر کھول دیا گیا... وہ گولیاں کھا کھا کر سمندر میں گرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ عرشہ ان لوگوں سے پاک ہو گیا...

اب انسپکٹر جمشید نے ماسٹر کی گردن چھوڑ دی اور اس سے بولے:

"اور اب تم بھی عرشے پر چلو۔"

وہ فوراً ان کے قدموں پر گر پڑا... انسپکٹر جمشید نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور لے چلے عرشے کی طرف:

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے۔"

"نہیں... تم قاتل ہو... ایک دو کے نہیں، نہ جانے کتنے لوگوں کے... لہٰذا تمہیں سزا تو ملے گی۔"

اب اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی... اس سے چلا نہیں جا رہا تھا... انسپکٹر جمشید اسے کھینچ کر آگے لے آئے... پھر شرجون سے بولے:

"مسٹر شرجون اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"شرجون تو مر چکا ہے۔"

"نہیں... وہ زندہ ہے... ہم نے اس سے معاہدہ کیا ہے... اب یہ ہمارے ساتھ سفر کرے گا... ہمیں راستہ بتائے گا۔"

"یہ... یہ کیا۔" اس نے شرجون کو اٹھتے دیکھا تو بول اٹھا۔ مارے حیرت کے اس کا برا حال تھا... آخر اس نے کہا:

"تم... تم لوگ آخر کون ہو... جب سے جہاز پر آئے ہو... مجھے حیرت میں مبتلا کر رہے ہو۔"

"مرنے سے پہلے جتنا حیران ہو سکتے ہو، ہو لو... ہمیں لوگ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کے نام سے جانتے ہیں۔"

"یہ... یہ نام سنے ہوئے لگتے ہیں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے اسے عرشے پر لا کھڑا کیا اور خود پیچھے ہٹ گئے:

"لگا دو اسے بھی ٹھکانے۔" وہ بولے۔

اس سے پہلے کہ اس پر فائرنگ کی جاتی، اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی:

"اس پر فائرنگ کریں... زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

وہ دوڑ کر عرشے کے کنارے پر آئے... اور پھر تیرتے ہوئے ماسٹر پر فائرنگ شروع کر دی... پانی اس کے خون سے سرخ ہوتے دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... اب وہ شرجون کی طرف مڑے:

"اب تم کہو... تم کیا کہتے ہو۔"

"میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔" اس نے فوراً کہا۔

"جہاز کون چلاتا ہے۔"

"وہ اپنے کیبن میں موجود ہے... اس نے یہ سب کچھ دیکھا ہے... لیکن وہ لڑائی بھڑائی نہیں کرے گا... اس لیے کہ وہ خود ان ڈاکوؤں کا قیدی تھا... اب تو اسے اس قید سے نجات مل سکتی ہے۔"

"ہاں بالکل... ہم تم دونوں کو اپنے گھروں کو جانے دیں گے... بس تم ہمارا ساتھ دو۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"ہمیں بٹوما جانا ہے۔"

"کیا کہا... بٹوما" وہ بہت زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

☆☆☆☆☆

اُلّو

انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا... پھر خان رحمان نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا:

"کیا ہوا... خیر تو ہے... بٹوما کا نام سن کر آپ کے ہاتھوں کے طوطے کیوں اڑ گئے۔"

"ایک منٹ... میں ڈرائیور کو بلا کر لاتا ہوں۔"

"محمود... آصف... تم ان کے ساتھ جاؤ۔"

"یہ کیوں۔" شرجون چونکا۔

"ابھی ہماری نئی نئی ملاقات ہے... ہم آپ دونوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے... آپ ہمارے بارے میں نہیں جانتے... اس لیے احتیاط ضروری ہے... جب ہم ایک دوسرے کو جان لیں گے، اس وقت ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔"

"خیر... کوئی بات نہیں۔" اس نے فوراً کہا اور انجن روم کی طرف بڑھ گیا... محمود اور آصف اس کے پیچھے قدم اٹھاتے چلے گئے... آخر وہ ڈرائیور کے ساتھ واپس آئے۔

"ان کا نام یشو کا ہے... راستوں کے ماہر یہ ہیں، میں نہیں... میں

نے انہیں بتا دیا ہے کہ جہاز اب آپ لوگوں کے قبضے میں ہے... اور یہ کہ اگر ہم
نے انہیں وہاں پہنچا دیا جہاں یہ جانا چاہتے ہیں تو اس کے بعد یہ ہمیں آزاد کر
دیں گے۔"

"آزادی کا طریقہ کار بعد میں طے کریں گے... لیکن بہر حال آپ
دونوں کو آزاد کر دیا جائے گا... بلکہ آپ کو آپ کے گھروں تک پہنچانے کا
انتظام کیا جائے گا۔"

"ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی... پچیس سال
سے میں ان ڈاکوؤں کی قید میں ہوں۔" لیشوکا نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں جناب! یہی میرا حال ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ایک جوہری تھا... میری جواہرات کی دکان تھی... مام
ہیرے خریدنے کے بہانے میری دکان پر آیا... پھر اس نے مجھے اپنے گھر آنے
کی دعوت دی... تاکہ ہیروں کی خرید فروخت کی جا سکے... یہ اس نے پہلے ہی
اطمینان کر لیا تھا کہ میں ہیروں کو پرکھنے کا ماہر ہوں... اور دراصل اسے ایسے ہی
ایک آدمی کی ضرورت تھی... بس گھر لا کر اس نے مجھ پر قابو پا لیا... پھر نہ جانے
کس طرح بحری جہاز پر منتقل کر دیا۔ اس وقت سے یہاں ہوں۔" یہ کہہ کر
شرجون رونے لگا۔

"اور کیا مسٹر لیشوکا کی کہانی بھی ایسی ہی ہے۔"

"یہ ایک جہاز پر ڈرائیور تھے... ان ڈاکوؤں نے اس جہاز کو لوٹ
لیا... باقی سب کو قتل کر دیا... اس بے چارے کو زندہ رہنے دیا... تاکہ یہ ان

کا جہاز چلایا کرے۔" شرجون نے بتایا۔

"ہمیں آپ دونوں سے ہمدردی ہے... اگر آپ ہماری تھوڑی سی
مدد کریں تو ہم بھی وعدہ کرتے ہیں... آپ دونوں کو آپ کے گھروں تک پہنچا
کر دم لیں گے۔"

"ٹھیک ہے... ہمارے لیے بھلا اس سے اچھی بات کیا ہوگی... ہم
تو اپنے گھر والوں کی یاد میں دن رات آنسو بہاتے رہتے ہیں۔"

"دیکھو! تم اکیلے اپنے گھر تک نہیں پہنچ سکو گے... کیونکہ جس ملک
کے ساحل پر بھی اترو گے... تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا... ان لوگوں کو اپنی
کہانی سناؤ گے تو وہ یقین نہیں کریں گے... یقین کر بھی لیں گے تو انہیں آپ
لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی... ہاں آپ کے لیے یہ اس صورت میں آسان
تھا جب کہ آپ کے پاس اپنے کاغذات ہوتے... اور ڈاکوؤں نے ایسی کوئی
چیز آپ دونوں کے پاس رہنے نہیں دی ہوگی۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" دونوں ایک ساتھ جلدی سے بولے۔

"بس تو پھر... اپنے اپنے گھروں تک جانے کے لیے آپ کو ہماری
مدد کی بہر حال ضرورت ہوگی... لیکن ہم اس وقت اپنے ملک سے ایک مہم کے
سلسلے میں نکلے ہوئے ہیں، لہٰذا آپ کو پہلے ہوٹاما یا اس کے آس پاس پہنچانا ہو
گا۔"

"نن نہیں۔" اس بار لیشوکا خوف زدہ انداز میں چلا اٹھا۔

"ہوٹاما کا نام سن کر پہلے مسٹر شرجون خوف سے چلا اٹھے تھے اور اب
آپ۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔"

"آپ... آپ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں۔"

"فی الحال اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"چلیے خیر کوئی بات نہیں... میں بٹوما کے راستے سے تو واقف ہوں... لیکن آپ کو وہاں جانے کا مشورہ نہیں دوں گا... اس لیے کہ وہاں صرف موت ہے... وہ بھی ہولناک موت۔"

"ہم سمجھے نہیں۔"

"وہ جنوں کا علاقہ ہے... بہت بڑے بڑے شیطانوں کا گڑھ ہے... ان سب نے بٹوما پر قبضہ کر رکھا ہے... بٹوما میں کوئی داخل نہیں ہو پاتا... داخل ہونا تو دور کی بات... بٹوما کے کوئی نزدیک بھی نہیں پہنچ پاتا۔"

"ایسا بھی کیا۔" شوکی بڑبڑایا۔

"پہلے آپ لوگ بتائیں... آپ بٹوما کے اندر تک جانا چاہتے ہیں یا اس کے باہر کہیں جائیں گے۔"

"ہمیں بٹوما کے اندر جانا ہے۔"

"تب پھر ہمارا کیا بنے گا۔" شرجونا نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" آصف نے چونک کر کہا۔

"بٹوما سے آپ لوگ تو زندہ واپس آئیں گے نہیں... ہم رہ جائیں گے اکیلے... اور اس قدر طویل سمندری سفر ہمیں اس قدر خوف زدہ کر دے گا کہ ہم شاید خوف سے ہی مر جائیں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا... ان شاء اللہ۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"یہ بعد میں کیا کہا آپ نے۔"

"میں نے انشاء اللہ کہا ہے... اس کا مطلب ہے، اگر اللہ نے چاہا تو۔"

"مطلب یہ کہ آپ لوگ مسلمان ہیں۔"

"ہاں! الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور آپ؟"

"ہم عیسائی ہیں۔"

"ہوں... خیر... آپ لوگ ہمیں بٹوما کے پاس پہنچا دیں... اور خود اتنے فاصلے پر ٹھہرے رہیں کہ واپسی پر ہم تیر کر آپ لوگوں تک آجائیں... پھر ہم واپسی کا سفر اختیار کریں گے۔"

"یہی تو ہم کہہ رہے ہیں... ایسا ہو نہیں سکے گا۔" ینثوکا بولا۔

"آپ کا مطلب ہے... ہم ان جنوں کا شکار ہو جائیں گے۔"

"ہاں! وہاں ایک سے بڑھ کر ایک جن موجود ہے... شیطان موجود ہے... پتا نہیں اتنے بہت سے جنات اور شیاطین وہاں کیسے جمع ہو گئے ہیں... سونے پر سہاگہ یہ کہ..." ینثوکا کہتے کہتے رک گیا۔

"سونے پر سہاگہ کیا؟"

"یہ کہ ان جنوں اور شیطانوں سے بھی اوپر ایک عجیب و غریب مخلوق وہاں موجود ہے... اس مخلوق سے وہ جن اور شیطان بھی ڈرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ان لوگوں کے ہاتھوں میں جانے کون سی طاقت ہے... انہوں نے ان جنات اور شیاطین کو اپنا غلام بنا رکھا ہے... دنیا بھر کے کام ان سے لیتے ہیں۔"

"حیرت ہے... کمال ہے... یہ تو پرانے زمانے کی جادوئی کہانیوں والی کوئی بات ہوگئی... وہ جادوگر جنات کو اپنے قابو میں کر لیتے تھے... اور ان سے کام لیتے تھے۔" شوکی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بس! یہی وہ کرتے ہیں۔"

"لیکن مسٹر لیشوکا... آپ کو اتنی معلومات کیسے حاصل ہیں۔"

"میں جس جہاز پر ڈرائیور تھا، ایک مرتبہ وہ جہاز طوفان کی زد میں آ کر بٹوما کے پاس جا نکلا تھا... ساحل پر موجود کچھ لوگ خوف کی حالت میں بھاگتے ہوئے آ رہے تھے... بس وہ بدحواسی کے عالم میں جہاز پر سوار ہو گئے... یہ تمام باتیں ان لوگوں نے بتائی تھیں۔"

"اوہ... اوہ ان لوگوں کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔"

"ایک ساحل پر پہنچا دیا تھا... وہاں سے وہ کیسے اپنے گھروں تک گئے ہوں گے۔ یہ ہمیں معلوم نہیں۔"

"ہوں... خیر... بس آپ ہمیں انہی حدود تک پہنچا دیں... خطرہ ہرگز نہ مول لیں... ہم آگے تیر کر چلے جائیں گے... اور آپ ہمارا انتظار کریں... ہم انشاء اللہ اسی جہاز پر آپ کو اپنے ملک لے جائیں گے... اور وہاں سے آپ کو آپ کے گھروں تک پہنچائیں گے۔"

"جب کہ آپ لوگوں کے وہاں جانے کا سن کر ہی ہمارے دل بیٹھے جا رہے ہیں... ہم دراصل آپ لوگوں کو اپنا نجات دہندہ خیال کر رہے ہیں۔"

"اللہ نے چاہا تو ہم آپ لوگوں کے نجات دہندہ ثابت ہوں گے۔" خان رحمان بولے۔

"انشاء اللہ" باقی سب نے کہا۔

"انشاء اللہ؟" ان دونوں نے بھی کہا۔

یہ سن کر وہ سب مسکرا دیے... پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا:

"واہ! یہ ہوئی نا بات... بس آپ اللہ کو یاد کریں اور سفر شروع کریں... ویسے بٹوما یہاں سے کتنے دن کے فاصلے پر ہے۔"

"یہ میں نقشہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔"

"تو جائیں... ذرا نقشہ دیکھ آئیں۔"

وہ جانے لگا تو مڑ کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھنے لگا... جیسے کہہ رہا ہو:

"آپ اپنے ساتھی کو ساتھ نہیں بھیجیں گے۔"

"بس! اب اس کی ضرورت نہیں... ہم آپ کا چہرہ پڑھ چکے ہیں۔"

"شکریہ۔"

وہ چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی:

"ہمیں پندرہ دن لگیں گے۔"

"اوہ... پندرہ دن؟"

"ہاں! پندرہ دن... اس سے کم نہیں لگیں..."

"اور جہاز پر اتنا ایندھن اور راشن ہوگا۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں... اس میں اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ ایک سال تک ختم نہیں ہوگا۔"

"بہت خوب! اب پھر سفر شروع کریں۔"

"اس سے پہلے ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں... آپ وہاں جانے کا خیال چھوڑ دیں اور یہیں سے وطن لوٹ جائیں۔" لیشوکا بولا۔

''افسوس! یہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔''

''آخر کیوں؟''

''بوما کے شیطان ہمارے ملک کے ایک سائنس دان کو اغوا کر کے لے آئے ہیں اور ایک بریف کیس بھی لے آئے ہیں... اس بریف میں گویا ہمارے ملک کی جان ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''ہمارے ملک میں جو ایٹم بم ہیں... یا دوسرے میزائل ہیں... ان کے پن کوڈ اس بریف کیس میں موجود ہیں۔''

''اوہ۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''اب آپ سمجھے کہ کیوں ہمارے لیے وہاں جانا ضروری ہے... یعنی اس بریف کیس کے بغیر جانا بے فائدہ ہے...''

''ہوں... خیر... ہم آپ کو بوما تک لے چلتے ہیں... لیکن براہ راست بوما کی طرف جانا اس جہاز کے لیے حد درجے خطرناک ہوگا... جب کہ بوما کے ساتھ لگنے والے ایک جنگل کے کنارے اگر آپ لوگوں کو اتار دیا جائے تو آپ کے لیے خطرات ہی خطرات منہ کھولے نظر آئیں گے۔''

''آپ کا مطلب ہے... وہ جنگل ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔''

''ہاں! اس جنگل سے اگر آپ بچ نکلتے ہیں تو بوما شہر میں ہوں گے... اور ادھر جہاز محفوظ ہوگا... آپ کو واپس بھی اس جنگل سے ہی آنا ہوگا۔''

اور انہیں منور علی خان یاد آ گئے... انہوں نے سوچا، کاش وہ ہم سے آملیں... اب انسپکٹر کامران مرزا نے ان سے کہا:

''ٹھیک ہے... آپ ہمیں اس جنگل تک پہنچا دیں۔''

''آپ اس جنگل کو عام جنگل خیال نہ کریں... وہ خطرات سے بھرا پڑا ہے۔''

''اللہ مالک ہے۔'' آفتاب نے فوراً کہا۔

''اچھی بات ہے... ہم اپنا سفر شروع کرتے ہیں...''

اور پھر ان کا جہاز روانہ ہوا... یہ سب اللہ کی قدرت تھی۔ اس طرح اس نے ڈاکوؤں کو ان کے جرائم کی سزا دی اور انہیں سفر کے لیے جہاز دے دیا...

دوسری صبح وہ جہاز کے عرشے پر ناشتا کر رہے تھے... ایسے میں آفتاب نے کہا:

''ہو سکتا ہے یہ ہمارا آخری سفر ہو... کیونکہ ایک تو راستے میں خوفناک جنگل موجود ہے... دوسرے وہ شہر کسی بلا سے کم نہیں... پھر وہاں ایک دو بلائیں ہوں تو بھی کوئی بات ہے... وہاں تو سنا ہے... پورا شہر بلاؤں سے اٹا پڑا ہے۔''

''اور ہمیں وہاں جانا ہے۔'' آصف مسکرایا۔

''اللہ نے چاہا تو۔''

''اور یہ بات بھی اب ہمارے علم میں آ گئی ہے... کہ وہاں جنات اور شیاطین کے علاوہ کوئی اور خوفناک مخلوق بھی آباد ہے... آخر ہماری یہ مختصر سی جماعت اتنی بہت سی بلاؤں کا مقابلہ کیسے کر سکے گی۔'' فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ تو ہم نہیں جانتے...'' آصف نے فوراً کہا۔

"تب پھر ہم کیا جانتے ہیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"یہ کہ ہمیں جانا ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"اور ان سے ٹکرانا ہے۔" محمود گنگنایا۔

"جملے کہنا آسان ہے... جب ان بلاؤں سے ملاقات ہوگی تو گھگی بند ہو جائے گی۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"بس! جا چکے آپ لوگ۔" شرجون نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیوں... کیا ہوا۔"

"آپ کے یہ ساتھی تو ابھی سے ڈر رہے ہیں۔"

"بلکہ یوں کہیں... بھیگی بلی بن گئے ہیں۔" آصف چہکا۔

"ہاں! لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"ہمارا مطلب ہے... جب آپ کے یہ ساتھی ابھی سے ڈر رہے ہیں تو آگے کیا ہوگا... یہ تو جنگل ہی میں ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔"

"بس! اب ہم ان کے بارے میں کیا کہیں... یہ ہیں ہی الو۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ابا جان! آپ نے ہمیں اُلو کہا..." فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں اور کسے؟"

"لیکن انکل ہم میں سے آپ نے کس کس کو اُلو کہا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"تمہیں، آفتاب اور مکھن کو۔"

"اللہ کا شکر ہے... باقی سب کو نہیں کہا۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں... ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ہم اُلو نظر آتے ہیں یا کیا نظر آتے ہیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"تمہارا مطلب ہے... تم صرف اُلو نظر آتے ہو... ہو نہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔"

"پتا چل جائے گا... جب وہ جنگل سامنے آئے گا۔"

"ایک بار پھر مجھے انکل منور علی خان یاد آ گئے۔"

"اور یہ منور علی خان کون ہیں۔"

"ہمارے ساتھی... لیکن عام طور پر ہمارے ساتھ نہیں ہوتے... ہاں کبھی کبھی ساتھ ہوتے ہیں... دراصل وہ ایک بہت بڑے شکاری ہیں۔"

"اوہ ہاں... جنگل میں..."

یشوکا کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے... اسے سمندر میں کوئی چیز نظر آئی تھی:

☆☆☆☆☆

صندوق

"کیا ہوا بھئی... خیر تو ہے... بات کرتے کرتے رک کیوں گئے... کوئی بھوت تو نظر نہیں آ گیا۔" آصف نے برا سا منہ بنایا۔

"مجھے ایک جہاز کا اوپر والا حصہ نظر آیا ہے۔"

"اوہ!"

"اور اس کا رخ ہماری طرف ہے... اب نہ جانے وہ جہاز کس قسم کا ہے..." ایشو کا بولا۔

"فاروق مستول پر چڑھ کر دیکھو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

فاروق فوراً مستول کی طرف بڑھا... اور تیزی سے اوپر چڑھنے لگا:

"یہ... یہ کیا؟" ایشو کا اور شرجون کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"کیا ہوا؟" آفتاب ہنسا۔

"یہ حضرت اس قدر تیزی سے مستول پر چڑھ رہے ہیں، گویا یہ مستول نہیں سیڑھی ہے... کمال ہے۔"

"اور ابھی آپ اسے بزدل بتا رہے تھے۔"

"وہ اس لیے کہ یہ ڈرے ڈرے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔"

ایسے میں انہوں نے فاروق کی آواز سنی۔

"ان کا خیال ٹھیک ہے... جہاز ہماری طرف آ رہا ہے... لیکن یہ کوئی مسافر جہاز ہے... اس پر خطرناک لوگ نہیں ہیں... واجبی سے حفاظتی انتظامات نظر آ رہے ہیں... لہٰذا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"بہت خوب! آ جاؤ پھر نیچے... جب جہاز نزدیک پہنچ جائے گا تو دیکھ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر جہاز لحہ بہ لحہ نزدیک ہوتا چلا گیا... اس پر سفید جھنڈا لہرا رہا تھا، گویا یہ نہ تو جنگی جہاز تھا نہ ڈاکوؤں کا... بس عام مسافر جہاز تھا:

"سوال یہ ہے کہ اگر یہ صرف ایک مسافر جہاز ہے تو یہ برابر ہماری طرف کیوں آ رہا ہے۔" آصف بڑبڑایا۔

"اور نزدیک آنے سے پہلے انہوں نے سفید جھنڈا کیوں لہرایا ہے... تاکہ ہماری طرف سے انہیں حملے کا کوئی خطرہ نہ رہے۔" آفتاب بولا۔

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"کہیں یہ سفید جھنڈے سے دھوکا نہ دینا چاہتے ہوں۔" شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اس صورت میں ہم انہیں دیکھ لیں گے... ویسے احتیاطاً ہمیں مورچے سنبھال لینے چاہئیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ حرکت میں آ گئے۔ آن کی آن میں انہوں نے خان

رحمان کی ہدایات کے مطابق پوزیشن سنبھال لی۔

"حیرت ہے... یہ لوگ کس قدر مہارت سے مورچے سنبھال رہے ہیں۔" پشوکا کی آواز سنائی دی۔

"اس کا مطلب ہے... یہ لوگ عام لوگ نہیں، خاص ہیں... اور لڑائی بھڑائی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں... ماسٹر پر قبضہ اتفاقیہ نہیں تھا... بلکہ یہ اس قسم کے کام کرتے رہتے ہیں۔" شرجون نے جلدی جلدی کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا شرجون۔" انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

ایسے میں دوسرے جہاز کے اسپیکر سے آواز گونجی:

"ہمارا جہاز مسافر جہاز ہے... یہ ایک طوفان میں گھر گیا تھا... ہم سات دن بھنور میں پھنسے رہے... اس طرح خوراک کا ذخیرہ زیادہ خرچ ہو گیا... اور جب تک ہم منزل پر پہنچیں گے... ہمارے پاس خوراک بالکل ختم ہو چکی ہوگی... ہم اس سلسلے میں فکر مند تھے کہ ایسے میں آپ کے جہاز کے مستول نظر آ گئے اور ہم نے اپنا رخ آپ کی طرف کر دیا... ہمیں کچھ خوراک کی ضرورت ہے... ہم آپ کو اس کی قیمت ادا کریں گے۔"

"خوراک آپ لوگوں کو مل جائے گی... اور قیمت کے بغیر ملے گی... پہلے یہ بتائیں آپ کا تعلق کس ملک سے ہے... کیونکہ جہاز کے اوپر کسی بھی ملک کا جھنڈا نہیں ہے..."

"وہ ہم نے آپ کا جہاز دیکھ کر اتار دیا تھا۔" ادھر سے جواب ملا۔

"کیوں؟"

"ہمارا تعلق پاک لینڈ سے ہے... سفید جھنڈا لہرانے کی غرض سے اسے اتارا تھا... کہ صرف سفید جھنڈا نظر آئے۔"

"کیا واقعی آپ کا تعلق..."

ایسے میں دوسرے جہاز کے عرشے پر کوئی اس طرف دوڑ پڑا جس طرف دونوں جہاز آمنے سامنے تھے:

"یہ کیا... کون دوڑ رہا ہے۔"

"اے میاں... خبردار... اس طرف سے کہیں فائرنگ نہ ہو جائے۔"

"نہیں ہوگی۔" دوڑنے والے نے کہا۔

"کیا..." اس طرف سے سب بول پڑے۔

"ہاں یہی بات ہے۔" دوڑنے والا ہنسا۔

"انکل... زندہ باد... ہم ابھی ابھی آپ کو یاد کر رہے ہیں... اللہ کی قدرت کہ آپ آ گئے۔" آصف نے پرجوش انداز میں کہا۔

"کیا مطلب۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"کیا مطلب؟" دوسرے جہاز پر بھی کئی آوازیں ابھریں۔

"ہم کشتی نیچے گرا رہے ہیں انکل۔"

"ضرور... ضرور۔" وہ ہنسے۔

"یہ... یہ کون ہیں... وہی شکاری۔" شرجون کے منہ سے نکلا۔

"ہاں یہ وہی ہیں... بہت انوکھے وقت پر آئے... کمال ہو گیا۔"

اور پھر ان کے لیے کشتی پانی میں اتاری گئی۔ اس پر بیٹھ کر وہ ان کے جہاز پر آ گئے... بس پھر کیا تھا... سب سے پہلے فرحت چلاتے ہوئے ان کی طرف دوڑ پڑی:

"ابا جان۔"

''انکل۔'' سب بولے۔

پھر ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے:

''انکل! ہم آپ کی بہت شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے... بس اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا... بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔'' آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن آپ کہاں سے آ رہے ہیں۔''

''شمالی افریقہ سے۔'' وہ بولے۔

''لیکن آپ کو بحری جہاز کے سفر کی کیا ضرورت پڑ گئی۔''

''کبھی کبھی جان بوجھ کر بحری سفر کرتا ہوں... اس سفر میں اپنی شکاری زندگی سے فائدہ اٹھاتا ہوں... سمندری مخلوق کا بھی شکار کیا جاتا ہے نا... اور سمندری شکار میں تو بہت زبردست چیزیں ملتی ہیں... ایسے ایسے قیمتی موتی ملتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''خیر... آپ کے موتی تو ہم بعد میں دیکھیں گے... پہلے آپ کو اپنی کہانی اور درپیش مہم کے بارے میں بتائیں گے... بلکہ اس سے پہلے اس جہاز پر غلہ لدواتے ہیں۔''

''ہاں! اصل کام تو یہ ہے... پاک لینڈ پہنچنے سے 4 دن پہلے اس جہاز پر غلہ ختم ہو جائے گا... اور ہم اس سلسلے میں پریشان تھے۔''

''لیکن کیوں... آپ مچھلیاں وغیرہ شکار کر کے کام چلا سکتے تھے۔'' آصف نے کہا۔

''بھئی صرف مچھلی سے پیٹ نہیں بھرتا... کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے... پھر اس قدر مقدار میں مچھلیاں پکڑنا بھی آسان نہیں ہوتا،

بہر حال پہلے غلہ لدواتے ہیں۔''

اور پھر انہوں نے اپنے جہاز کے نچلے حصے سے غلہ اٹھوایا اور ان کے جہاز پر لدوا دیا... یہاں تک کہ اتنا غلہ پہنچ گیا جس سے ان کی گزر بسر آسانی سے ہو سکے... اب اس جہاز والوں نے ان سے اجازت لی:

''اور میں اب ان لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔''

''آپ ایک تحریر لکھ دیں... کیونکہ حکام ہم سے پوچھیں گے، یہ صاحب کہاں گئے تو ہم کیا بتائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

انہوں نے کہا اور تحریر لکھ کر دی۔ اب انہوں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے رخصت ہوئے، وہ اس جہاز کو جاتے ہوئے موجود دیکھتے رہے، یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا:

''ہاں تو اب ہو جائے تفصیل موجود مہم کی۔'' منور علی خان مسکرائے۔

انہیں ساری تفصیل سنا دی گئی... جنگل اور جنگل سے آگے ہو جانے کی تفصیلات سن کر منور علی خان فکر مند ہو گئے۔ انہوں نے کہا:

''یہ جنگل جنگلی درندوں کے لحاظ سے خوفناک نہیں ہے۔''

''تب پھر؟''

''میں نے ایک بار اس جنگل میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی... لیکن پھر میں واپس ہی آ گیا تھا۔''

''لیکن کیوں انکل۔'' آصف نے حیران ہو کر کہا۔

''اس جنگل میں کوئی قوم رہتی ہے... وہ بہت لڑاکا قوم ہے... اپنے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتی... کوئی جنگل میں داخل ہو جائے تو اسے قتل کر

دیتے ہیں۔"

"تب ہم جنگل میں کیوں جائیں... چکر کاٹ کر بھی تو جا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"یہ بھی ممکن نہیں... جنگل بہت طویل ہے... جب ہم پورے جنگل کا چکر کاٹیں گے تو ادھر دوسرے ملک کی حدود شروع ہو جائے گی اور ادھر سے بھی نہیں جا سکیں گے، بائیں طرف بھی یہی مسئلہ پیش آئے گا۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں بہر حال جنگل میں سے گزرنا ہو گا..." فرحت بولی۔

"ہاں! اس کے علاوہ راستہ جہاز کا ہے... لیکن ظاہر ہے... جہاز ایرپورٹ پر اترتا ہے اور ہم جیسوں کو وہاں روک لیا جائے گا۔"

"لے دے کر ہمیں جنگل سے جانا پڑے گا اور جنگل عبور کرنا آسان کام نہیں... جیسے آپ اس قوم کے بارے میں بتائیں۔"

"بس... وہ ان پڑھ اور جاہل قوم ہے، صرف مرنا اور مارنا جانتی ہے اور کچھ بھی نہیں... ہم ان کی زبان بھی نہیں جانتے کہ اپنی کوئی بات انہیں سمجھا سکیں۔"

"اس صورت میں بین الاقوامی زبان استعمال کی جا سکتی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"بین الاقوامی زبان... بے وقوف آدمی... وہ بھلا انگریزی کیا جانیں۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"بے وقوف ہو گے تم میرا اشارہ اشارات کی زبان کی طرف ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے اپنی ران پر ہاتھ مارا... جو آصف کی ران پر لگا... وہ تلملا کر بولا:

"تھوڑی سی نشانہ بازی کی مشق بھی کر لیا کرو... یا اپنے اس دھت تیرے کی کو چھوڑ دو۔"

"اچھی بات ہے..." محمود جلدی سے بولا۔

"ادھر ادھر جانے سے پرہیز کرو... وقت پہلے ہی بہت صرف ہو گیا ہے... وہ لوگ پروفیسر سے بن کوڈ کھلوانے کی پوری کوشش کر رہے ہوں گے۔"

"اور میرے خیال میں یہ کام ان کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہو گا... انہیں ہپناٹزم کے زیر اثر لا کر معلوم کر لیں گے۔" خان رحمان نے مایوسانہ انداز اختیار کیا۔

"شاید ایسا نہ ہو سکے۔" انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"جی... وہ کیسے؟"

"ایسے کہ پروفیسر عبداللہ درز زبردست قوت ارادی کے مالک ہیں اور انہیں ہپناٹزم کے زیر اثر لانا آسان کام نہیں ہو گا... ایسا کرنے والا خود پھنس سکتا ہے۔"

"اوہو... اچھا۔" کئی حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔

"اچھا تو پھر لیٹوکا صاحب... آپ ہمیں جنگل کے کنارے جہاز سے اتار دیں اور خود پانی میں لنگر انداز ہو جائیں... ہمیں واپسی میں چند دن لگ سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ٹھیک ہے۔"

"اور بھائی لیشوکا... یہ بھی ہو سکتا ہے... کہ ہم واپس ہی نہ آسکیں... اس صورت میں تو آپ ہمارا انتظار کرتے کرتے بوڑھے ہو جائیں گے..." آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ ہاں! واقعی! اس کا عین امکان ہے... خیر... اگر ہم بیس دن تک نہ لوٹیں تو تم دونوں آزاد ہو گے... جہاں چاہو، جا سکو گے۔"

"ارے باپ رے۔" لیشوکا اور شرجون گھبرا کر بولے۔

"کیوں... کیا ہوا؟"

"اس صورت میں ہم دونوں بہت زیادہ گھبرا جائیں گے... ذرا سوچیں... سمندر میں اتنا طویل سفر کیسے کریں گے، دو اکیلے آدمی۔"

"ہاں! یہ بات بھی ہے... لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... یہ تو اللہ کو پتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا... ہمیں نہیں معلوم۔"

"لہٰذا تم بھی اللہ پر بھروسہ کر کے سمندر میں انتظار کرو..." فاروق نے کہا۔

"ہم انتظار کریں گے... اس وقت تک انتظار کریں گے... جب تک کہ بالکل مایوس نہیں ہو جائیں گے۔"

"سفر شروع کرنے سے پہلے ہم جہاز کے نچلے حصے کو دیکھ لیں... ہم نے ابھی تک پورا جہاز نہیں دیکھا۔" ایسے میں شوکی نے خیال ظاہر کیا۔

"اوہ ہاں شوکی... بہت اچھا خیال دلایا... کیوں بھی شرجون صاحب... ہم جہاز دیکھ لیں نا۔"

"ضرور... کیوں نہیں... جہاز اب آپ کا ہے... آپ نے اسے ڈاکوؤں سے حاصل کیا ہے... ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا ہے... ہمارا تو بس ایک ہی

مطالبہ ہے... یہ کہ ہمارے گھروں تک پہنچا دیں۔"

"آپ فکر نہ کریں... زندگی رہی تو ہم یہ کام ضرور کریں گے... اب ہمیں نچلے حصے دکھا دیں۔"

وہ ان کے ساتھ جہاز کی دوسری منزل میں آئے... اس منزل میں انہیں بے تحاشہ ساز و سامان نظر آیا... کھانے کا سامان... پینے کا سامان اور جنگ کا سامان... ان کے علاوہ استعمال کی بے شمار چیزیں موجود تھیں... ان میں بہت قیمتی چیزیں بھی تھیں... اور ظاہر ہے، یہ ڈاکوؤں نے مسافروں سے لوٹی تھیں... اس کے بعد وہ تیسرے حصے میں آئے۔ اس حصے میں انہیں بہت بڑے بڑے صندوق نظر آئے... اور یہاں کچھ نہیں تھا:

"ان صندوقوں میں کیا ہے۔"

"ان میں لوٹا ہوا مال ہے... لیکن ہر صندوق پر بھاری بھرکم تالے لگے ہوئے ہیں... اور چابیوں کے بارے میں صرف ماسٹر کو پتا تھا... مطلب یہ کہ چابیاں ہیں تو جہاز پر... کہاں ہیں، یہ ہمیں معلوم نہیں۔"

"ہوں... خیر... ہم چابیاں تلاش کر لیں گے... آیئے ہمیں ماسٹر کے کمرے تک لے چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ اوپر آئے... اس وقت انسپکٹر جمشید بولے:

"اس کمرے میں چابیوں کا چھلا تلاش کریں۔"

یہ لوگ تلاش میں جت گئے... آخر مکھن نے چابیاں تلاش کر لیں۔ اب وہ پھر نچلی منزل میں آئے... ایک صندوق کو کھولا گیا... اور وہ دھک سے رہ گئے... صندوق سونے اور قیمتی موتیوں وغیرہ سے بھرا پڑا تھا۔

"ارے باپ رے... اتنی دولت۔" خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

اب جو انہوں نے دوسرا صندوق کھولا تو سکتے میں آ گئے... اس میں بھی سونے کے زیورات بھرے پڑے تھے۔

"اُف مالک... ان لوگوں نے کتنی دولت لوٹ رکھی ہے... دولت کی ہوس بھی کیا چیز ہے... بھلا وہ اس دولت سے فائدہ کیا اٹھاتے تھے... سوائے اس کے کہ لوگوں سے چھین چھین کر جمع کرتے رہتے تھے۔" پروفیسر داؤد نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

اس کے بعد انہوں نے باری باری تمام صندوق کھول ڈالے۔

اب سب کے سب حیرت زدہ تھے... پریشان تھے... اور ہکا بکا تھے۔ کیونکہ یہ بات تو ان کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس جہاز پر اس قدر دولت ہو گی۔ یہ دولت تو ایک بڑے ملک کے مالی معاملات بہتر بنا سکتی تھی... انہوں نے تمام صندوقوں کو تالے لگا دیے... وہ اس قدر وزنی تھے کہ دو آدمی مل کر ایک صندوق کو نہیں اٹھا سکتے تھے۔

وہ نیچے سے اوپر آئے... اب ان کے لیے ایک نیا مسئلہ آ کھڑا ہوا تھا... جہاز سے اتر کر انہیں بہرحال اس جنگل میں جانا تھا... اور جہاز پر ان دونوں کو چھوڑ کر جانا تھا... واپسی کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا... اب سوال یہ تھا کہ وہ کیا کریں... انسپکٹر جمشید نے کامران مرزا کی طرف اور پھر باقی سب کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں، اب کیا کریں... جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو انسپکٹر جمشید نے ان دونوں سے کہا:

"اب کیا کریں۔"

"ہمیں اس دولت سے کوئی دلچسپی نہیں... ویسے بھی یہ آپ کا ہے... کیونکہ جہاز ڈاکوؤں سے آپ نے حاصل کیا ہے... ہم نے نہیں... اب آپ

یہ سوچ رہے ہوں گے کہ آپ لوگ تو جہاز سے اتر کر چلے جائیں گے جنگل میں... اس کے بعد جہاز اور جہاز پر موجود دولت کے انبار ہم دونوں کے قبضے میں ہوں گے... کہیں ہم لے کر فرار نہ ہو جائیں... لیکن ذرا سوچیں ہم بھلا اس جہاز کو لے کر کہاں جائیں گے... کس ساحل پر جائیں گے... لہٰذا آپ اطمینان رکھیں... جب آپ واپس آئیں گے تو ہمیں سمندر میں موجود پائیں گے۔" یہ الفاظ جون نے کہے تھے اور اس کے الفاظ سے سچائی جھلک رہی تھی۔

اس وقت یشوکا نے کہا:

"میں بھی بالکل یہی کہتا ہوں... سمندر میں رہ رہ کر میں اس قدر اکتا چکا ہوں کہ اب صرف اور صرف اپنے گھر جانا چاہتا ہوں... اس جہاز پر موجود دولت بلکہ اس جیسے دس اور جہازوں سے بھی زیادہ چاہت مجھے اپنے گھر کی ہے..."

اس کے انداز سے بھی سچائی ٹپک رہی تھی... آخر انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"ٹھیک ہے... ہمیں آپ دونوں پر یقین ہے... ہم آپ کو آپ کے گھروں تک ضرور پہنچائیں گے اور اس دولت میں سے آپ کو حصہ بھی دیں گے... اب بسم اللہ کریں۔"

بسم اللہ کریں سن کر وہ مسکرانے لگے... دوسرے بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

ان کا سفر شروع ہوا... اور وہ خیریت سے اس جنگل کے کنارے پہنچ گئے، لیکن وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا... جنگل کا کنارا سطح سمندر سے بہت اونچا تھا:

''یہ کیا... یہ تو بہت اونچائی پر ہے۔'' پروفیسر بولے۔

''کوئی بات نہیں... میرا آنکڑہ کس دن کام آئے گا۔'' منور علی خان مسکرائے۔

''کس دن کیا... وہ تو بار بار کام آچکا ہے... اور زندگی رہی تو نہ جانے کب کب کام آئے گا۔'' آفتاب بولا۔

''اللہ کی مہربانی سے۔'' منور علی خان بولے۔

پھر انہوں نے آنکڑہ گھمانا شروع کر دیا... یشوکا اور شرجون نے حیران ہو کر اس عمل کو دیکھا، پھر وہ بولے بغیر نہ رہ سکے:

''یہ... یہ کیا ہے۔''

''ہم لوگ اسے آنکڑہ کہتے ہیں... بہت کام کی چیز ہے... ابھی آپ اس کا کام دیکھ ہی لیں گے۔''

اور پھر انہوں نے آنکڑے کا سرا ایک درخت میں الجھتے دیکھا... منور علی خان نے اس کا اس طرف والا سرا ایک مستول کے گرد کس دیا... اب مستول اور درخت تک ایک رسی تن گئی... انہیں گویا اس رسی کو پکڑ کر لٹکتے ہوئے جنگل کے سرے پر پہنچنا تھا...

''سب سے پہلے میں جاتا ہوں۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

''چلیے ٹھیک ہے۔''

''اور جانے سے پہلے میں یشوکا اور شرجون سے کہتا ہوں... اس دنیا کے خالق اور مالک کو پہچانو... اس کے سوا کوئی معبود نہیں... اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے... اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ وہ اکیلا ہے... کوئی اس کے برابر کا نہیں... مطلب یہ کہ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے... نہ وہ کسی کا

بیٹا... میں صاف لفظوں میں کہوں گا... تم مسلمان ہو جاؤ... کلمہ پڑھ لو۔ یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

چند لمحے تک یشوکا اور شرجون حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے... آخر شرجون نے کہا:

''ہم آپ لوگوں کو عبادت کرتے دیکھتے رہے ہیں... اپنی کتاب کو پڑھتے ہوئے بھی سنتے رہے ہیں... ہمارے دل اس آواز کی طرف کھنچتے رہے ہیں... لیکن ہم منہ سے نہ کہہ سکے... آپ جائیں... ہم اس دوران اس پر غور کریں گے۔''

''ہم تم لوگوں کے لیے یہاں قرآن رکھ رہے ہیں... پسند کرو تو انگریزی زبان والا ترجمہ پڑھنا شروع کر دینا... وقت تو تم دونوں کے پاس ہو گا ہی۔''

''ہاں! ہم ایسا کریں گے۔'' دونوں نے ایک ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ان سب پر ایک نظر ڈالی... اللہ حافظ کہا اور پھر بسم اللہ پڑھ کر رسی سے لٹک گئے... دونوں ہاتھوں کے ذریعے وہ جنگل کی طرف بڑھنے لگے... وہ سب اس قسم کے کام اکثر کرتے رہتے تھے... اس لیے نہ تو ان کے لیے یہ عجیب تھا نہ مشکل... لیکن یشوکا اور شرجون حیران ہو رہے تھے۔ پانچ منٹ بعد انسپکٹر کامران رسی کو چھوڑ چکے تھے... وہ اس درخت پر نظر آئے جس میں آنکڑہ اٹکا تھا:

''کامران مرزا ذرا دیکھ لینا... یہ پوری طرح مضبوطی سے تو الجھا ہوا ہے نا، ورنہ اسے اور مضبوط کر دیں۔''

انہوں نے اس شاخ کا جائزہ لیا... اور آنکڑہ پوری طرح کسا ہوا نظر آیا۔

"اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرائے۔

اب وہ باری باری ادھر آتے چلے گئے... یہاں تک کہ سب کے سب پہنچ گئے:

"مسٹر شرجون... اب آپ اس طرف سے رسی کھول دیں۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے... اسے اسی طرح بندھا رہنے دیں... واپس بھی تو آپ کو اسی طرح آنا پڑے گا۔"

"مہم کے دوران ہمیں آنکڑے کی ضرورت پیش آسکتی ہے... واپسی پر تو اسے باندھنا اور زیادہ آسان ہوگا۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔ پھر انہوں نے رسی کھول دی اور منور علی خان نے اسے کھینچ لیا۔ اب انہوں نے ہاتھ ہلائے... یشوکا اور شرجون نے بھی ہاتھ ہلائے... پھر وہ جنگل کی طرف بڑھنے لگے... انہیں وہاں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا... نہ ہی جنگل میں درندے نظر آرہے تھے... البتہ پرندوں کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔

"لگتا ہے... اس جنگل میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"ابھی ہم جنگل کے بالکل سرے پر ہیں... وہ مخلوق یہاں نہیں... آگے کہیں رہتی ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

"آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی چکے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔"

"جلد ہی تم بھی انہیں دیکھ لوگے۔"

"سوال یہ ہے کہ انکل... ہم پوری ایک قوم سے کس طرح جنگ کریں گے۔" شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"عقل سے... ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل ہے..."

"ان کے پاس ہتھیار کس قسم کے ہیں۔"

"وہ تیروں، بھالوں اور تلواروں سے لڑتے ہیں۔"

"گویا آتشیں اسلحہ ان کے پاس نہیں ہے۔"

"اسلحہ ضرور ہے... لیکن اسے استعمال کم کرتے ہیں... وہ اپنے تیروں سے وہ کام لیتے ہیں جو ہم پستولوں سے لیتے ہیں۔"

عین اس لمحے کوئی چیز ان کے سروں پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔ وہ سنسناہٹ بہت خوفناک تھی... منور علی خان چلائے:

"لیٹ جائیں۔"

☆☆☆☆☆

ان کا کام

انہوں نے زمین پر لیٹنے میں دیر نہیں لگائی... ساتھ ہی وہ درختوں کی اوٹ میں بھی ہو گئے... انہوں نے پستول ہاتھوں میں لے لیے۔ خان رحمان نے سر ایک طرف کو کیا ہی تھا کہ ایک تیر بلا کی رفتار سے آتا نظر آیا۔ انہوں نے فوراً سر درخت کے پیچھے کر لیا اور تیر سنسناتا ہوا ان کے بالکل نزدیک سے گزر گیا:

"بہت ماہر ہیں یہ لوگ... پروفیسر صاحب فوراً حرکت میں آ جائیں۔" خان رحمان چلائے۔

"اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔

انہوں نے اپنے بیگ میں سے چند چیزیں نکالیں اور خود کو درخت کی اوٹ سے نکالے بغیر سامنے کی طرف مختلف زاویوں میں اچھال دیں... وہ چیزیں گرتے ہی زوردار آواز کے ساتھ پھٹیں اور گھاس پھوس نے فوراً ہی آگ پکڑ لی... فوراً ہی چند چیخیں ابھریں اور انہوں نے دس کے قریب افراد کو دوڑتے دیکھا... اب چونکہ ان کے رخ اس طرف نہیں تھے، اس لیے وہ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھے... انہوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا... اور فائرنگ شروع کر دی... دیکھتے ہی دیکھتے وہ دس کے دس گرے اور تڑپنے لگے۔

وہ اسی طرح دیکھ رہے تھے... کیونکہ ان کے علاوہ بھی دشمن وہاں ہو سکتے تھے:

"کیا خیال ہے خان رحمان۔" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

"ابھی اپنی جگہ پر رہیں۔"

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" منور علی خان بولے۔

"اچھی بات ہے۔"

چند منٹ اسی طرح گزر گئے... پھر فرزانہ کی آواز ابھری:

"دور دور تک کسی دشمن کا پتا نہیں... یہ دس کے دس دم توڑ چکے ہیں۔" فرزانہ کی آواز کہیں اوپر سے آئی۔

"ہائیں... یہ کیا فرزانہ... تم نیچے ہو اور تمہاری آواز اوپر سے آ رہی ہے... کہیں تم دو حصوں میں تقسیم تو نہیں ہو گئیں۔"

"جی نہیں! اللہ کی مہربانی سے میں ایک ہی جگہ موجود ہوں... اور درخت پر ہوں... میں نے سوچا تھا کہ اوپر چڑھے بغیر ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ دشمن کہاں کہاں موجود ہیں۔"

"بہت خوب فرزانہ... تم ہم سب کے کان کاٹ گئیں۔" منور علی خان نے شوخ انداز میں کہا۔

"جی نہیں تو... کم از کم آپ تو یہ بات نہ کہیں۔" فرزانہ نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"کہہ تو اس طرح رہی ہو جیسے واقعی کان کاٹ لیے ہوں تم نے۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"یہ وقت آپس میں لڑنے کا نہیں... جنگل میں پہلی جھڑپ ہو چکی ہے... یہ جھڑپ ساری قوم کو ہمارے خلاف کھڑا کر دے گی... ہمیں تو جنگ کی

تیاری کرنی چاہیے... اور میرے خیال میں ہم فی الحال یہیں ٹھہر کر ان کا مقابلہ کریں گے... ہم ابھی ساحل پر ہی موجود ہیں... خطرے کی صورت میں ہم پانی میں چھلانگیں لگا سکتے ہیں... اور جہاز تک جا سکتے ہیں۔'' منور علی خان نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن انکل... مہم سر کیے بغیر ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' فاروق جلدی سے بولا۔

''بھئی! یہ پیچھے ہٹنا نہیں، اسے حکمت عملی کہتے ہیں۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''ہوں... ٹھیک ہے۔''

''اور میرے لیے کیا حکم ہے۔'' اوپر سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

''تم ابھی اسی طرح ٹنگی رہو۔'' نیچے سے آفتاب نے ہانک لگائی۔

''آپ نے سنا انکل...'' فرزانہ بولی۔

''کون سے انکل سے کہہ رہی ہو... یہاں تو انکلوں کی لائن لگی ہے۔'' محمود ہنسا۔

''خیر... اب اتنی تعداد میں بھی نہیں ہیں انکل۔'' فرحت بولی۔

''فرزانہ تمہارا اوپر رہنا ہی بہتر ہے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''بہت بہتر انکل... میں آپ کو ساتھ ساتھ خبریں سناتی رہوں گی۔''

''ہاں! لیکن اپنا خیال رکھنا۔''

''آپ فکر نہ کریں... ویسے انکل... دور دور تک کہیں بھی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی... جب کہ ہمارا خیال تھا... یہ جنگل انتہائی خطرناک

''تمہارا مطلب... درندوں اور زہریلے کیڑوں وغیرہ سے۔''

''جی ہاں... اوپر سے میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا ہے... اس جنگل میں سوائے پرامن پرندوں کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔''

''یہ سن کر حیرت ہوئی... لیکن اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس جنگل میں اصل خطرناک چیز یہ قوم ہے... جس کی تھوڑی سی تعداد سے ابھی ہمارا واسطہ پڑا ہے۔''

''اگر بات یہی ہے کہ پورا جنگل درندوں، سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ سے بالکل پاک ہے تو یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔'' منور علی خان مسکرائے۔

''وہ... وہ کیسے انکل۔'' محمود کی آواز ابھری۔

''اس طرح کہ اب ہمارا مقابلہ صرف اس قوم سے ہے... جو اس جنگل میں ہے۔''

''بھلا اس سے مقابلہ کس طرح ممکن ہے... جب کہ وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف ہیں اور ہمارے لیے یہ جنگل بالکل نیا ہے...'' شوکی کی آواز لہرائی۔

''اس میں شک نہیں... بات واقعی یہی ہے... لیکن ہماری مجبوری ہے... ہم ہوٹاما تک اسی جنگل کے راستے جا سکتے ہیں... گویا اس قوم سے ہمیں ٹکر لینا ہو گی۔''

''خیر... اب ہمیں مقابلے کی تیاری شروع کر دینی چاہیے... وہ لوگ اب پوری تیاری سے ہمارے مقابلے پر آئیں گے، کیونکہ اپنے دس ساتھیوں کے مارے جانے کی خبر بہر حال انہیں ہو جائے گی... اور ہو سکتا ہے،

ہو بھی چکی ہو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ اپنی تیاریوں میں لگ گئے... خان رحمان اور منور علی خان انہیں مسلسل ہدایات دے رہے تھے... گویا اس چھوٹی سی فوج کے دو سالار تھے... ایک جنگل کے لحاظ سے دوسرا فوج کے لحاظ سے... فرزانہ ان سب سے الگ درخت کے عین اوپر موجود تھی... اور وہ درخت دوسروں کی نسبت تھا بھی بہت بلند... ابھی کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ فرزانہ کی سرسراتی آواز سنائی دی:

"میرے خیال میں ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش ہو رہی ہے۔"

"اوہ... کیا واقعی۔"

"فی الحال یہ صرف میرے محسوسات ہیں... میں نے آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا... لیکن لگتا ہے... جنگل میں نقل حرکت ہو رہی ہے۔"

"اوہ... اوہ... ٹھہرو فرزانہ... میں کسی اور درخت پر چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوں۔"

منور علی خان نے کہا اور ایک درخت پر چڑھنے لگے... اس جنگل میں درخت صرف ایک ہی قسم کے تھے... قسم قسم کے نہیں تھے... یہ بلند و بالا اور قدرے ٹیڑھے والے تھے... ان پر بھی جٹائیں جھول رہی تھیں... ان جٹاؤں کی مدد سے اوپر چڑھنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا... جلد ہی منور علی خان اوپر نظر آئے... اب سب کی نظریں ان پر جم چکی تھیں... اور وہ اوپر چڑھے، چاروں طرف کا بغور جائزہ لے رہے تھے... چند منٹ جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نیچے اترنے لگے... ساتھ ہی انہوں

نے فرزانہ کو بھی نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

دونوں نیچے آگئے... اب سب ان کے نزدیک آگئے۔ ایسے میں منور علی خان نے دبی آواز میں کہا:

"وہ... ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں... چاروں طرف سے ہم پر حملہ کرنے کا پروگرام ہے ان کا۔"

"اور وہ ہیں کتنے۔"

"ان گنت... پورا جنگل گویا ان سے اٹا پڑا ہے۔"

"نن... نہیں۔" وہ کانپ گئے۔

"اب... اب کیا ہوگا... ہم کیا کریں گے۔" پروفیسر داؤد کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"ہمیں فوراً پسپائی اختیار کرنا ہوگی... جہاں سے ہم چلے تھے... وہاں پہنچنا ہوگا... یعنی آنکڑے کے ذریعے جہاں اترے تھے... بلکہ میں تو کہتا ہوں... کہ ہمیں جہاز پر واپس چلنا چاہیے۔"

"کیا... یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں... ہمیں غور کرنا ہوگا... سوچنا ہوگا کہ ہم ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں... یہ پورا جنگل ان سے بھرا پڑا ہے... ہم کب تک ان کا مقابلہ کریں گے... آخر ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے، لہٰذا ہمیں فوری طور پر جہاز پر واپس جانا ہوگا... جہاز کو سمندر میں اتنے فاصلے پر لے جانا ہوگا... کہ ان کے تیر وہاں تک نہ پہنچ سکیں... اور وہاں رک کر سوچنا ہوگا... فوری طور پر عمل شروع کر دیا جائے۔" خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

اور پھر انہوں نے اسی وقت واپسی پر عمل شروع کر دیا... منور

علی خان کے آنکڑے کو پھر سے مستول پر باندھا گیا... اور وہ باری باری جہاز پر پہنچتے چلے گئے

"یہ کیا! آپ لوگ اتنی جلدی واپس آگئے؟" یشوکا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اسے حکمت عملی کہتے ہیں... پہلے تو جہاز کو بہت تیزی سے حرکت میں دھکیل... ہمیں اس جگہ سے کافی دور جا کر رکنا ہے... ورنہ دشمن کے تیر ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں... جلدی کریں۔"

"اوہ! اچھا..."

اور جہاز وہاں سے پیچھے ہٹنے لگا... ایسے میں جنگل کی طرف سے بہت خوفناک آوازیں آنے لگیں... یوں لگتا تھا جیسے ہزاروں آدمی چیخ اور چلا رہے ہوں... ساتھ ہی وہ دوڑ بھی رہے ہوں:

"شاید وہ ساحل کی طرف آ رہے ہیں اور کیا خبر... انہوں نے کشتیاں بنا رکھی ہوں گی۔" خان رحمان چلائے۔

"ان کی آپ فکر نہ کریں... ان کی کشتیاں اس جہاز کی گرد کو بھی نہیں چھو سکیں گی۔"

"سمندر میں گرد کہاں پڑی ہے بھائی۔" فاروق بولا۔

اور سب مسکرانے لگے... وہ ساحل سے کافی دور پہنچ چکے تھے... جب انہوں نے ہزاروں افراد کو ساحل پر آ کر رکتے اور پھر تیر کمانوں میں چڑھاتے دیکھا:

"جلدی سے اوٹ لے لو... پتا نہیں ان کے تیر یہاں تک پہنچ سکتے ہیں یا نہیں اور ہم ابھی ان پر فائرنگ نہیں کریں گے۔" خان رحمان نے بلند آواز

میں کہا۔

"یہ کیوں بھئی۔"

"بھئی فوج کا کام عمل کرنا ہوتا ہے... کیوں اور کیا کرنا نہیں ہوتا۔"

"جی اچھا! انکل۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اور پھر ادھر سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی... لیکن تیر جہاز تک نہیں پہنچ سکے... یہ دیکھ کر خان رحمان نے یشوکا سے کہا۔

"جہاز کو روک لیں... ہم ان کے تیروں کی زد سے نکل آئے ہیں۔"

"اور... اب ہم کیا کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہو سکتا ہے... وہ سمندر میں چھلانگ لگا دیں اور تیر کر جہاز تک آنے کی کوشش کریں۔"

"نہیں کر سکیں گے... انسان اس جہاز کی رفتار سے نہیں تیر سکتا... چاہے کوئی کتنا تیز کیوں نہ تیرے۔"

"اچھی بات ہے... ہم مناسب فاصلے پر رک کر انتظار کر لیتے ہیں... ویسے ہمیں جنگ کی تیاری رکھنی چاہیے... حالات کوئی بھی رخ اختیار کر سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک... میں بات کرتا ہوں... ہم فرض کر لیتے ہیں... دشمن سمندر میں نہیں کودتا... لیکن ہمیں تو بہرحال اس جنگل کو عبور کرنا ہے... لہٰذا ان لوگوں کا مقابلہ تو ہر حال میں کرنا ہوگا... اس لیے تیاری کرنی ہے... نہ کہ اس بات کی کہ اگر ان لوگوں نے حملہ نہ کیا تو ہم کیا کریں گے... وہ حملہ کریں یا نہ کریں... ہمیں تو بہرحال اس جنگل کو عبور کرنا ہے۔"

"ان کے حملہ نہ کرنے کی صورت میں ہمیں پھر ساحل کی طرف بڑھنا ہو

گا... انہیں حملہ کرنے پر مجبور کرنا ہوگا... وہ ہم پر حملہ کریں گے تو بات آگے بڑھے گی... جنگل میں ہم ان کے مقابلے میں بے بس ہوں گے... ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم ان کے گھیرے سے نکل نہیں سکتے۔"

"لیکن جہاز پر رہ کر بھی ہم کیا کر لیں گے۔" شوکی کی آواز سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب خان رحمان دیں گے... اس وقت فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں ہے..."

"میں بتاؤں... یشوکا... آپ جہاز کو یہیں لنگر انداز کر لیں..."

"جی اچھا۔"

اور ساحل پر جنگلی پوری قوت سے شور مچا رہے تھے... پتا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے... پھر اچانک سمندر میں کشتیاں نظر آنے لگیں... وہ نہ جانے کس طرف سے کشتیاں چلا کر اس طرف آئے تھے:

"ارے باپ رے... جنگ شروع ہونے والی ہے..."

"شروع ہونے والی ہے تو ہوا کرے... ہم تو گھر سے نکلے ہی لڑنے کے لیے ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"ہاں تو خان رحمان... اب آپ فوج کو ہدایات دیں۔"

"سب لوگ اپنا اپنا اسلحہ ہاتھوں میں لے لیں... یشوکا آپ جہاز کو اتنے فاصلے پر کر لیں کہ ان کے تیر جہاز پر آ کر گریں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔" یشوکا گھبرا گیا۔

"بھئی! جہاز کے ایک طرف تیر آئیں گے... جب کہ ہم بالکل

دوسری طرف ہوں گے... وہ بھی اوٹ میں... اس کے بعد میرا کام شروع ہو گا۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے... ہمیں تو آپ جو کہیں گے، کریں گے۔"

"تاہم انکل... اس کا فائدہ کیا ہوگا۔"

"ایک تو ہم اس طرح دشمن کے تیر ضائع کریں... دوسرے ان کی مہارت کا اندازہ ہوگا... تیسرے ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو گا۔"

"واہ... کتنی کام کی باتیں معلوم ہوں گی... آپ تو واقعی فوجی ہیں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں... کیا تم آج تک یہ سمجھتے رہے ہو کہ میں جھوٹ موٹ کا فوجی ہوں۔" خان رحمان نے آنکھیں نکالیں تو آفتاب گھبرا گیا اور گڑبڑا کر بولا۔

"جی نہیں انکل... میں یہ نہیں سمجھتا رہا ہوں... آپ اور فوجی نہ رہے ہوں... یہ تو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہاں واقعی... نہ ہم آیندہ کبھی ایسی بات سوچیں گے۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"اور آپ فرمائیں تو ہم تو ایسی بات خواب میں بھی نہیں سوچیں گے۔"

"اچھا بابا... نہ سوچنا... پڑ گئے سوچنے کے پیچھے۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"شکر کرو... تمہارے پیچھے نہیں پڑے... ورنہ تمہارے تو اُڑ جاتے

گا... انہیں حملہ کرنے پر مجبور کرنا ہوگا... وہ ہم پر حملہ کریں گے تو بات آگے بڑھے گی... جنگل میں ہم ان کے مقابلے میں بے بس ہوں گے... ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم ان کے گھیرے سے نکل نہیں سکتے۔"

"لیکن جہاز پر رہ کر بھی ہم کیا کرلیں گے۔" شوکی کی آواز سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب خان رحمان دیں گے... اس وقت فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں ہے..."

"میں بتاؤں... یشوکا... آپ جہاز کو یہیں لنگر انداز کرلیں..."

"جی اچھا۔"

اور ساحل پر جنگلی پوری قوت سے شور مچا رہے تھے... پتا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے... پھر اچانک سمندر میں کشتیاں نظر آنے لگیں... وہ نہ جانے کس طرف سے کشتیاں چلا کر اس طرف آئے تھے:

"ارے باپ رے... جنگ شروع ہونے والی ہے..."

"شروع ہونے والی ہے تو ہوا کرے... ہم تو گھر سے نکلے ہی لڑنے کے لیے ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"ہاں تو خان رحمان... اب آپ فوج کو ہدایات دیں۔"

"سب لوگ اپنا اپنا اسلحہ ہاتھوں میں لے لیں... یشوکا آپ جہاز کو اتنے فاصلے پر کرلیں کہ ان کے تیر جہاز پر آکر گریں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔" یشوکا گھبرا گیا۔

"بھئی! جہاز کے ایک طرف تیر آئیں گے... جب کہ ہم بالکل

دوسری طرف ہوں گے... وہ بھی اوٹ میں... اس کے بعد میرا کام شروع ہو گا۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے... ہمیں تو آپ جو کہیں گے، کریں گے۔"

"تاہم انکل... اس کا فائدہ کیا ہوگا۔"

"ایک تو ہم اس طرح دشمن کے تیر ضائع کریں... دوسرے ان کی مہارت کا اندازہ ہوگا... تیسرے ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو گا۔"

"واہ... کتنی کام کی باتیں معلوم ہوں گی... آپ تو واقعی فوجی ہیں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں... کیا تم آج تک یہ سمجھتے رہے ہو کہ میں جھوٹ موٹ کا فوجی ہوں۔" خان رحمان نے آنکھیں نکالیں تو آفتاب گھبرا گیا اور گڑبڑا کر بولا۔

"نن نہیں انکل... میں یہ نہیں سمجھتا رہا ہوں... آپ اور فوجی نہ رہے ہوں... یہ تو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہاں واقعی... نہ ہم آئندہ کبھی ایسی بات سوچیں گے۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"اور آپ فرمائیں تو ہم تو ایسی بات خواب میں بھی نہیں سوچیں گے۔"

"اچھا بابا... نہ سوچنا... پڑ گئے سوچنے کے پیچھے۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"شکر کرو... تمہارے پیچھے نہیں پڑے... ورنہ تمہارے تو اڑ جاتے

ہاتھوں کے طوطے۔"

"ہاتھوں میں طوطے ہوں گے تو اڑیں گے نا۔"

یشوکا نے جہاز جنگل کے کنارے کی طرف بڑھانا شروع کر دیا... جونہی جہاز جنگل کی طرف بڑھنے لگا... جنگلی یک دم خاموش ہو گئے... شاید وہ اس بات پر حیران ہوئے تھے... پھر ان کی خاموشی یک دم جوش اور شور سے بدل گئی... پہلے تو وہ اچھلنے لگے... پھر کمانوں میں تیر چڑھا کر ان کی طرف پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے:

"یشوکا... فاصلے کا خیال رہے... ایسا نہ ہو، ہم تیروں کا نشانہ بن جائیں۔"

"آپ لوگ دوسرے سرے پر ہو جائیں... اور پستول تیار رکھیں... فاصلے کا فیصلہ تو ان کے تیر ہی کریں گے... جونہی تیر عرشے پر گرنے لگے گے... میں لنگر ڈال دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

پھر جونہی تیر عرشے کو چھونے لگے... یشوکا نے جہاز کو روک لیا۔ کچھ اور آگے بڑھ کر جہاز رک گیا... اس طرح تیر عرشے کے درمیان تک گرنے لگے... تیروں کی تو گویا بارش ہونے لگی تھی... وہ اس بارش کو پرسکون انداز میں دیکھتے رہے... ایسے میں خان رحمان چلائے:

"ہمیں اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے..." انہوں نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"کس خیال میں؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"اس خیال میں کہ یہ لوگ بے وقوفوں کی طرح تیر برساتے رہیں

گے۔"

"تب پھر... کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ عقل مندوں کی طرح تیر برسا رہے ہیں۔" فاروق نے حیرت ظاہر کی۔

"یہ بات نہیں... ہمیں چاہیے، انہیں عقل سے بالکل پیدل خیال نہ کریں... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمیں تیروں کی بارش میں الجھا کر یہ اور رخ سے حملہ کرنا چاہ رہے ہوں۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"میرے خیال میں ان لوگوں نے حملے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"ہاں! یہ لوگ ساحل سے کچھ دور سمندر سے اتر کر جہاز کے دوسری طرف حملہ کرنے چاہتے ہیں اور اگر ہم اس طرف ہی رخ کیے رہے تو وہ ضرور ہمارے پیچھے یا دائیں بائیں سے حملہ کریں گے۔"

"اوہ... اوہ... آپ... آپ تو واقعی فوجی ہیں۔" آصف نے مارے حیرت کے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے... آج میں سب کو سچ مچ فوجی لگ رہا ہوں۔" خان رحمان ہنسے۔

"پھر اب ہمارے لیے کیا ہدایات ہیں۔"

"ہمیں چاروں طرف نظر رکھنا ہوگی... صرف ایک طرف نہیں..."

"بہت بہتر... میں پچھلی طرف نظر رکھوں گا... انسپکٹر کامران مرزا دائیں طرف اور منور علی خان بائیں طرف... اور خان رحمان تم تو سامنے کی

طرف رخ کیے ہوئے ہی ہو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"چھوٹی پارٹی ایک ایک دو دو کر کے ہم چاروں میں خود کو تقسیم کر لے۔"

"بہت بہتر۔"

اور پھر وہ جہاز کے چاروں طرف مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے... سامنے سے تیروں کی بارش ابھی تک بدستور جاری تھی... آخر بیس منٹ بعد خان رحمان کا خیال بالکل درست ثابت ہوگیا... جب بائیں طرف انہوں نے دس کے قریب کشتیاں جہاز کی طرف آتے دیکھیں... ان پر جنگلی سوار تھے... ہر کشتی پر دس دس آدمی تو ضرور رہے ہوں گے. وہ تیروں اور کمانوں سے پوری طرح لیس تھے:

"ہوشیار... جونہی یہ لوگ زد میں آئیں گے... ہمیں ان پر حملہ کرنا ہے... ورنہ ان کے تیر سیدھے ہماری طرف آئیں گے، اللہ کا شکر ہے... ہم پہلے ہی ہوشیار ہوگئے تھے، ورنہ یہ لوگ اس طرف سے جہاز پر سوار ہو جاتے اور پھر ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا... ہمارے لیے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا... اور اس بات کا بھی امکان تھا کہ ہم ان کے قابو میں آجاتے، لیکن اب اللہ کی مہربانی سے ہم ان سے نبٹ لیں گے... لیکن۔" خان رحمان کہتے کہتے رک گئے۔

"اب آپ یہ ایک اور لیکن کہاں سے لے آئے۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم باقی تین اطراف کا خیال چھوڑ

دیں... باقی تین طرف کم از کم ایک ساتھی ضرور موجود رہے گا۔"

"اوہ ہاں۔" انسپکٹر جمشید نے زوردار انداز میں سر ہلایا۔

پھر جونہی وہ کشتیاں ان کی زد میں آئیں... انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فائرنگ شروع کر دی... دوسری طرف سے چیخیں بلند ہوئی، کچھ لوگ اچھل اچھل کر پانی میں گرے... ادھر بھی تیروں کی بارش شروع ہوگئی، کشتیاں بدستور آگے بڑھ رہی تھیں... گویا انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ ان کے ساتھی گولیاں کھا کھا کر مر رہے ہیں، یا سمندر میں گر رہے ہیں... بس وہ تیر پر تیر چلا رہے تھے... ادھر انسپکٹر جمشید کا ساتھ اس وقت محمود، آصف اور شوکی دے رہے تھے... وہ چاروں تاک تاک کر فائرنگ کر رہے تھے۔ ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز ابھری:

"اب یہ میری زد میں آگئے ہیں... کیوں نہ ایک ہی وار میں انہیں اڑا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" خان رحمان۔

پروفیسر داؤد نے چند گیندیں ان کی طرف اچھال دیں... وہ ان پر گرتے ہی بلند آواز کے ساتھ پھٹیں اور انہوں نے کشتیوں کو الٹتے دیکھا:

"وہ مارا... اب جو لوگ تیرتے نظر آئیں... ان پر فائرنگ کرو... تیر تو اب یہ چلا نہیں سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

انہوں نے تیزی سے فائرنگ شروع کر دی... جہاں کوئی پانی سے سر ابھارتا... گولی اس کے سر میں جا لگتی... الٹنے کے بعد کشتیاں جہاز کے مخالف سمت میں بہہ رہی تھیں۔ ہوا کا رخ اسی طرف تھا...

جلد ہی میدان صاف ہوگیا... اس طرف خاموشی ہوتے ہی

ساحل پر موجود دشمنوں نے تیر اندازی روک دی... شاید وہ سکتے میں آ گئے تھے... اور شاید یہ بات ان کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس رخ پر وہ اس طرح شکست کھا جائیں گے... لیکن یہ خاموشی چند لمحوں کے لیے تھی... پھر چیخ کر انہیں کوئی حکم دیا گیا اور تیروں کی بارش پھر ہونے لگی... لیکن اس بارش سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا... لہٰذا وہ مسکرانے لگے تاہم جلد ہی انہیں چونک جانا پڑا:

''اوہو... یشوکا... جلدی کریں... لنگر اٹھا دیں اور ساحل سے فاصلہ بڑھا لیں، یہ لوگ اب آگ والے تیر برسائیں گے۔''

''آگ والے تیر۔'' ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

''ہاں! آگ والے تیر... ان کے سروں پر آگ لگی ہوگی... جب یہ تیر جہاز پر گریں گے تو جہاز کو بھی آگ لگ جائے گی۔''

''ارے باپ رے... ان کا یہ پروگرام خوفناک ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں... چند منٹ کے اندر جہاز اور ساحل کا درمیانی فاصلہ بڑھنا شروع ہو جائے گا۔''

''اور اس دوران جو تیر عرشے پر گریں گے... ان کا کیا کریں گے ہم۔'' مکھن کی کانپتی آواز سنائی دی۔

''کوئی پروا نہیں... ہم ان کو اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور اگر کسی تیر سے جہاز کے کسی حصے کو آگ لگ گئی تو ہم فوری طور پر اسے بجھا دیں گے... عرشے پر پانی کا ذخیرہ موجود ہے... خان رحمان بولے۔

''لیکن انکل... ہمیں تو ساحل پر دور دور تک آگ نظر نہیں آ رہی۔''

''میں نے انہیں اپنے ترکش خالی کرتے دیکھا... ان کی جگہ یہ لوگ

دوسرے تیر رکھ رہے ہیں... اب ساحل پر مختلف جگہ آگ جلائی جائے گی اور نئے تیروں کی نوکوں کو اس جلتی آگ پر پکڑا جائے گا... تیروں کے سروں پر کوئی تیل لگا ہوگا... تیر فوراً آگ پکڑ لیں گے اور جلنے لگیں گے... بس اس کے بعد تو انہیں ان تیروں کو کمانوں میں رکھ رکھ کر چلانا ہی ہوگا... اور... اور وہ دیکھو... ساحل پر اب مختلف جگہوں پر آگ نظر آنے لگی ہے... اس آگ کے پاس بے شمار لوگ جمع ہو چکے ہیں... یہ لوگ صرف تیروں کو آگ دکھائیں گے... جب کہ تیر دوسرے جنگلی چلائیں گے... گویا یہ کام بھی یہ لوگ بڑے نظم وضبط سے کریں گے... معلوم ہوا... یہ عقل سے پیدل نہیں ہیں۔''

''اس میں تو خیر ہمیں کوئی شک نہیں۔''

پھر انہوں نے تیروں کے سروں پر آگ جلتی دیکھی... وہ اس حملے کے لیے تیار ہو گئے... ادھر جہاز مسلسل اس ساحل سے دور ہو رہا تھا... پھر ایک غلغلہ سا مچا... آگ کے تیر کمانوں میں چڑھے نظر آئے اور ایک بہت بلند آواز ابھری... اس کے ساتھ ان گنت تیر چھوڑ دیے گئے... انہوں نے آگ کی ایک لمبی پٹی کو جہاز کی طرف آتے دیکھا:

☆☆☆☆☆

ستون

آگ کے اکثر تیر پانی میں گرے اور مشعلوں کی طرح جلتے ہوئے آخر ڈوب کر بجھ گئے۔ چند تیر عرشے کے ایک کنارے پر گرے۔

"لیشوکا... جلدی... درمیانی فاصلہ بڑھائیں... ورنہ جہاز کا کنارا آگ پکڑ لے گا۔"

جہاز پہلے ہی ساحل سے دور ہٹ رہا تھا... لیشوکا اپنا زور پہلے ہی لگا چکا تھا... لہٰذا پکارا:

"اچھی بات ہے۔"

اتنے میں جلتے ہوئے تیر ایک بار پھر آتے نظر آئے... لیکن سب کے سب پانی میں گرے۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اٹھے:

"بہت خوب!"

اور پھر انہوں نے جلتے تیروں کی طرف دوڑ لگا دی... ان کو اٹھا اٹھا کر پانی میں پھینکنے لگے۔ جہاز کے جس حصے پر جلنے کا عمل شروع ہو چکا تھا... وہاں پانی ڈال دیا گیا... اس طرح جہاز آگ لگنے سے بالکل محفوظ ہو گیا... انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، ادھر سے تیسری بار تیر برسائے گئے... لیکن اب درمیانی فاصلہ اور بڑھ چکا تھا... جنگلیوں نے بھی یہ بات فوراً محسوس کر لی،

لہٰذا انہوں نے ہاتھ روک لیے... اور لگے چیخنے چلانے... یہ گویا وہ اپنا غصہ اتار رہے تھے۔ ان کا دوسرا حملہ بری طرح ناکام ہو چکا تھا... تاہم جنگل پر وہ اب بھی پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری:

"ہائیں! یہ کیا۔"

"کہاں... کیا... معموں میں باتیں کرنے کی تمہاری عادت نہ گئی۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ہم نے ایک بات بالکل بھلا دی... حالانکہ وہ بات ہمارے کام کی ہے۔"

"اور وہ کیا۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"جنگل میں آگ۔"

"جنگل میں آگ یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہو گا... تم ناول نگار نہیں ہو..." فرحت جھلا اٹھی "تو یہ تم سے... بات تک نہیں کرنے دیتے۔"

"فرزانہ تم کیا بات کر رہی تھیں۔" منور علی خان بے تابانہ بولے۔

"ہاں... آپ نے اندازہ لگا لیا... میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں! تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ جنگل کے ایک طرف آگ لگا دی جائے... ظاہر وہ آگ پھیلتی چلی جائے گی... اور ان جنگلیوں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔"

"نہیں! میں یہ نہیں چاہتی... کہ یہ جل کر راکھ ہو جائیں... یہ عمل ظالمانہ ہو گا... میں تو کہتی ہوں... جنگل کے ایک طرف آگ لگا دی جائے...

یہ لوگ اس آگ کو بجھانے کے چکر میں پڑ جائیں گے اور ہم جنگل عبور کر لیں گے۔" اس نے وضاحت کی۔

"اس میں خطرات ہی خطرات ہیں... جنگل کی آگ بہت ہولناک ہوتی ہے... بجھ سکے نہیں بجھتی... پھیلتی چلی جاتی ہے... ہم یہ ترکیب نہیں کر سکتے... پھر انسانوں کے زندہ جل مرنے کا زیادہ ڈر ہوگا... اور آگ سے جلانے کی سزا انسانوں کے لیے پسندیدہ نہیں... یعنی جلا کر مارنے سے منع فرمایا گیا ہے..."

"مطلب یہ کہ فرزانہ کی ترکیب بری طرح فیل ہو گئی ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"خود تو کوئی ترکیب بتانے سے رہے... میری ترکیب کی ناکامی پر بغلیں بجانے لگے۔" فرزانہ جل گئی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں... میں بھی ترکیب بتا سکتا ہوں اور میری ترکیب سے یہ جنگل بہت آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ہائیں فاروق! یہ تم کیا کہہ گئے..." آفتاب بول اٹھا۔

"یقین نہیں آیا۔" مکھن مسکرایا۔

"بے پر کی اڑا رہا ہے... اس کی باتوں پر کیا جانا۔" فرحت نے ہانک لگائی۔

"اس میں شک نہیں۔" آصف بولا۔

"کک... کس میں... بھئی وضاحت بھی تو کرو۔" محمود جل گیا۔

"اس میں کہ فاروق بے پر کی ہانک رہا ہے... ہمیں الّو بنا رہا

ہے... ورنہ یہ بے چارہ تین میں نہ تیرہ میں، ترکیب کیا بتائے گا خاک... یہ تو وہی بات ہو جائے گی... ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" آفتاب کہتا چلا گیا۔

"کوئی محاورہ یا ضرب المثل رہ گیا ہو تو وہ بھی شامل کر دو... مجھے کوئی پروا نہیں، کیونکہ میری بات پتھر پر لکیر ہے۔"

"لو اور سنو... اب ان کی بات پتھر پر لکیر ہو گئی... بھائی کیوں لکیر کے فقیر بنتے ہو۔"

"فقیر کے لکیر ہو گئے تم خود۔" فاروق مسکرایا... عجیب بات یہ تھی کہ آج وہ ان کی کسی بات کا برا نہیں مان رہا تھا۔ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔

"دیکھا... الفاظ ہی الٹ دیے اٹھا کے۔"

"نن نہیں تو... میں نے اٹھائے تو ہرگز نہیں... اتنا سفید جھوٹ تو نہ بولا۔"

"لگتا ہے... تم اس بے چارے کو ترکیب نہیں بتانے دو گے۔"

"ترکیب اور یہ بتائے گا انکل... آپ بھی کیا بات کرتے ہیں۔" آصف نے منہ بنایا۔

"ہاں اور کیا یہ ٹھیکہ تو ہمیشہ سے فرزانہ کے پاس ہے اور فرزانہ کے پاس ہی چلا آ رہا ہے... زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے بعد باری آتی ہے فرحت کی... فاروق کا اس معاملے میں کیا سوال۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... ایسا میں نے کیا کر دیا ہے کہ سب میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔" فاروق نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اگر ایسا ہی ہے تو وہ ترکیب بتاؤ... جو تم نے سوچی ہے۔"

"میں نے کوئی ترکیب سوچی نہیں... ایک بات ذہن میں آ گئی...

اس کا ذکر کرنے چلا تھا کہ تم سب نے مجھے آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیا... ہے کوئی تک۔'' فاروق بُرا مان گیا۔

''میں اعلان کرتا ہوں... نہیں ہے۔'' خان رحمان بلند آواز میں بولے۔

''کیا نہیں ہے۔''

''تک... اس بات میں۔''

''آپ بھی میرا مذاق اڑانے پر تل گئے۔'' فاروق نے ان کی طرف شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''نہیں تو... ایسی بات ہرگز نہیں... میں تو تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔''

''اللہ کا شکر ہے... کوئی تو ساتھ دینے والا بنا... آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''خیر ایسی کوئی بات نہیں... میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔'' پروفیسر داؤد نے سر ہلایا۔

''اور میں بھی۔'' انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

''ظاہر ہے، منور علی خان اور میں بھی ساتھ ہیں۔''

''واہ... یہ ہوئی نا بات... اب میں وہ بات دھڑلے سے بتا سکوں گا... جو میرے ذہن میں ابھری ہے۔''

''بس تو پھر بتا دو... دیر کیوں کر رہے ہو۔'' محمود نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''پہلے تو ساحل کی طرف دیکھیے... ادھر کیا ہو رہا ہے۔''

وہ سب ساحل کی طرف متوجہ ہو گئے... انہوں نے دیکھا... جنگلی شکست خوردہ انداز میں واپس جا رہے تھے... گویا انہوں نے اپنی ناکامی کو تسلیم کر لیا تھا:

''یہ جا ضرور رہے ہیں، لیکن ہماری طرف سے غافل نہیں رہیں گے... اپنے حفاظتی انتظامات ضرور کریں گے۔''

''کوئی بات نہیں... ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں... اگر یہ ہمیں راستہ دے دیں تو ان کا بھی کوئی نقصان نہیں... سوال ہے صرف زبان کا... یہ ہماری زبان نہیں سمجھتے... ہم ان کی۔ ورنہ ان سے بات کی جا سکتی تھی۔''

''اس سلسلے میں ہم منور علی خان سے کام لے سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' منور علی خان بول پڑے۔

''مطلب یہ کہ آپ ان سے جنگل کی اشارتی زبان میں بات کر سکتے ہیں۔''

''لیکن کیسے... کوئی سامنے ہوگا تو بات کر سکوں گا نا... اشاراتی زبان میں آواز تو ہوتی نہیں۔''

''اس پر بھی غور کر لیتے ہیں۔''

''تو کر لیں پھر غور... ہمیں اور کیا چاہیے۔''

''اور وہ فاروق کی ترکیب تو رہ ہی گئی۔'' آصف نے یاد دلایا۔

''ہاں فاروق! پہلے ترکیب ہو جائے۔''

''اللہ کی شان ہے... آج ترکیب فاروق بتا رہا ہے۔'' آفتاب ہنسا۔

''تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔''

"تمہارے سامنے بیٹھا ہوں... جا کہاں رہا ہوں۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"بھئی پہلے ترکیب... پھر ادھر ادھر کی باتیں۔"

"جی اچھا انکل... چلو فاروق اگلو ترکیب۔" شوکی بولا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں انکل..." فاروق نے پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔

"دیکھ نہیں... سن رہا ہوں۔"

"یہ تم ترکیب بتا رہے ہو یا ادھر ادھر کی، بلکہ بے پر کی اڑا رہے ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں ترکیب کان میں بتاؤں گا۔" فاروق نے نئی بات کہی۔

"چلو آگے آ جاؤ۔"

انسپکٹر جمشید نے اپنا کان اس کی طرف کر دیا... وہ اپنا منہ ان کے کان کی طرف لے آیا... اور پھر لگا ترکیب بتانے۔

اچانک انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے:

☆☆☆

A-35، بحرین اسٹوریز کمپاؤنڈ B-16 سائٹ کراچی
فون 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بٹوما کے شیطان پارٹ ٹو

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلیکیشنز

تفریح بھی ، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، صلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	بتوما کے شیطان پارٹ ٹو
نمبر	انسپکٹر جمشید سیریز نمبر
پبلشر	فاروق احمد
صفحات	000
قیمت	000روپے

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظلم کرنے سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہوگا اور بخل سے بچو! اس لیے کہ بخل نے ہی ان لوگوں کو ہلاک کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اس بخل نے انہیں اپنوں کا خون بہانے پر اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا۔

(مسلم)

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
☆ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔
☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! ہوما کے شیطان شروع کیا تو یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ایک بار پھر مجھ میں پرانی روح گھس آئے گی۔ یہ روح کسی زمانے میں بار بار مجھ میں داخل ہو جایا کرتی تھی اور اس کی وجہ سے ناول کہیں کے کہیں اور کئی حصوں میں چھپے جاتے تھے... لیکن وہ وقت اور تھا... اس وقت ناول وغیرہ پڑھنے کا ایک رجحان پایا جاتا تھا... اس وقت جن بلاؤں نے ہمیں گھیرا ہوا ہے، یہ اس وقت موجود نہیں تھیں... لہٰذا مطالعے کا شوق باقی تھا... پھر رفتہ رفتہ موجودہ دور کی تمام بلائیں وارد ہوتی چلی گئیں اور ہم ان کے جال میں پھنستے چلے گئے، مطالعے سے دور ہوتے چلے گئے... لہٰذا یہ روح بے چاری بھی مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔

ان حالات میں اچانک اس کا آ جانا عجیب سا لگا... کیونکہ دو سو صفحات کا ناول آج کے دور میں کچھ پرانے چاہنے والے پڑھ لیں، میں تو اس کو غنیمت سمجھتا ہوں... کہاں یہ کہ ناول ایک حصے میں پورا نہ ہو اور دوسرے حصے تک کھینچ لے جائے... یہ بہت مشکل کام محسوس ہوتا ہے... لیکن ہوا یہ کہ ہوما کے شیطان کے ناول کے صفحات پورے ہونے کو آ گئے اور ناول کا پلاٹ ابھی درمیان میں ہی تھا۔ اس لیے الجھن محسوس کی کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر انہی صفحات میں ناول ختم کرتا ہوں تو یہ چوں چوں کا مربہ نظر آئے گا... اب فون کیا فاروق احمد صاحب کو... کیونکہ یہ مسئلہ دراصل ان کا بنتا تھا... میں نے انہیں بتایا کہ ناول تو چار سو صفحات کا بن رہا ہے... آج کل چار سو صفحات کا ناول شائع کرنے کے حالات نہیں ہیں... لہٰذا دو حصوں میں شائع کر لیا جائے... ایک حصے میں تو پلاٹ سٹ نہیں رہا... انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ کوئی حرج نہیں... بلکہ یہ تو خوشی کی بات ہے... آپ اپنی پرانی حالت پر واپس آ رہے ہیں... اس طرح یہ ناول دو حصوں میں شائع کیا گیا... ہوما کے شیطان پہلے ہی آپ تک پہنچ چکا ہے... یہ ہے اس کا دوسرا حصہ۔ اس طرح ایک مدت بعد آپ چار سو صفحات کا ناول پڑھیں گے۔

اب دو باتیں ہو جائیں ناول کے بارے میں... اس ناول کو آپ فرضی پلاٹ خیال نہ کریں... دنیا کے ایک کونے میں ایسا جال واقعی بچھایا گیا ہے... پہلے اس کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی... لیکن پھر کسی نہ کسی طرح بات لیک ہو گئی... میں نے جب ان خبروں کو پڑھا... اس جال پر لکھے گئے مضامین کا مطالعہ کیا تو ناول لکھنے پر خود کو مجبور پایا... دنیا کو پتا تو چلے کہ یہ بڑی طاقتیں کیا کیا کچھ کر رہی ہیں... ہم تو چلو دہشت گرد ہیں... لیکن ان منصوبوں کے منظرِ عام پر آنے کے بعد خود یہ کیا ثابت ہو رہے ہیں۔

سوال تو یہ ہے۔

اندازوں کا جنگل

فاروق جونہی ان کے کان سے پیچھے ہٹا، وہ بولے:

''آج تو کمال ہو گیا... فاروق، فرزانہ اور فرحت کے کان کاٹ گیا۔''

''ارے باپ رے۔'' فاروق گھبرا گیا۔

''میرے خیال میں، اس نے جو ترکیب بتائی ہے، وہ ان حالات میں مناسب ترین ہے... اگرچہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''اس مناسب ترین ترکیب میں آپ ایک عدد اگرچہ کہاں سے لے آئے۔''

''اندازوں کے جنگل سے۔''

''بھئی واہ... نام پسند آیا... ویسے یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''آخر اس نے ایسی کیا ترکیب بتائی ہے۔'' خان رحمان بے قراری کے عالم میں بولے۔

''منور علی خان... آپ اپنا آنکڑہ تیار کرلیں۔''

''کیا مطلب... کیا پھر جنگل میں اترنے کا ارادہ ہے... لیکن اس کا کیا فائدہ ہو گا۔'' پروفیسر داؤد چونک اٹھے۔

''ابھی آپ نے فاروق کی ترکیب نہیں سنی۔'' وہ مسکرائے... ادھر فاروق شرما گیا۔

''شرما تو بالکل لڑکیوں کی طرح رہے ہو۔'' آفتاب جل گیا۔

''تو تم کیوں جل رہے ہو... تم بھی شرما لو۔''

''میں کس بات پر شرما لوں؟''

''اب یہ بھی میں بتاؤں۔'' فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

ان میں سے کئی کی ہنسی نکل گئی:

''رات کی تاریکی میں صرف میں جنگل میں اتروں گا۔'' انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

''ارے باپ رے... جمشید معلوم بھی ہے... چاند کی آخری تاریخیں ہیں... گھپ اندھیرا ہو گا۔'' خان رحمان گھبرا گئے۔

''تو کیا ہوا... میرے پاس پاوریک سی ٹارچ ہے... اس سے کام چلاؤں گا۔''

''کرو گے کیا... پہلے یہ بتاؤ۔'' پروفیسر داؤد نے کہا۔

''ان میں سے کسی ایک کو اٹھا کر جہاز پر لاؤں گا۔''

''کیا!!!'' ان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں!'' انہوں نے فوراً کہا۔

''اور پھر... اس کے بعد؟''

''اس کے بعد... ہم اس کی زبان سمجھنے کی کوشش کریں گے... اس

کام میں چند گھنٹے لگ جائیں گے... پھر اس کے لباس میں اور میک اپ میں جنگل میں جاؤں گا۔"

"ارے باپ رے... انتہائی خطرناک..." خان رحمان نے کہا۔

"لیکن انکل! آپ بھول رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اور میں کیا بھول رہا ہوں... اور جو بھول رہا ہوں... تم یاد کرا دو نا۔"

"ہوں... کیوں نہیں... آپ بھول رہے ہیں... خطروں سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم۔"

"ہاں ہاں... یاد آ گیا..." خان رحمان جلدی سے بولے۔

"تو جمشید... تم ان میں سے کسی ایک کو اغوا کر کے ادھر لاؤ گے اور اس کے میک اپ میں وہاں جاؤ گے... کیا اتنی دیر میں انہیں اس گم شدگی کا پتا نہیں چل جائے گا۔"

"اس قدر جلد کیسے پتا چل جائے گا... جنگل تو ان سے پٹا پڑا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور فاروق کی ترکیب بہت خوب ہے... اس طرح ہم سب کے سب جنگل میں ہوں گے... اور بٹوما کی طرف سفر کرنے کی صورت بنتی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے... اندھیرا ہوتے ہی آنکڑہ ادھر پھینک دوں گا۔" منور علی خان بولے۔

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہمیں ڈر لگ رہا ہے جمشید... میرا خیال ہے... تم اکیلے نہ جاؤ... کم از کم کامران مرزا کو ساتھ لے جاؤ۔" پروفیسر بولے۔

"یہی میرے دل کی آواز ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے... ہم دونوں جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خود ہی فیصلہ سنا دیا۔

"اور کیا ہم ایک آدمی کو پکڑ کر لائیں گے۔"

"ہاں! فی الحال ایک ہی کافی ہے۔"

"جنگل میں اس کی گم شدگی کی خبر تو پھیلے گی... پھر جب جمشید اس کے میک اپ میں جائیں گے... تو وہ سوالات کریں گے... جمشید... کیا تم اس کی آواز میں اور اس کی زبان میں بات کر لو گے۔" پروفیسر داؤد نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... لہٰذا ہم تیل دیکھیں گے... تیل کی دھار دیکھیں گے۔"

"چلیے پھر... دیکھ لیجیے گا۔" محمود نے منہ بنایا۔

اور پھر رات کے وقت انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا جنگل کے سرے پر اتر گئے... چند لمحے تک وہ زمین پر دم سادھے لیٹے رہے... آخر جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ آس پاس کوئی جنگلی نہیں ہے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنے لگے... ٹارچ کی مدد کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تھے... لیکن اسے وہ بہت احتیاط سے جلا رہے تھے، کیونکہ اگر جنگلی آس پاس موجود تھے تب وہ ٹارچ کی روشنی دیکھ کر چوکنے ہو سکتے تھے۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں جنگلیوں کے جھونپڑے نظر آ گئے... گویا وہ ان کی آبادی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جھونپڑوں میں روشنی ہو

رہی تھی... اب انہیں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ آخر وہ ایک جھونپڑے کے بالکل نزدیک پہنچ گئے... انہوں نے جھونپڑے کے سوراخ سے اندر جھانکا، اندر صرف ایک جنگلی پڑا سو رہا تھا... دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... یہ شکار ان کے لیے بہت بہتر تھا... کیونکہ جھونپڑے میں اگر ایک سے زیادہ جنگلی ہوتے اور وہ ان میں سے ایک کو اغوا کر کے لے جاتے تو باقیوں کو تو فوراً پتا چل جاتا... جب کہ اس اکیلے کی گم شدگی کا پتا انہیں نہیں لگ سکتا تھا۔

انہوں نے آواز پیدا کیے بغیر جھونپڑی کا دروازہ کھول ڈالا... اسے بند کرنے کے لیے صرف ایک لکڑی اڑائی گئی تھی... انسپکٹر جمشید نے جیب سے ایک رومال نکالا اور اس کے ناک پر رکھ دیا... ذرا سی دیر کے لیے اس کا جسم تن ہو گیا... پھر ڈھیلا پڑ گیا اور پھر انسپکٹر کامران مرزا نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا... دونوں نے ساحل کا رخ کیا... ساحل پر ایک رسی کی مدد سے انسپکٹر کامران مرزا نے اسے اپنی کمر سے باندھ لیا اور آنکڑے کی رسی سے لٹک گئے... اس طرح وہ جہاز کی طرف بڑھنے لگے، جب کہ انسپکٹر جمشید وہاں کنارے پر کھڑے رہے۔

ایسے میں انہوں نے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی محسوس کی... وہ بجلی کی سی تیزی سے مڑے اور ساتھ ہی لڑھک گئے... جنگلی ان پر چھلانگ لگا چکا تھا... ان کے عین وقت پر لڑھک جانے سے وہ ان کے اوپر سے ہوتا ہوا کچھ دور جا کر گرا... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اس پر ٹارچ کی روشنی ماری... انہوں نے دیکھا... وہ اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا... اس کے دائیں ہاتھ میں ایک لمبا چاقو تھا... ان کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی... اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی تھی... انہوں نے عین وقت پر اس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا... ورنہ اس کا

خنجر ان کی کمر کے پار ہوتا... وہ ایک بار پھر ان پر چھلانگ لگانے کے لیے تیار تھا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے ساحل پر گڑبڑ محسوس کر لی... ادھر انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف ٹارچ کی روشنی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا... اس لیے رک گیا تھا... انہوں نے دبی آواز میں کہا:

"کیا اس طرف کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں... اپنا سفر جاری رکھیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

اسی وقت جنگلی نے ان پر چھلانگ لگا دی... انہوں نے ٹارچ کی روشنی کی مدد سے اسے جھکائی دی اور ساتھ ہی گھومتے ہوئے اس کی کمر پر ایک ٹھوکر رسید کر دی... وہ اوندھے منہ گرا اور بے حس ہو گیا... ابھی انہوں نے اس کی طرف قدم اٹھائے ہی تھے کہ انہیں محسوس ہوا، کوئی گویا ہوا میں تیرتا ہوا ان کی طرف آ رہا ہے... وہ یک دم بیٹھ گئے... اور حملہ آور ان کے اوپر سے گزر گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اس پر چھلانگ لگائی... وہ کروٹ لے کر ایک طرف ہو گیا، اور انسپکٹر جمشید مرزا آگے بڑھ گئے... تاہم انہوں نے خود کو روک لیا، وہ اس کی طرف مڑے، عین اس لمحے کوئی ان کی کمر سے ٹکرایا... یہ ٹکر بہت زبردست تھی... ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ ٹکر اسے بے ہوش کر دیتی... لیکن وہ گرتے گرتے سنبھل گئے... اور مڑے بغیر اپنی ٹانگ حملہ آور کی طرف گھما دی... یہ لات اس کے پہلو میں لگی... وہ دھڑام سے گرا... اب وہ اس کی طرف لپکے اور اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا... یہاں تک کہ وہ ساکت ہو گیا... اب وہ پیچھے کی طرف بڑھے... عین اس وقت ان پر تین جنگلیوں نے تین طرف سے حملہ کیا... اصل مسئلہ اندھیرے کا تھا اور یہ بات وہ محسوس کر چکے تھے کہ جنگلی

ندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہیں... جب کہ وہ اس قابل نہیں تھے... اس
طرح وہ ان پر آسانی سے حملہ کر رہے تھے اور ان کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا
تھا... دوسری طرف حملہ آوروں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی... یہ بات انسپکٹر
کامران مرزا نے بھی محسوس کر لی تھی۔ انہوں نے جنگلی کے گرد کسی ہوئی رسی کھول
دی... اس طرح جنگلی سمندر میں جا گرا... وہ تیزی سے واپس پلٹے اور جنگل
کے کنارے اتر گئے... ان کے پاس پنسل ٹارچ تھی انہوں نے اس کی روشنی
لہرائی تو ان گنت لوگ انسپکٹر جمشید پر ہر طرف سے حملہ کرتے نظر آئے۔
انہوں نے فوراً کہا:

"گھبرایئے گا نہیں... میں آ گیا ہوں۔"

"شکریہ!" وہ مسکرائے۔

انسپکٹر کامران مرزا نے بلا کی تیزی سے دوڑ لگائی اور حملہ
آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ جلد ہی وہ انسپکٹر جمشید تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے،
اس وقت وہ ان سے زبردست جنگ کر رہے تھے۔ دن کا وقت ہوتا تو
صورت اتنی گئی گزری ہرگز نہ ہوتی... لیکن اندھیرے کی وجہ سے ان کے جسم پر
بہت چوٹیں آ چکی تھیں... اب انسپکٹر کامران مرزا کے آ جانے پر ان کی ڈھارس
بندھی... اور دونوں کمر سے کمر ملا کر دشمنوں کے وار کو روکنے لگے... ساتھ میں
ان پر حملے کرنے لگے روکنے:

"کاش ہمارے ہاتھوں میں ایک ایک چاقو ہوتا..."

"خیر کوئی بات نہیں... آسانی سے تو یہ ہمیں اب بھی نہیں گرا پائیں
گے۔" انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

ان کے ہاتھ اور پیر بھی تیر کی طرح چل رہے تھے... گرنے

والے جنگلیوں کی وجہ سے جگہ رک رہی تھی، اس لیے وہ ساتھ ساتھ حرکت بھی کر
رہے تھے تاکہ کھلی جگہ میں لڑنے کا موقع ملتا رہے... اندھیرے میں بھی وہ بہت
بچے تلے ہاتھ مار رہے تھے تاکہ کوئی وار خالی نہ جائے... کسی جنگلی کے ان کا
ایک ہاتھ بھی لگ جاتا، وہ پھر نہ اٹھ پاتا... ایسے کاری وار کرنے کی ضرورت
اس لیے تھی کہ دشمن ان گنت تھے... ان کی تعداد کا تو انہیں اندازہ بھی نہیں تھا
اور اگر مار کھا کھا کر بھی وہ اٹھتے رہتے تو تعداد کسی طرح کم ہونے میں نہ آتی۔

جنگ شروع ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے... انسپکٹر جمشید اور
انسپکٹر کامران مرزا ابھی تک پوری قوت سے مقابلہ کر رہے تھے... ان کے ہاتھ
پیر ذرا بھی سست نہیں ہوئے تھے۔ دوسری طرف جنگلیوں کی تعداد بہت زیادہ
تھی... جو مار کھا کر گر رہے تھے، ان کی جگہ ہر لمحے تازہ دم جنگلی آگے آتے جا
رہے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"کامران مرزا۔"

"ہوں۔"

"کیا خیال ہے... اگر ہم دن نکلنے تک ان کے مقابلے میں ڈٹے
رہے تو پھر ہم بہت کچھ کر سکیں گے۔"

"ہاں! ان شاء اللہ!" وہ بولے۔

"لیکن دن نکلنے میں ابھی بہت وقت باقی ہے... اور مسلسل جنگ کی
صورت میں ہمارے ہاتھ پیر جواب دے جائیں گے۔"

"اللہ مالک ہے..." انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہ جنگ جاری رہی... ادھر جنگلیوں نے
محسوس کر لیا کہ ان کا مقابلہ شاید دنیا کے انوکھے لوگوں سے ہے... ہار ماننا تو

انہوں نے سیکھا ہی نہیں... یہ بات محسوس کر کے جنگلیوں کی کمان کرنے والے کی آواز ابھری:

"نخوفا شاسلے۔"

"یہ اس نے کیا کہا؟" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"شاید اپنے ساتھیوں کو ہدایات دی ہیں۔"

عین اس لمحے ان پر کوئی بہت بھاری چادر سی گری... وہ اس کے نیچے دبتے چلے گئے... ادھر جنگلی فوراً اس بھاری چیز کے کناروں پر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ اس کے نیچے سے نکل نہ جائیں۔"

اس وقت انہیں معلوم ہوا... وہ موٹی رسیوں سے بنا ہوا ایک جال تھا... اب جال کے چاروں طرف جنگلی ان پر تابڑ توڑ مکے اور لاتیں رسید کرنے لگے... جال کی وجہ سے وہ اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ انہیں رات میں تارے نظر آ گئے... دن کا وقت تو تھا ہی نہیں... جال میں کچھ جنگلی بھی پھنس گئے تھے۔ باہر موجود جنگلیوں نے ان کی کوئی پروا نہیں کی... انہیں تو غرض بس ان سے تھی اور انہیں قابو کر لیا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے خود کو بالکل بے بس محسوس کیا... وہ اللہ کا ذکر کرنے لگے... لاتیں اور مکے ان پر بارش کی طرح برس رہے تھے اور اسی کے ساتھ ذکر کی رفتار بڑھ رہی تھی... پھر ان کے ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگے... اس حالت میں انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری:

"انسپکٹر جمشید!"

"جی ہاں۔"

"میں بے ہوش ہونے چلا ہوں... کیا پروگرام ہے۔"

"اپنا بھی یہی پروگرام ہے... جہاں چلیں گے... اکٹھے چلیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گئے... لاتیں اور مکے ان پر اب بھی برس رہے تھے:

☆☆☆☆☆

دوسری جنگ کا آغاز

''ہم... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''تو اسے اٹھانے کی کوشش کرو۔'' فرحت بولی۔

''کیوں... کیا تمہارے دل کو کچھ نہیں ہو رہا؟''

''ہو کیوں نہیں رہا... میرا دل تو ڈوبا جا رہا ہے۔''

''تم اپنے دلوں کو اٹھنا بیٹھنا سکھاؤ... اور تم اپنے دل کو تیرنا۔'' فاروق نے انہیں مشورہ دیا... لیکن جان اس کی آواز میں بھی نہیں تھی۔

''اور تمہاری آواز کیوں بھیک مانگ رہی۔'' آفتاب نے منہ بنایا۔

''ان دونوں کے دلوں کی فکر میں دبلی ہو گئی ہے۔''

''ویسے سچ بھی ہے... حال اپنے دل کا بھی اچھا نہیں ہے۔''

''سب کی یہی حالت ہے دوستو... اس کا مطلب ہے... جنگل میں ہمارے ساتھی گھر گئے ہیں... مجھ سے تو اب رکا نہیں جا رہا۔'' خان رحمان بولے۔

''اور میں بھی نہیں رک سکتا... جنگل کا تجربہ میرا زیادہ ہے... اس لیے سب سے پہلے میں جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے... ہم بھی پیچھے آ رہے ہیں۔''

اور پھر منور علی خان رسی سے لٹک گئے... رسی پر نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے آخر وہ جنگل کے کنارے پہنچ گئے... اس وقت تک دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا اور وہ اردگرد کا بخوبی جائزہ لے سکتے تھے... جونہی وہ جنگل کے کنارے پہنچے اور رسی سے درخت پر اترے، انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی:

''حیرت ہے... ہمارے ساتھی اب تک حرکت میں نہیں آئے۔''

''آ چکے ہیں۔'' انہوں نے درخت پر سے کہا۔

''اوہ! منور علی خان! یہ تم ہو...'' انسپکٹر کامران مرزا بول پڑے۔

''اللہ کی مہربانی ہے۔''

''ایسے ہی نیچے نہ آ جانا... پہلے اردگرد کا جائزہ لے لو۔''

''دور دور تک کوئی جنگلی نظر نہیں آ رہا۔'' منور علی خان بولے۔

''یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''ہاں! یہ نہیں ہو سکتا... وہ درختوں کی اوٹ میں چھپے بیٹھے ہیں... اور ہمارا انتظار کر رہے ہیں... لیکن ہمیں تو اب اس جنگ میں کودنا ہے... لہٰذا میں اتر رہا ہوں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی منور علی خان نے چھلانگ لگا دی۔ وہ دھم سے نیچے آ گرے... عین اس لمحے ایک تیر سنسناتا ہوا ان کے کان کی لو کے پاس سے گزر گیا۔ انہوں نے خود کو فوراً زمین پر گرا دیا... ادھر وہ گرے، ادھر ان گنت تیر ان کے اوپر سے گزر گئے۔ اگر انہوں نے خود کو گرا نہ دیا ہوتا تو اس وقت ان تیروں نے ان کا جسم چھلنی کر دیا تھا... بوکھلاہٹ کے انداز میں ان کے منہ سے نکل گیا:

''ارے باپ رے۔''

اب جو انہوں نے ادھر ادھر دیکھا تو سکتے میں آگئے۔ ان کے چاروں طرف جنگلی تیر کمانوں اور نیزوں سے بالکل لیس کھڑے تھے۔ انہوں نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے...

اب چند جنگلی ہاتھوں میں رسیاں لیے آگے بڑھے اور انہوں نے منور علی خان کو باندھ کر جال کے نیچے کر دیا۔

"تو آپ بھی آگئے۔" انسپکٹر کامران مرزا غمگین انداز میں مسکرائے۔

"مرتے کیا نہ کرتے... آنا ہی تھا... باقی بھی آ رہے ہیں۔"

"ہوں... اب تو یہ اس جہاز پر بھی قبضہ کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

ایسے میں خان رحمان آتے نظر آئے... حالات وہ پہلے ہی بھانپ چکے تھے... اور ان حالات میں جنگلیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے قابل نہیں رہ گئے تھے... خان رحمان کے ساتھ بھی یہی ہوا... پھر باری باری وہ سب آگئے اور جال کے نیچے آ کر دب گئے...

پھر ان گنت جنگلیوں نے مل کر انہیں جال سمیت اٹھایا اور لے چلے جلوس کی شکل میں:

"بھئی واہ... ایسا نظارہ تو کبھی دیکھا نہ سنا۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"تو اب دیکھ لو... اور پیٹ بھر کر دیکھ لو۔" آفتاب جل گیا۔

"بھائی ان حالات میں تو انگارے نہ چباؤ۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"اب میں تمہیں تو چبانے سے رہا... کیونکہ میں آدم خور نہیں

ہوں۔" آفتاب مسکرایا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ تم آدم خور نہیں ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے تم اس جال سے بھی نکلواؤ گے... کہیں تو ٹک کر بیٹھو۔" منور علی خان نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہائیں... تو آپ جال میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ نہیں..." وہ گڑبڑا گئے۔

اسی وقت انہوں نے ایک خوفناک آواز سنی:

"شوبلو... گھاٹا۔"

O

یہ آواز پورے جنگل میں گونجتی محسوس ہوئی... رسیوں کے جال میں وہ ادھر ادھر تو دیکھنے کے قابل تھے نہیں... ادھر اس آواز کے ساتھ ہی سروں پر اٹھانے والے دوڑنے لگے:

"شوبلو کا مطلب ہے جلدی کرو..." فاروق نے اس پر ترجمہ کر ڈالا۔

"اور گھاٹا کا۔" آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"گھاٹا شاید ان سب کا انچارج ہے۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو... اور یہ آواز کس کی ہے۔" محمود نے کہا۔

"ان کے سردار کی... یعنی تمام جنگلیوں کے سردار کی... تم اتنا بھی اندازہ نہیں لگا سکے۔" فاروق جل گیا۔

"ہاں نہیں لگا سکا... لیکن اس میں جلنے بھننے کی کیا بات ہے... اپنی ترکیب کا انجام دیکھ لیا۔" مکھن بھی بھنا کر بولا۔

"اس میں قصور ترکیب کا نہیں... ترکیب اگر اچھی نہ ہوتی ابا جان اور انکل کبھی بھی اس پر عمل نہ کرتے۔" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"اچھا بھائی... کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو..." آصف کی آواز سنائی۔

"پاگل ہوئے ہو... اس جال میں دوڑ کیسے سکتا ہوں۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"محاورۃً۔" آصف بولا۔

"لگتا ہے... تم اس جال میں بھی آرام سے نہیں رہنے دو گے... یہاں سے بھی نکلوا کر دم لو گے..." خان رحمان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے انکل... کیا آپ اس جال سے نہیں نکلنا چاہتے۔"

"اوہ... غلط کہہ گیا... دراصل میں تم لوگوں کی رو بہہ گیا۔"

"حیرت ہے انکل... جال میں رہتے ہوئے آپ بہہ گئے۔" شوکی بول پڑا۔

"بھئی محاورۃً بہہ گیا۔"

"شوبلو۔" آواز پھر گونجی۔

"کیا شوبلو شوبلو لگا رکھی ہے اس نے۔" فرزانہ جھلا کر بولی۔

ادھر دوڑنے والے اور تیز دوڑنے لگے:

"اب یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ شوبلو کا مطلب ہے، جلدی کرو... آخر اس شخص کو کیا جلدی پڑ گئی... جال میں ہم پھنسے ہوئے ہیں، جلدی تو ہمیں ہونی چاہیے... ہمارا تو جو حال ہے... وہ ہے... میں تو بے چارے دونوں انکلوں کے بارے میں سوچ سوچ کر دبلا ہو رہا ہوں... ان کا کیا حال ہو گا۔"

"ہمارے بارے میں سوچ سوچ کر دبلا ہونے کی بجائے یہ سوچو کہ ان جنگلیوں کی قید سے نکلنا آسان کام نہیں، لہٰذا ذہن استعمال کرو... ہمارے ساتھ جو ہونا تھا، ہو چکا۔"

"لیکن ابھی اور بھی تو بہت کچھ ہونا ہے... آخر یہ ہمیں اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔"

"اللہ مالک ہے... جب تک زندگی ہے... ہم زندہ رہیں گے اور اپنا کام کریں گے اور جب وقت آ جائے گا تو اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے... کوئی ہمیں روک نہیں سکے گا... اپنا تو یہ عقیدہ ہے۔"

"آپ کا عقیدہ بالکل درست ہے... ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے... اس دنیا میں نیکی اور بدی ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مقابل چلے آ رہے ہیں... اور قیامت قائم ہونے سے پہلے تک یہی ہوتا رہے گا۔"

"بالکل ٹھیک... لہٰذا اس بات سے کیا ڈرنا کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہو گا... اللہ کے راستے میں قربانیوں کا سلسلہ بھی شروع سے چلا آ رہا ہے... یہ تو بہت خوش قسمتی کی بات ہے کہ کوئی انسان اللہ کے راستے میں اپنی جان دے۔"

"تو کیا ابا جان... اس وقت ہم اللہ کے راستے پر نکلے ہوئے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں... ہمارا ملک اسلامی ملک ہے، مسلمانوں کا ملک

ہے... ہمارے ملک کو اس وقت شدید ترین خطرہ لاحق ہے... ہم اپنے ملک کو بچانے کے لیے نکلے ہیں... گویا مسلمانوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے نکلے ہیں... تو ظاہر ہے... اللہ کے راستے میں نکلے ہیں۔"

"ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

انہیں اٹھانے والے آدھ گھنٹے تک دوڑتے رہے... پھر وہ ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے... اس جگہ درختوں کو کاٹ کر میدان ہموار کیا گیا تھا... اور یہ میدان بہت بڑا تھا... اس کے ایک سرے پر درختوں کو بچھا بچھا کر بہت اونچا سا چبوترا بنایا گیا تھا... اس پر درختوں سے بنائی ہوئی ایک بہت بڑی کرسی رکھی گئی تھی۔ اس کرسی پر ایک جنگلی اکڑا ہوا بیٹھا تھا... اس کے دائیں بائیں جنگلی باادب کھڑے تھے۔ گویا وہ ان سب کا سردار تھا۔

ان سب کو اس چبوترے پر سردار کے پیروں کے پاس ڈال دیا گیا۔ اس نے نفرت زدہ انداز میں ایک ٹھوکر جال پر زور سے رسید کی پھر چلایا:

"شوغائی سبورا۔"

یہ سنتے ہی بیس کے قریب جنگلی ایک سمت میں دوڑ گئے... اور وہاں سناٹا چھا گیا... پورے میدان میں جنگلی قطاروں میں کھڑے تھے اور میدان ان سے پٹا پڑا تھا۔ ان سب کے کندھوں سے تیر کمان لٹک رہے تھے... جو جنگلی چبوترے پر کھڑے تھے، ان کے ہاتھوں میں خوفناک قسم کے نیزے تھے... نیزوں کے پھل دھوپ میں آئینے کی مانند چمک رہے تھے۔ اس دوران سردار نے ایک بار پھر جال پر ٹھوکر رسید کی... ایسے میں وہ چلایا:

"کاموریتان۔"

بے شمار جنگلی اس سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے جس سمت سے

انہیں لایا گیا تھا...

پھر پہلے بیس کے قریب وہ جنگلی واپس لوٹے... جو پہلی آواز پر دوڑ لگا گئے تھے... انہوں نے ایک شخص کو ایک تخت پر اٹھایا ہوا تھا... وہ رسیوں سے بری طرح جکڑا ہوا تھا... اور انہوں نے اسے اس حالت میں اوندھے منہ ڈال رکھا تھا۔ جب یہ لوگ چبوترے کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے اس تخت کو چبوترے کے ایک طرف رکھ دیا... اس پر رکھے شخص کو اٹھایا اور سردار کے پیروں کے پاس پھینک دیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی... اب اس کی رسیاں کاٹی جانے لگیں... جلد ہی وہ رسیوں سے آزاد ہو گیا... اب اسے پیروں پر کھڑا کیا گیا... لیکن وہ دھڑام سے گر پڑا۔ اس سے ظاہر ہے، اس بے چارے میں کھڑے ہونے کی سکت ہی نہیں تھی... لیکن اسے پھر کھڑا کر دیا گیا... وہ برسوں کا بیمار نظر آ رہا تھا... رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا... پتا نہیں اسے کھانے کو بھی کچھ دیا جا رہا تھا یا نہیں... ایسے میں سردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر کہا:

"شیلے... گامیں۔"

اب انہوں نے جلدی جلدی اس قیدی سے کچھ الفاظ کہے... اس نے جال کی طرف مڑ کر انہیں دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی... ابھی تک انہوں نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا... لیکن اب پہلی بار وہ اسے دیکھ رہے تھے... وہ انہیں کچھ جانا پہچانا سا لگا... اب وہ سردار کی طرف مڑا... اور اس کی زبان میں اس سے بات کرنے لگا... پھر وہ ان کی طرف مڑا اور بولا:

"سردار کا کہنا ہے... تم لوگوں نے ہمارے بہت سے لوگوں کو مار ڈالا ہے... ابھی تعداد معلوم نہیں... لاشوں کو یہاں لانے کا حکم دے دیا گیا

ہے... لاشیں بھی اسی میدان میں آئیں گی... اس کے بعد تم لوگوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کس طرح موت کے گھاٹ اتارا جائے... ویسے کیا آپ لوگ مجھے نہیں پہچان سکے۔"

"نن نہیں... لیکن آپ کی شکل صورت جانی پہچانی ضرور ہے۔"

"ہم... میں صفدر ہوں... علی عمران کا ساتھی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔

"زیادہ حیرت ظاہر نہ کریں... کہیں یہ یہ نہ جان لے کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"

"ٹھیک ہے... لیکن آپ ان کے قیدی کیسے بن گئے... اور علی عمران کہاں ہیں... انہوں نے آپ کو چھڑانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"علی عمران تو خود ان کی قید میں ہیں۔"

"نن... نہیں۔" مارے حیرت کے ایک بار پھر ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ نے پھر احتیاط نہیں کی۔"

"حالات ہی ایسے ہیں اور باتیں ہی ایسی سننے میں آرہی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھا خیر... پہلے میں اس سے بات کرلوں۔"

اب وہ ان کی زبان میں سردار کو گویا ان کے بارے میں بتانے لگا۔ ادھر وہ لوگ اس بات پر پریشان تھے کہ عمران بھی ان کی قید میں ہے، گویا وہ سب کے سب خوفناک صورت حال سے دوچار تھے۔

صفدر نے سردار کو بتایا کچھ پھر خاموش ہوگیا۔ اس پر سردار نے

بھی اس سے کافی باتیں کیں۔ پھر شور گونجا... انہوں نے دیکھا... بے شمار لاشوں کو اٹھا کر لایا جا رہا تھا:

"اوہو... آپ لوگوں نے اتنے بہت سے لوگوں کو مار دیا... سردار کا اب کیا حال ہوگا۔"

"وہ زندگی اور موت کی جنگ تھی... ہم دو کے مقابلے میں ہزاروں جنگلی تھے... ہم کیا کرتے... یا کیا کر سکتے تھے۔"

"خیر... دیکھتے ہیں۔"

تمام لاشیں سردار کے سامنے لائنوں میں رکھ دی گئیں... سردار کی آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں... پھر اس نے صفدر سے بات شروع کی... صفدر چبوترے سے اتر کر ان لاشوں کے نزدیک چلا گیا اور انہیں گننے لگا... کافی دیر بعد اس کی واپسی چبوترے کی طرف ہوئی... پہلے اس نے سردار سے بات کی، پھر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"سردار اس بات پر بہت زیادہ حیران ہے کہ صرف دو آدمیوں نے اس کے چھ سو تین آدمی کس طرح مار ڈالے ہیں۔"

"ہمیں مسلسل پانچ چھ گھنٹے تک لڑنا پڑا ہے، یہ لوگ بار بار تازہ دم آگے آرہے تھے اور ہم اُن کا مقابلہ کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سردار کو پہلے تو بہت زیادہ غصہ تھا، لیکن اب وہ غصے سے زیادہ حیران ہے... وہ کہہ رہا ہے... یہ دونوں آخر کیا چیز ہیں... اب میں انہیں کیا بتاؤں۔"

"ان سے کہہ دیں... یہ جاننا چاہتے ہو تو اپنے بہادر سے بہادر ساتھی

کو ہم میں سے کسی ایک سے لڑا کر دیکھ لے... اندازہ ہو جائے گا... یا خود مقابلہ کر لے..."

"تو میں یہ بات کہہ دوں۔"

"ہاں! آخر یہاں سے آزادی کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہوگا... قید حالت میں تو ہم سب کے سب مارے جائیں گے۔"

"لیکن اتنے بہت سے لوگوں کے درمیان سے آخر ہم کس طرح بچ سکے گیں۔"

"یہ بعد کی بات ہے۔" وہ بولے۔

اب صفدر سردار کی طرف مڑا... اور اسے بتانے لگا... پوری بات سن کر سردار کی حیرت اور بڑھ گئی... اس نے انسپکٹر جمشید کو جال سے نکالنے کا حکم دیا... انہیں نکال گیا۔ ان سے صحیح طرح کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا... وہ لڑکھڑائے اور گرتے گرتے بچے۔ یہ حالت دیکھ کر جنگلی سردار بے تحاشہ ہنسنے لگا... پھر سب جنگلی ہنسنے لگے... یوں لگا جیسے ان پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا ہو... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے ایک دو قدم اٹھائے لڑکھڑائے اور دھم سے گر پڑے... اس پر ان کی ہنسی اور تیز ہو گئی۔

"جی تو چاہتا ہے... انہیں ہنسا ہنسا کر بے دم کر دوں... لیکن اب میں مقابلے کی بات کر چکا ہوں اور انہوں نے جال سے مقابلے کے لیے نکالا ہے... لہٰذا میں مقابلہ کروں گا..." انہوں نے اپنے ساتھیوں اور صفدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آخر خدا خدا کر کے ان کی ہنسی رکی... اس وقت سردار نے صفدر کے ذریعے بات شروع کی:

"ہاں تو آپ کس ہتھیار سے لڑنا پسند کریں گے۔"

"جس ہتھیار سے میرا مقابل پسند کرے... ویسے تو میں بغیر ہتھیار کے بھی لڑ لوں گا... یعنی سردار کے ساتھی کے ہاتھ میں کوئی سا ہتھیار کیوں نہ ہو... میں بغیر ہتھیار اس کا مقابلہ کروں گا۔"

"کیا میں یہ بات کہہ دوں۔"

"ہاں! کہہ دیں۔"

صفدر نے سردار سے یہ بات کہہ دی۔ اس کی حیرت اور بڑھ گئی، آخر اس نے اپنے کسی ساتھی کو کشو یا کہہ کر پکارا... ایک بہت دیو قامت آدمی ۔ میں سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے صفدر کے ذریعے سردار سے کہا:

"اس طرح کیا مزہ آئے گا... میرے ساتھیوں کو بھی جال سے نکال کر ایک طرف کھڑا کر دیا جائے... تا کہ یہ بھی مقابلہ دیکھ سکیں... اتنے ہجوم سے بچ کر ہم بھاگ تو جائیں گے نہیں... جنگل میں ایک لاکھ جنگلی تو ہوں گے۔"

"ہاں!! اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔"

"بس تو پھر سردار کیوں اتنی بزدلی دکھا رہا ہے... یہ میری طرف دیکھے... میں بغیر ہتھیار کے لڑنے کی بات کر رہا ہوں۔"

اب سردار نے صفدر کے ذریعے جواب دیا:

"آپ کے ساتھیوں کو جال سے نکال کر یہاں کھڑا کر دیتے ہیں... لیکن سردار کی شرط بہت انوکھی ہے۔"

"اور وہ کیا ہے۔"

"آپ سردار کے ایک ساتھی سے مقابلہ کریں گے... اگر سردار کا ساتھی مارا گیا تو اس کی جگہ دوسرا لے لے گا... اور اگر آپ مارے گئے تو آپ کی جگہ آپ کا کوئی ساتھی لے گا... مطلب یہ کہ یہ مقابلہ برابر جاری رہے گا... اور ظاہر ہے... آپ لوگ کب تک مقابلہ کریں گے... جنگلی تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔"

"لیکن ہمیں مقابلہ تو بہرحال کرنا ہوگا۔" وہ بولے۔

"اور اس دوران آپ کے ساتھی بدستور تیروں کی زد میں رہیں گے۔ جنگلیوں کا پورا ایک دستہ ان پر نظر رکھے گا۔ انہیں حرکت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی... صرف وہ حرکت کرے گا... جو مقابلے کے لیے آگے آنا چاہے گا... کوئی ساتھی اگر حرکت کرے گا تو یہ اسے تیروں سے چھلنی کر دیں گے۔"

"اچھی بات ہے... لیکن یہ تو بتائیں... آپ ان لوگوں کی زبان کیسے سیکھ گئے۔"

"ہم یہاں کئی ماہ سے قید ہیں... ہمارے ساتھ چند اور قیدی بھی ہیں... ان میں ایک دو جنگلی بھی ہیں... یعنی ان جنگلیوں سے جنگلیوں کے قانون کی خلاف ورزی ہوگئی تھی... اس پر انہیں سزا دی گئی ہے، لہٰذا ہم نے ان سے زبان سیکھ لی ہے۔"

"ٹھیک ہے... اور مسٹر علی عمران۔"

"وہ قید میں زیادہ وقت سو کر گزارتے ہیں... کہتے ہیں ایسی فرصت کے لمحات تو انہیں زندگی میں کبھی ملے ہی نہیں... لہٰذا وہ ان لمحات سے خوب فائدہ اٹھانا پسند کریں گے۔"

وہ دل ہی دل میں ہنس دیے... دل میں اس لیے کہ کہیں سردار

دیکھ نہ لے اور سمجھ نہ جائے کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق ہے، اب صفدر نے سردار سے کہا:

"ان لوگوں کو آپ کی شرط مکمل طور پر منظور ہے۔"

"اچھی بات ہے... کشوبا۔" سردار پکارا۔

کشوبا نیزہ تولتا ہوا میدان میں آ گیا، اس کا چہرہ بہت ہیبت ناک تھا... دیکھنے سے خوف آتا تھا:

"آپ نیزے سے لڑیں گے؟" صفدر بولا۔

"پہلے میں اپنے ساتھیوں سے ملوں گا... کیونکہ یہ بہرحال زندگی اور موت کی جنگ ہے... اور اس جنگ میں ہم لوگوں کے بچنے کا امکان مشکل سے ایک فیصد ہے۔"

"ہاں! بات بھی ہے... خود میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"دلوں کو بیٹھنے نہ دیں... ورنہ ہم ہارنے سے بھی بہت پہلے ہار جائیں گے۔"

اب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان سے باری باری گلے ملنے لگے۔ سردار نے صفدر سے کچھ پوچھا۔ جواب میں اس نے کہا:

"یہ اپنے ساتھیوں سے ملاقات کر رہے ہیں... کیونکہ آخر یہ موت اور زندگی کی جنگ ہے۔"

سردار ہنسنے لگا... ادھر انسپکٹر جمشید غیر محسوس طور پر اپنے ساتھیوں سے مخاطب تھے:

"پروفیسر صاحب... موقعے منتظر رہیں... ویسے بھی تو ہم سب ختم ہو جائیں گے تو کچھ نہ کچھ کر کے جان دیں... لہٰذا سردار کو نشانہ بنانے کی کوشش

کریں۔"

"فکر نہ کرو جمشید۔" پروفیسر داؤد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"اور انسپکٹر کامران مرزا... کسی نہ کسی طرح سردار کے سر پر پہنچنے کی کوشش کرنی ہے... یہ سب لوگ ان شاء اللہ جنگ میں اس درجے محو ہو جائیں گے کہ انہیں ارد گرد کا دھیان رکھنے کا خیال نہیں رہ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے..."

"باقی لوگ بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" شوکی کی آواز جذبات کے بوجھ تلے دب گئی... ان سب کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے... وہ کشوبا کی طرف مڑ گئے:

☆☆☆☆☆

مقابلہ

"ہی ہی ہی... ہاہاہا" کشوبا خوفناک ہنسی ہنسا۔

انسپکٹر جمشید اس کے سامنے پہنچ کر رک گئے... کشوبا نے ایک ساتھی کی طرف دیکھ کر اسے اشارہ کیا... اس نے اپنا نیزہ اس کی طرف اچھال دیا... انہوں نے نیزہ پکڑنے کی بہت بھونڈی کوشش کی، نیزہ ان کے ہاتھ سے ٹکرایا اور ان کے نزدیک ہی گر گیا... یعنی وہ اسے ہوا میں دبوچ نہ سکے... اس پر سردار نے قہقہہ لگایا... سب جنگلی بھی بے تحاشہ ہنسنے لگے... ان کی ہنسی کا طوفان طویل ہوتا چلا گیا تھا۔ اس دوران انسپکٹر جمشید نیزہ اٹھا چکے تھے... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کشوبا کے نیزے پر نیزہ دے مارا۔ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا... اس پر سب کی ہنسی رک گئی۔ کشوبا کی پیشانی پر بل پڑ گئے... اس نے ایک ساتھی کو اشارہ کیا... اس نے اپنا نیزہ اس کی طرف اچھال دیا۔ اب دونوں نے نیزے تان لیے، کشوبا فکر مند نہیں لگ رہا تھا... اس کا خیال تھا، اس کا مقابلہ نیزے بازی کیا جائے... پہلا وار جب اس نے کیا تھا، اس وقت تو وہ ہنسنے میں مشغول تھا... اب وہ پوری طرح ہوشیار ہے... لہذا یہ شخص بھلا اس کا کیا بگاڑ لے گا۔

اچانک اس نے نیزے کو گھمانا شروع کر دیا... لمحہ بہ لمحہ نیزے

کے گھومنے میں تیزی آتی چلی گئی اور پھر تو نیزہ دکھائی دینا بند ہو گیا... بس وہ کشوبا کے ہاتھ چلتے دیکھ رہے تھے... انسپکٹر جمشید بالکل ساکت کھڑے تھے... انہوں نے نیزہ دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا... اور اپنے سینے کے آگے کر رکھا تھا... آخر کشوبا ایک ایک قدم چلتا ان کے بالکل نزدیک آ گیا۔ اب گویا نیزہ انسپکٹر جمشید کے جسم کے پار ہونے کے بالکل نزدیک تھا... پھر بجلی کی سی تیزی سے وہ نیچے گرے اور ساتھ ہی نیزہ زمین کے ساتھ رکھتے ہوئے اس کی پنڈلی پر دے مارا۔ وہ اچھل کر گرا۔ نیزہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مجمع دھک سے رہ گیا... خود ان کے ساتھی بھی حیرت زدہ رہ گئے... انہیں ان کی طرف سے اس وار کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی... اب انہوں نے دیکھا، ان کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ادھر کشوبا کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کچھ بولا... صفدر نے فوراً اس کے الفاظ کا ترجمہ کر دیا:

''یہ کہہ رہا ہے... وہ بے خبری میں مار کھا گیا۔''

''اس سے کہیں... ایک بار پھر نیزہ پکڑے... اور بے خیال نہ رہے۔'' وہ بولے۔

صفدر نے ان کا پیغام اسے سنا دیا... اس نے فوراً ایک اور نیزہ پکڑ لیا... اس مرتبہ اس نے تلوار کے انداز میں نیزہ ان کے سر پر رسید کیا... انہوں نے اپنا نیزہ سیدھا رکھ کر سر سے بلند کر لیا۔ کشوبا کا نیزہ پوری قوت سے ان کے نیزے سے ٹکرایا۔ پھر اس نے تابڑ توڑ انداز میں ان پر وار کیے... اور وہ اسی تیزی سے روکتے چلے گئے... اب جنگلیوں کی ہنسی پریشانی سے بدلنے لگی۔ ان کی پیشانیوں پر بل پڑنے لگے... سب سے گہرے بل سردار کی پیشانی

پر نظر آئے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے صفدر سے کہا:

''یوں مزہ نہیں آ رہا۔''

''کیا مطلب؟'' صفدر نے حیران ہو کر کہا۔

''میں بغیر نیزے کے لڑوں گا۔''

''آپ کیوں خود کو خطرے میں ڈالتے ہیں... اسی طرح چلنے دیں۔''

''بات لڑائی جاری رکھنے کی نہیں... انہیں اس درجے حیرت زدہ کرنے کی ہے کہ یہ اپنا آپ بھول جائیں اور دوسرے ساتھی کچھ کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں۔''

''لیکن اس صورت میں آپ خطرے میں گھر جائیں گے۔''

''اللہ مالک ہے... آپ یہ بات سردار کو بتائیں۔''

سردار پہلے ہی الجھن محسوس کر رہا تھا کہ یہ آپس میں کیا باتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ اب صفدر نے وضاحت کی تو اس کا اطمینان ہوا، اس نے صفدر سے کچھ کہا، صفدر ان سے بولا:

''ٹھیک ہے... سردار کو اس پر کوئی اعتراض نہیں... وہ تو چاہتا ہے... آپ لوگ باری باری مارے جائیں۔''

''اللہ مالک ہے۔''

اور پھر انہوں نے نیزہ پھینک دیا... سردار نے کشوبا کو بھی بتا دیا کہ اس کا مقابل خالی ہاتھ لڑنا چاہتا ہے۔ کشوبا کی باچھیں کھل گئیں، کیونکہ اس وقت تک اسے بہرحال اتنا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اناڑی نہیں ہیں... یوں بھی ان لوگوں نے ان کے ان گنت ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا... لہٰذا

ان ڈی تو وہ انہیں سمجھ ہی نہیں سکتے تھے، البتہ نیزے کے بغیر دیکھ کر کشوبا گویا شیر ہو گیا تھا... اب اسے تو ان کی طرف سے گویا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا... خطرہ تھا تو اس سے انہیں تھا۔

کشوبا نے نیزہ اپنے ہاتھ میں بالکل سیدھا پکڑ لیا۔ اس کی نوک کا رخ ان کے پیٹ کی طرف تھا، پھر اس نے اسی حالت میں ان کی طرف دوڑ لگا دی... گویا وہ اپنا نیزہ ان کے پیٹ میں بھونک دینا چاہتا تھا... انسپکٹر جمشید ذرا ترچھے ہو گئے... وہ آگے بڑھتا چلا گیا... وہ اگر چاہتے تو اس حالت میں اس کی کمر پر لات رسید کر سکتے تھے اور وہ اوندھے منہ گرتا... لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، وہ جلد اس کا خاتمہ نہیں کرنا چاہتے تھے... ان کی تو کوشش تھی... کسی طرح انسپکٹر کامران مرزا کو سردار تک پہنچنے کا موقع مل جائے یا پھر پروفیسر داؤد کو کچھ کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے۔

وہ اب پھر کشوبا کی طرف منہ کیے کھڑے تھے... وہ آگے جا کر ایک جھٹکے سے رکا... اس کے چہرے پر اب سراسیمگی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے... یہ بات سردار نے بھی محسوس کر لی۔ اس نے گرج دار آواز میں کشوبا سے کچھ کہا۔ وہ اسے غیرت دلا رہا تھا... اس پر کشوبا نے نیزہ لہرایا... چہرے پر غصے کے آثار پیدا کیے اور نیزے کو تلوار کی طرح گھماتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگا... اب چونکہ ان کے ہاتھ میں نیزہ نہیں تھا... اس لیے اسے ان کی طرف سے تو کوئی خطرہ تھا نہیں... بس وہ بے فکری کے انداز میں آگے قدم بڑھا رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے ہاتھ بلا کی تیزی سے نیزے کو گھمانے لگے... اور نیزہ تیزی کی وجہ سے اب لوگوں کو نظر نہیں آ رہا تھا... یہ صورت حال انسپکٹر جمشید کے ساتھیوں کے لیے پریشان کن تھی... کیونکہ اب وہ وار کس طرح

روک سکیں گے، یہ بات ان کی سمجھ سے باہر تھی۔

آخر جونہی کشوبا نزدیک آیا اور وہ نیزے کی زد میں آنے کے قریب ہوئے، وہ زمین پر لوٹ لگا گئے، انہوں نے اپنے دھڑ کو ایک ہاتھ پر ٹکایا اور اس ہاتھ پر اپنے جسم کو پوری طاقت کے ساتھ گھما دیا... ان کے دونوں پیر کشوبا کی ٹانگوں سے ٹکرائے... وہ بری طرح لڑکھڑایا اور دھڑام سے گرا... انہوں نے ایک اور ٹھوکر اس کے سر پر رسید کر دی... وہ بری طرح ڈکرایا... اس کا جسم پھڑکا اور ساکت ہو گیا... لیکن وہ صرف بے ہوش ہوا تھا... انہوں نے جان بوجھ کر اسے زیادہ زور سے ٹھوکر رسید نہیں کی تھی۔ اب وہ صفدر سے بولے:

''سردار سے کہیے... اگر میں چاہوں تو اس وقت کشوبا کو ختم کر سکتا ہوں، لیکن میں ایسا کروں گا نہیں... کسی اور کو مقابلے کے لیے بھیجیں۔''

صفدر نے جب سردار سے یہ بات کہی تو اس کے چہرے پر حیرت کے بادل چھا گئے، وہ اس بات پر حیران تھا کہ انہوں نے کشوبا کو کیوں زندہ چھوڑ دیا... آخر اس نے صفدر کے ذریعے بات کی:

''اور آپ نے ایسا کیوں کیا۔''

''ہم بلاوجہ خون بہانا پسند نہیں کرتے... جب تک کوئی ہمیں مجبور نہ کرے... ہم نہیں لڑتے۔''

سردار نے اس بات کا کوئی خاص اثر نہ لیا اور اپنے ایک اور لڑاکے کو مقابلے کے لیے بھیجا۔

اب انہوں نے سوچا... لڑائی کو اس قدر دلچسپ اور مختصر بنا دیا جائے کہ سردار پوری طرح محو ہو جائے اور انسپکٹر کامران مرزا کو کچھ کرنے کا

موقع مل جائے۔ انہوں نے ایک نیزہ اٹھا لیا اور مقابل کو اشارہ کیا کہ آؤ... مجھ پر وار کرو۔

وہ شخص آ کر ان پر حملہ آور ہوا... اس کے ہاتھ میں سیدھا نیزہ تھا اور وہ ان کے پیٹ کے آر پار کرنے کے ارادے سے دوڑا تھا... انسپکٹر جمشید پوری طرح تیار تھے... اسے کوئی مہلت دیے بغیر انہوں نے اپنے نیزے سے اس کے نیزے پر زبردست چوٹ ماری... نیزہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جھکے اور اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پھر ان کے ہاتھ بلند ہوتے چلے گئے... یہاں تک کہ سر سے بلند ہو گئے... اب انہوں نے دونوں ہاتھوں کو گھمانا شروع کر دیا۔ جنگلی اب ان کے ہاتھ پر پھرکی کی طرح گھوم رہا تھا... اس وقت انہوں نے اسے جنگلیوں پر پھینک مارا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی... جن پر وہ گرا، ان کی بھی چیخیں نکل گئیں... اس وقت انسپکٹر جمشید نے چاہا، سردار تک پہنچ جائیں... لیکن اس کے اردگرد بے شمار وحشی نیزے تانے کھڑے تھے... اور ان کے پاس تو نیزہ بھی نہیں تھا، لہٰذا وہ بس تلملا کر رہ گئے... ایسے میں انہیں پروفیسر صاحب کا خیال آ گیا... انہوں نے ان کی طرف دیکھا... وہ بھی انہی کی طرف دیکھ رہے تھے... آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ بولے:

"آپ ہی کچھ کریں..."

انہوں نے سر ہلا دیا... ادھر انسپکٹر جمشید نے سردار سے کہا:

"تیسرے کو بھیجیں۔"

صفدر کے ذریعے یہ پیغام سن کر اس نے ایک اور کو اشارہ کیا... لیکن وہ اب جان چکا تھا... اس کے آدمی اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے... اور

وہ بھی یہ بات سمجھ چکے تھے... لہٰذا اب وہ ان کے مقابلے میں آنے سے گھبرا رہے تھے۔ تیسرا آگے بڑھا ضرور... لیکن لگتا تھا... اسے زبردستی آگے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے... اب ایسا آدمی کیا مقابلہ کرتا... انہوں نے نیزے کا ایک وار اس کے سر پر کیا تو وہ تیورا کر گرا۔

سردار کا رنگ اڑ گیا... اس نے چیخ کر کچھ کہا... اچانک ان پر جنگلیوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا... انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر انہوں نے تیز چونڈی رفتار سے نیزہ گھمانا شروع کر دیا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا چلائے:

"یہ ناانصافی ہے، اس طرح ہم بھی لڑیں گے..." یہ کہتے ہی انہوں نے اپنے نزدیک کھڑے جنگلی کے نیزے پر ہاتھ ڈال دیا اور اسے اچھال دیا... وہ چبوترے پر جا گرا۔

دھم کی آواز نے سردار کے آس پاس کے جنگلیوں کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے کئی جنگلیوں کے جسموں پر نیزے کے وار کر ڈالے... چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ وہ میدان اب جنگ کا میدان بن چکا گیا... اس وقت پروفیسر صاحب کو بھی موقع مل گیا... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... چند گیندیں سردار کی طرف اچھال دیں... وہ زوردار آواز کے ساتھ پھٹیں... سردار اور اس کے ساتھی بری طرح اچھلے اور چبوترے کے ادھر ادھر نیچے گرے... انسپکٹر جمشید کے ساتھی ان پر پل پڑے:

"پروفیسر صاحب... چند گیندیں ادھر بھی۔" انسپکٹر جمشید پکارے۔

انہوں نے ادھر ادھر گیندیں شروع کیں... ان دھماکوں نے جنگلیوں میں کھلبلی مچا دی، ایسے میں صفدر نے بلند آواز میں کہا:

"سردار مارا گیا۔"

جنگلیوں میں ایک کہرام سا مچ گیا... وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے... اور ان گنت لوگ کچلے گئے... ان حالات میں ان سب نے نیزوں کے وار شروع کر دیے... جنگلی بھاگ رہے تھے اور وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے... اس طرح وہ لوگ قدم قدم پر گرنے لگے... مارے جاتے رہے... اور تعاقب ہوتا رہا:

"ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جمشید... یہ جمع ہو کر پھر آ جائیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں... اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ جہاز پر سے اسلحہ لا سکیں۔"

"اوہ ہاں یہ ٹھیک رہے گا..."

اور وہ تعاقب کرنے کے بہانے ساحل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ آنکڑے کے ذریعے صرف انسپکٹر کامران مرزا جہاز پر پہنچے اور اسلحہ اٹھا اٹھا کر ہاتھوں سے گھما گھما کر ساحل پر پھینکنے لگے... چند رائفلیں سمندر میں گرتے دیکھ کر انہوں نے لیشوکا سے کہا:

"جہاز کو ساحل کے قریب لے چلیں... اب جنگلیوں کی طرف جہاز پر تیر برسانے کا خطرہ نہیں رہا..."

"اس کا مطلب ہے... جنگ شروع ہو چکی ہے۔"

"بلکہ پہلے حملے میں ہمیں فتح بھی ہو چکی ہے... اب پہلے تو یہ جس کے جدھر سینگ سمائیں گے... چلے جائیں گے... پھر اپنی طاقت جمع کر کے آئیں گے... لیکن اس وقت تک ہم اسلحہ جمع کر چکے ہوں گے... اور پھر آئے

گا مزہ۔" وہ کہتے چلے گئے... اب ان کے ساتھ انہوں نے بھی رائفلیں اور دوسرا اسلحہ ساحل کی طرف پھینکنا شروع کر دیا... اس طرح بہت جلد وہاں اسلحے کا ڈھیر لگ گیا... ان کا جہاز آخر ڈاکوؤں کا جہاز تھا اور انہوں نے اس پر تمام لوٹا ہوا بے تحاشہ اسلحہ جمع کر رکھا تھا... اسلحہ ساحل پر منتقل ہوتا چلا گیا... وہاں ڈھیر بڑھتا چلا گیا... آخر خان رحمان نے کہا:

"فی الحال اتنا اسلحہ کافی ہے... ضرورت پیش آئی تو پھر منگا لیں گے... اب ہمیں صف بندی کرنی ہے... اور مسٹر لیشوکا... آپ جہاز پھر وہیں لے جائیں... جہاں جہاز پہلے لنگر انداز کیا تھا۔"

"بہت بہتر۔"

خان رحمان نے اپنی فوج کو اسلحے اور گولا بارود سے مکمل طور پر لیس کر دیا۔ انہوں نے ہر درخت کے پیچھے صرف ایک ساتھی کو کھڑا کیا تھا اور تمام ساتھی ایک لائن میں کھڑے کیے تھے... گویا اب ان کے ساتھیوں کی ایک صف دشمن کے مقابلے کے لیے تیار تھی۔ اب سامنے سے آنے والے جنگلیوں کو اپنی باڑھ پر رکھنا ان کے لیے آسان کام تھا...

انہیں ایک دن تک انتظار کرنا پڑا... پورے ایک دن کے بعد فرزانہ نے چلا کر سب کو خبردار کیا:

"وہ لوگ تو آ رہے ہیں... اور بہت بڑا لشکر چلا آ رہا ہے۔"

"کوئی پروا نہیں... اللہ مالک ہے۔" خان رحمان مسکرائے... پھر اپنے ساتھیوں سے بولے:

"یہ لوگ اب بھیڑ بکریاں ہیں... اللہ نے چاہا تو یہ سر پر پیر رکھ کر بھاگیں گے، کیونکہ انہیں ابھی معلوم نہیں کہ ہمارے پاس کتنا اسلحہ ہے۔"

"ان شاء اللہ!" سب نے کہا۔

اور پھر جونہی دشمن ان کی زد پر آیا... ان سب نے تاک تاک کر فائرنگ شروع کر دی... جنگلی اچھل اچھل کر گرے... فائرنگ سے اپنے ساتھیوں کو گرتے دیکھ کر وہ حوصلہ ہار گئے اور بھاگ نکلے... اس وقت خان رحمان کی ہدایت پر صفدر نے ان سے کہا:

"بھاگ کر کہاں جاؤ گے... کب تک بھاگو گے... موت تمہارے تعاقب میں ہے... ہماری بات سن لو... جب تک ہم بات کریں گے... تم پر فائر نہیں کریں گے... یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

صفدر نے یہ الفاظ تین چار بار دہرائے... اور آخر جنگلی رک گئے... ان کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے... اب انسپکٹر جمشید آگے آئے... اس وقت وہ جنگلیوں کی زبان کسی حد تک سمجھنے کے قابل ہو گئے تھے... لہٰذا صفدر کی مدد کے بغیر ان سے بولے:

"ہمارا تم لوگوں کو مار ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں... ہم امن پسند لوگ ہیں... جب تک کوئی ہم پر جنگ مسلط نہ کرے... ہم نہیں لڑتے... لیکن جب کوئی لڑنے پر تل جائے تو پھر ہمیں بھی لڑنا پڑتا ہے... اس کی مثال اور ثبوت یہ ہے کہ میں نے کشوبا کو جان سے نہیں مارا تھا... اگر وہ تم لوگوں کے پیروں تلے کچلا نہیں گیا تو اس بات کی گواہی دے گا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں... یہ واقعی امن پسند ہیں... اگر ہم ان سے نہیں لڑیں گے تو یہ بھی ہم سے نہیں لڑیں گے... اس کی گارنٹی میں دیتا ہوں..." کشوبا نے بلند ترین آواز میں کہا۔

تمام جنگلیوں تک اس کی آواز پہنچ گئی... تب ایک بوڑھے جنگلی

نے آگے نکل کر کہا:

"اگر یہ لوگ ہم سے نہ لڑیں تو ہم بھی ان سے نہیں لڑیں گے۔"

"بس تو پھر کشوبا اور یہ بزرگ اگر گارنٹی دے دیں... تو ہم جنگ بند کر دیتے ہیں۔"

"ہم گارنٹی دیتے ہیں... اگر آپ لوگ ہم پر حملہ نہیں کریں گے تو ہم بھی حملہ نہیں کریں گے۔"

"بس تو پھر دونوں گروہوں میں صلح ہو گئی..."

"اوہ وہ علی عمران... میرے ساتھی۔"

"اوہ ہاں! مسٹر کشوبا... یہ جو ہمارے ساتھ نظر آ رہے ہیں، انہیں آپ لوگ قید سے نکال کر لائے تھے... ان کے ایک ساتھی اور وہاں قید ہیں... انہیں بھی وہاں سے نکال دیں۔"

"ٹھیک ہے... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... اب ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔" کشوبا نے کہا۔

"شکریہ! اب جب کہ سردار مارا جا چکا ہے... آپ لوگ اپنا سردار کشوبا کو چن لیں... یا جس کے حق میں یہ بزرگ کہیں... اسے چن لیں۔"

"پہلے ان کے ساتھی کو رہا کر دیں۔" کشوبا نے صفدر کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ سب کشوبا اور چند اور جنگلیوں کے پیچھے چل پڑے... ایک کوٹھری کا دروازہ کھولا گیا... انہوں نے دیکھا علی عمران کوٹھری کے فرش پر پڑا

سو رہا تھا:

"مسٹر علی عمران... اٹھیے... دیکھیے کون لوگ آئے ہیں... یہ آپ کو آزادی کی خوش خبری سنانا چاہتے ہیں۔"

صفدر نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا... پہلے تو عمران کسمسایا... پھر نیند میں بولا۔

"یار صفدر یہاں تو آرام سے رہنے دو... کیوں تنگ کرتے ہو... کیا یہاں سے بھی نکلواؤ گے..."

"اوہو... آپ آنکھیں تو کھولیے۔"

"نہ بابا... میں بہت رنگین خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"حد ہو گئی عمران صاحب... یہاں کچھ لوگ آئے ہیں... آنکھیں کھولیں۔"

"میں سمجھ گیا، وہ میرے ازلی دشمن... تو مجھے اس پرسکون ترین جگہ سے نکلوا کر دم لے گا... یہ کھول دیں آنکھیں... دکھ و... کن لوگوں کو... ارے... بپ... باپ رے... مم... بپ۔" اس نے ہونٹ سکیڑ لیے۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا... اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے باری باری انہیں دیکھنے لگا... آخر اس کے ہونٹ ہلے:

"اللہ کا شکر ہے... خواب جاری ہے... اس کا تسلسل ٹوٹا نہیں... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ بہت رنگین خواب ہے... دیکھو... اتنے بہت سے ساتھی یہاں کھڑے ہیں... یہ خواب نہیں تو اور کیا ہے۔"

"نہیں عمران صاحب... یہ خواب نہیں... یہ لوگ سچ مچ یہاں موجود ہیں۔"

"ارے باپ رے... تت... تو یہ... یہ بھی قیدی بنا لیے گئے۔"

"نہیں بلکہ یہ آپ کو آزاد کرانے کے لیے آئے ہیں۔"

"کک... کیا واقعی... نن نہیں... تم گپ ہانک رہے ہو۔"

"ہوش کریں عمران صاحب... یہ ہمارے ساتھی ہیں... اللہ نے انہیں ہماری مدد کے لیے یہاں پہنچا دیا۔"

"اوہ... اوہ... کک... کیا واقعی... مم... میں معافی چاہتا ہوں، پتا نہیں کیا کیا بک گیا۔"

"کوئی بات نہیں... اب آیئے اس کوٹھری سے باہر۔"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل آیا... ایسے میں وہاں ایک بہت ہولناک گڑگڑاہٹ گونج اٹھی... انہیں یوں لگا... جیسے بادل بہت زور سے گرجے ہوں اور بجلی خوب کڑکی ہو... اب جو انہوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا... تو اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے...

ان کے سامنے وہی ستون ایک بار پھر موجود تھا... جس سے سمندر میں ملاقات ہوئی تھی:

☆☆☆☆☆

گانے کا دورہ

"ارے باپ رے! یہ تو وہی ستون ہے... جو آسمان سے باتیں کرتا ہے... جس نے ہماری کشتی الٹ دی تھی..." فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ہوہوہو... ہاہاہا"

پورے جنگل میں بادل سے گرجے... وہ کانپ گئے... اب سب جنگلیوں نے اسے دیکھنا شروع کیا... وہ ستون کافی چوڑائی میں تھا اور لمبائی تو گویا اس کی نظر ہی نہیں آ رہی تھی، جہاں تک اوپر نظر جا سکتی تھی... وہ ستون اوپر جاتا نظر آ رہا تھا:

"یہ... یہ کیا بلا ہے..." علی عمران نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"ہماری اس بلا سے سمندر میں ملاقات ہو چکی ہے۔"

"تب تو یہ چلتی پھرتی بلا ہوئی۔" صفدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور پھر انہوں نے ستون میں سے دو ہاتھ باہر نکلتے دیکھے... ان ہاتھوں اور بازوؤں پر بہت لمبے لمبے سیاہ بال تھے:

"ہائیں... کک... کہیں یہ... جن تو نہیں۔" شوکی چلا اٹھا۔

"کک... کیا کہا... جن... جن..." وہ چلائے۔

"ہاں! میری امی جان ہمیں بچپن میں جب جنوں کی کہانیاں سناتی تھیں تو ان میں جنوں کی لمبائی چوڑائی اور حلیہ وغیرہ ایسا ہی بتایا کرتی تھیں..." مکھن بول پڑا۔

"اس... اس کا مطلب ہے... تمہاری امی نے بھی کبھی کسی جن کو دیکھا تھا۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا اور انہیں ان حالات میں بھی ہنسی آ گئی۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں... حلیہ وہ ایسا ہی بتاتی تھیں۔"

"ٹھہرو... میں بات کرتا ہوں اس سے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے:

"کیوں بھائی... کیا تم جن ہو۔" انہوں نے سر اوپر اٹھا کر پوچھا۔

"ہوہوہو... ہاہاہا۔"

"بے چارے کو بس یہی الفاظ آتے ہیں اور یہ کچھ کہنا نہیں جانتا۔" مکھن بڑبڑایا۔

"انکل... کیوں نہ میں اس پر چڑھ جاؤں۔" فاروق بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھائی... یہ کوئی سچ مچ کا ستون نہیں... جن ہے جن... گویا تم جن پر چڑھنا چاہتے ہو... جن تو دوسروں پر مسلط ہوتے ہیں اور اتارے نہیں اترتے..." آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"جنوں سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم... میں اس جن پر اسی طرح چڑھوں گا جس طرح کسی بجلی کے کھمبے یا درخت پر چڑھتا ہوں یا پھر اس مہم کے دوران جس طرح مستول پر چڑھا تھا۔"

"وہ تو چلو ٹھیک ہے، لیکن بھئی! اس کا فائدہ کیا ہوگا۔" خان رحمان نے ہنس کر کہا۔

"جی... کس کا۔"

"اس پر چڑھنے کا... کیا ہم اس طرح اسے شکست دے دیں گے۔"

"نہیں خیر... یہ تو میں نے نہیں کہا۔"

"بس تو پھر جس کام کا کوئی فائدہ نہ ہو، اسے کیوں کیا جائے۔" محمود علی خان نے کہا۔

"چلیے... نہیں چڑھتا میں اس جن پر... یہ بھی کیا یاد کرے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"لو اور سنو... اب جن میاں انہیں یاد بھی کریں گے... وہ بھی اس لیے کہ یہ حضرت اس پر سوار نہیں ہوئے۔" آصف نے بھنا کر کہا۔

"توبہ ہے تم سے۔"

"ہوگی... مجھے کیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا ہوگی۔"

"توبہ... مجھ سے۔" فاروق ہنسا۔

"تت توبہ ہو تم سے۔" فرحت جل گئی۔

"وہی تو میں نے کہا کہ ہوگی... مجھے کیا۔"

"اچھا بھائی! اب تم سے کوئی مغز مارے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"مغز خود مار رہے ہو اور خود ہی پوچھ رہے ہو... یوں پوچھ تو کسی اور کو لینے دیتے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"دھت تیرے کی..." شوکی نے محمود کے انداز میں کہا۔

"ہوائی مینڈکی کو بھی زکام۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ہونے دو... ہمیں کیا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"کیا ہونے دو۔" مکھن نے بلند آواز میں کہا۔

"زکام... مینڈکی کو۔"

"حد ہوگئی... سب کے سب بے تکی ہانکنے پر تل گئے..."

"ہاں واقعی! کم از کم سب کے سب کو تو نہیں تملنا چاہیے تھا... چلو دو چار تل جاتے... یوں بھی کیا رکھا ہے... اس تتے تلاتے میں۔" اخلاق کی آواز سنائی دی۔

"کیا تتے تتے لگا رکھی ہے... بے تتے کوئی بات نہیں کر سکتے؟" عزت تلملا اٹھی۔

"اب کیا کیا جائے... جس طرف گنگا بہے گی اس طرف کو جانا پڑے گا۔"

"اب گنگا کا ذکر لے بیٹھے۔"

"عمران صاحب! آپ نے ان کی باتیں سنیں۔" صفدر نے لرزتی آواز میں کہا۔

"نن... مم... ہپ۔"

"اوہو! میں نے پوچھا ہے، کیا آپ نے ان کی باتیں سنیں۔"

"نہیں... میرے گھٹنے کو نیند آ رہی ہے..." عمران نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے... ابھی ان کے گھٹنے کو نیند آ رہی ہے... اگر کہیں آنکھوں کو آ گئی تو کیا ہوگا۔" آفتاب مسکرایا۔

"وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

ایسے میں جن کا ایک ہاتھ ان کی طرف بڑھا... انہیں یوں

محسوس ہوا جیسے وہ ان سبھی کو اس ایک ہاتھ میں پکڑ لے گا... لیکن پھر شوکی ان کے ہاتھ میں لٹکا نظر آیا... شوکی دیکھتے ہی دیکھتے ان سے اتنی اونچائی پر چلا گیا کہ ننھا منا انسان نظر آنے لگا۔

"ششش... ششش... ششش شوکی... تم کہاں ہو... ہمیں آواز دو... ہم تمہیں یاد کرتے ہیں۔" آفتاب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گانے گانے کا دورہ پڑا ہے کیا... وہ بھی جن کے سامنے... لیکن یاد رکھو... بھینس کے آگے بین بجانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"ہائیں! تم نے جن کو بھینس کہا... اگر یہ برا مان گیا تو۔" محمود کہہ رہا۔

انہوں نے دیکھا، اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا:

"تت... تمہیں کیا ہوا۔"

"یہ... یہ جن شاید میرے جسم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔" محمود چلایا۔

"یار محمود کیوں مذاق کرتے ہو، اتنا بڑا جن... تمہارے چھوٹے سے جسم میں کیسے داخل ہو سکتا ہے بھلا۔" آصف ڈرے ڈرے انداز میں ہنسا۔

"تم بھول رہے ہو..." فرزانہ نے گویا اعلان کیا۔

"مم... میں بھول رہا ہوں، لیکن کیا؟"

"جن کو تو بوتل تک میں بند کر دیا جاتا ہے... کیا تم نے بچپن میں بوتل کا جن نامی کہانی نہیں پڑھی تھی۔"

"اوہ ہاں یار... واقعی... پڑھی تھی۔"

ایسے میں انسپکٹر جمشید نے بہت تیزی سے کچھ پڑھا... یک دم

جن ان کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور شوکی ان کے درمیان آ گرا۔

"یہ... یہ کیا... وہ جن کہاں گیا... شوکی تو بیہوش ہے۔"

"میں نے اسے بھگا دیا..." انسپکٹر جمشید ہنس دیے۔

"بھگا دیا... لیکن کیسے۔"

"سورۃ المومنین کی چند آیات اور آیت الکرسی پڑھ کر"

وہ بھاگ گیا جب کہ ابھی تو مجھے آخری [illegible]

"یہ... [illegible]"

"حیرت انگیز [illegible]"

"میری [illegible]"

کرتی تھیں [illegible] آواز ابھری [illegible] اس کی آنکھیں بند [illegible]

"لگتا ہے... انکل سوتے [illegible]"

"ختم کرو بکی... ہمیں اب بھی اگلی منزل کی طرف بڑھنا ہے جس کے لیے گھر سے... ارے ہاں... علی عمران صاحب! آپ نظر نہیں... آپ یہاں کیسے آ پھنسے۔"

"بتاتا کیسے... وہ جن صاحب جو تشریف لے آئے تھے۔"

"خیر اب بتا دیں۔"

"بس کیا بتاؤں... دماغ خراب تھا کہ اس طرف چلے آئے۔ کیوں صفدر میاں۔"

"مم... میں بھلا یہ بات کس طرح کہہ دوں کہ میرا دماغ خر

تھا۔" صفدر گڑبڑا گیا۔

"تمہارے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے... بس یوں سمجھ لیں صاحبان... اس جنگل کی بہت تعریف سنی تھی... نکل آئے اس کی طرف۔"

"نہیں بھئی... یہ بات حلق سے نہیں اترتی... آپ ضرور بٹوما کے لیے گھر سے نکلے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ارے بپ... باپ رے... بٹ ٹوما... یہ... یہ کیا بلا ہے۔" وہ بوکھلا اٹھا۔

"بس بس... ہم سمجھ گئے۔"

"تب تو مجبوری ہے۔" عمران شرما گیا۔

"گویا ہماری منزل ایک ہی ہے۔"

"بس اب میں کیا عرض کروں۔" وہ اور زیادہ شرما گیا۔

"کیا نئی نویلی دلہن بھی اس طرح شرماتی ہوگی۔" خان رحمان مسکرا دیے... باقی بھی مسکرانے لگے...

وہ دن انہوں نے تھکن اتارنے میں گزارا۔ دوسرے دن صبح سویرے انہوں نے کشوبا اور کچھ دوسرے بڑی عمر کے جنگلیوں کو ساتھ لیا اور آگے روانہ ہوئے... اب ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی... لہٰذا سفر اطمینان سے طے ہوتا چلا گیا... چھ دن کے سفر کے بعد کشوبا نے انہیں بتایا:

"جنگل کا سرا آ گیا ہے... یہاں سے بٹوما شروع ہو رہا ہے..."

"بہت خوب! ہماری واپسی اسی راستے سے ہوگی... واپسی کے سفر میں ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی..."

"آپ فکر نہ کریں... میں اور ساتھی آپ کی مدد کے لیے تیار رہیں

گے... اور آپ لوگوں کا انتظار کریں گے۔" کشوبا نے کہا۔

"رخصت ہونے سے پہلے ہم آپ کو دین کے بارے میں بھی بتاتے چلیں۔ ورنہ قیامت کے دن ہماری پوچھ ہوگی کہ تم نے ان لوگوں کو میرا پیغام کیوں نہیں دیا تھا..." یہ کہنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے دین کی موٹی موٹی باتیں انہیں بتائیں۔ ان کا یہ لیکچر تقریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا... پھر وہ بولے:

"آپ جا کر اپنے ساتھیوں کو یہ باتیں بتائیں... اگر ہم اس مہم سے زندہ واپس آ گئے تو آپ کو ضروری ضروری تمام باتوں کی تعلیم دے کر ہی اپنے وطن کا رخ کریں گے۔"

"بہت خوب! لیکن ہم حیران ہیں... آپ چند افراد پورے بٹوما سے کیسے مقابلہ کر لیں... یہ تو شیطانوں کا شہر ہے۔"

"ج... جی... کیا کہا آپ نے شیطانوں کا شہر؟" فاروق بوکھلا کر بولا۔

"کک... کیوں... کیا ہوا آپ کو۔" کشوبا گھبرا گیا۔

"میرا مطلب ہے... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"میں... میں سمجھا نہیں... یہ صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔" کشوبا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہ ہی سمجھیں..." آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"ال... لو۔" عمران نے خوف کے عالم میں کہا۔

"ال... لو... کیا مطلب۔" انسپکٹر جمشید بری طرح چونکے۔

"اُلّو۔" عمران نے اور زیادہ خوف زدہ ہو کر کہا۔

"آپ نے ہم میں سے کسے اُلّو کہا... پہلے تو یہ وضاحت کر دیں۔"

شوکی نے منہ بنایا۔

''قق... مم... ہپ۔'' عمران گڑبڑا گیا۔

''بے چارے کے ذہن پر قید کا اثر ہے۔'' پروفیسر داؤد مسکرائے۔

''نن... نہیں... اُلو... مم... مجھے بے شمار اُلو نظر آ رہے ہیں... ان گنت اُلو... اُلو ہی اُلو۔'' وہ ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔

''کیا ہو گیا بھائی... یہ اُلو یہاں کہاں سے آ گئے۔ ہمیں تو دور دور تک کوئی اُلو نظر نہیں آ رہا۔'' خان رحمان نے بُرا سا منہ بنایا۔

''آپ... آپ میری آنکھوں سے دیکھیں۔'' عمران نے مشورہ دیا۔

''لو اور سنو... اب ہمیں ان کی آنکھوں سے دیکھنا ہو گا۔''

''لائیے انکل۔'' شوکی بولا۔

''کک... کیا لاؤں۔''

''آنکھیں... اور کیا...''

''مم... ہپ... میں غلط نہیں کہہ رہا... اُلوؤں کا لشکر چلا آ رہا ہے۔''

''ارے باپ رے۔'' انسپکٹر جمشید چلائے۔

''اب... اب آپ کو کیا ہوا؟''

عین اس لمحے انہیں یوں لگا جیسے ہزاروں پرندے ان کے جسموں سے ٹکرا گئے ہوں... وہ اچھل اچھل کر گرے۔

☆☆☆☆☆

چاندی کی دیوار

چند منٹ تک وہ ساکت پڑے رہے... پھر انہوں نے چاروں طرف آنکھیں گھمائیں... لیکن آس پاس کوئی پرندہ نظر نہ آیا:

''یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔'' خان رحمان بڑبڑائے۔

''جب کہ خان رحمان! اس میں سمجھ نہ آنے والی کوئی بات بھی نہیں... دیکھو نا... سربال کے ساتھ ہمارے لمحات کیسے گزرے... کیا نہیں ہوا ہمارے ساتھ... پھر سمندر میں جن نما ستون... یا ستون نما جن سے ملاقات ہوئی... وہ جن یہاں بھی نظر آیا اور اب پرندوں کی صورت میں بھی جن ہی تھے۔''

''لیکن ہمیں تو کوئی پرندے نظر نہیں آئے۔'' اخلاق نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

''پرندے تو خیر ہمیں بھی نظر نہیں آئے۔'' آصف نے جلدی سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے... وہ صرف اور صرف انکل عمران کو نظر آئے ہیں۔''

''نن نہیں۔'' عمران ہکلایا۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نظر تو خیر مجھے بھی نہیں آئے تھے۔"

"تب پھر آپ نے اُلّو اُلّو کی رٹ کیوں لگائی تھی۔" پروفیسر داؤد برا سا منہ بنا کر بولے۔

"وہ... مجھے اُلّوؤں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی تھی۔"

"حیرت ہے... کیا اُلّوؤں کی پھڑ پھڑاہٹ خاص قسم کی ہوتی ہے۔" فرحت نے آنکھیں گھمائیں۔

"یہ آپ اپنے انکل منور علی خان سے پوچھیں۔" عمران مسکرایا۔

"اوہ ہاں واقعی... کیوں انکل۔"

"اس بارے میں مسٹر علی عمران نے ٹھیک کہا ہے... پھڑ پھڑاہٹ کی آواز بھی اپنی اپنی ہوتی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ لوگ تو ہمیں پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ... الٹائے دے رہے ہیں... آگے کیا بنے گا۔" شوکی نے مارے خوف کے کہا۔

"وہی بنے گا جو اللہ بنائیں گے۔" کچھ اور تو بننے سے رہا۔" اشفاق مسکرایا۔

اس جگہ سے کشوبا اور اس کے ساتھی لوٹ گئے... اور وہ آگے بڑھے... جنگل اس جگہ ختم ہو گیا تھا اور آگے ایک کھلا میدان نظر آ رہا تھا... کشوبا نے اس میدان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بٹوما میں شامل ہے... لہٰذا وہ اس طرف نہیں جا سکتے۔"

انہیں میدان میں دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہ آیا... نہ کوئی انسان، نہ پرند، نہ چرند۔

"اللہ مالک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور میدان میں قدم رکھ دیا۔

ادھر انہوں نے قدم رکھا... ادھر بے شمار گھوڑے سوار ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے... ان کے ہاتھوں میں ہتھیاروں کے بجائے عجیب و غریب چھڑیاں تھیں۔ ٹیڑھی میڑھی بھدی اور بدصورت چھڑیاں... ان پر عجیب و غریب کانٹے سے تھے۔ ان کے سروں پر نوک دار لوہے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ گویا ضرورت کے مطابق انہیں خطرناک ہتھیاروں کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا:

"کیا خیال ہے خان رحمان۔"

"پہلے بات کر لیتے ہیں... اگر یہ لڑنے پر آمادہ ہوئے تو ہم بھی مقابلہ کریں گے۔" یہ کہہ کر خان رحمان آگے بڑھے اور بلند آواز میں بولے:

"کیا چاہتے ہو۔"

انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں... بدستور اسی طرح گھوڑوں پر بیٹھے رہے:

"کیا گونگے ہو۔" خان رحمان نے کہا۔

"خان رحمان... مختلف زبانوں میں اپنے الفاظ دہراؤ... ہو سکتا ہے... یہ انگریزی سمجھتے ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

خان رحمان نے ایسا ہی کیا... مگر وہ ہونقوں کی طرح گھوڑوں پر بیٹھے رہے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کو کچھ خیال آیا... وہ دل ہی دل میں مسکرائے پھر انہوں نے چند سورتوں کی تلاوت کی... اچانک تمام گھوڑے سوار غائب ہو گئے۔ اب انہوں نے کہا:

"یہ بھی جنات تھے۔"

"کمال ہے... ان حرکتوں سے یہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہتے

ہیں... بھلا اس طرح ہم خوف زدہ ہو جائیں گے... آؤ..."

"ارے ہاں... انکل عمران... کیا اس مہم میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید روانہ نہیں ہوئے تھے۔" ایسے میں محمود پوچھ بیٹھا۔

"میں ان کے بارے میں کیو جانوں... کیا وہ میرے رشتے دار ہیں۔" عمران بولا۔

"رشتے دار نہ سہی... ہم ایک ملک کے تو ہیں اور ایک ہی مہم اس وقت ہمارے سامنے ہے، عام طور پر ہم لوگ اسی قسم کے کاموں کے لیے ہیں۔" صفدر بھنا کر بولا۔

"ہوں گے... میری جانے بلا۔"

"عجیب آدمی ہو۔" خان رحمان جھلا اٹھے۔

"اس میں شک نہیں۔" صفدر مسکرایا۔

"جی... کس میں۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"یہ کہ مسٹر علی عمران عجیب آدمی ہیں، بلکہ عجیب ترین ہیں۔" صفدر نے کہا۔

"یار تم میری اتنی تعریف نہ کرو... ہاں نہیں تو میں..." عمران نے گویا اسے دھمکی دی۔

"ہاں نہیں تو کیا۔" شوکی جلدی سے بولا، ساتھ ہی اس نے دیدے گھمائے۔

"یار تم تو کچھ کچھ اپنی طرف کے لگتے ہو۔" عمران نے شوکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"او ہو اچھا۔" شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ بات تو رہ ہی گئی... ہاں نہیں تو کیا؟" آفتاب بول اٹھا۔

"ہاں نہیں تو بُرا مان جاؤں گا۔" عمران شرما کر بولا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کک... کیا ہوا میاں... خیر تو ہے۔" عمران گھبرا گیا۔ اور وہ ہنسنے لگے۔

"میرا خیال ہے... ہم باتوں ہی باتوں میں بہت دور نکل آئے..." انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہاں واقعی... اب واپس لوٹ چلنا چاہیے۔" فاروق نے سنجیدہ انداز اختیار کیا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھے... اب جنگل کا سرا انہیں نظر آنے لگا تھا اور انہیں اپنے سامنے چاندی جیسی ایک دیوار نظر آرہی تھی۔ اس پر دھوپ کی روشنی پڑ رہی تھی اور اس سے جو چکا چوند ہو رہی تھی... وہ انہیں دیوار کا اچھی طرح جائزہ نہیں لینے دے رہی تھی۔

"چچ... چاندی کی دیوار۔" محمود نے بے ساختہ انداز میں کہا۔

"یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"حد ہو گئی... ایسے میں ناول کے نام سوجھ رہے ہیں انہیں... اور یہاں سوال یہ ہے کہ اب ہم اس دیوار کو کیسے پار کریں گے... یہ تو آسمان سے باتیں کرتی نظر آرہی ہے... اور اس میں رخنے وغیرہ بھی نہیں ہیں... یہاں تو شاید انکل منور علی خان کا آنکڑہ بھی کوئی کام نہ دکھا سکے۔" آصف کہتا چلا گیا۔

"میں اسے آزماؤں گا ضرور۔"

"آنکڑہ ناکام واپس آئے گا۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"تب ہم انسانی سیڑھی بنائیں گے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"انسانی سیڑھی... یہ... یہ کیا ہوتی ہے بھئی۔" صفدر نے بوکھلا کر کہا۔

"یار صفدر عسید... تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔" عمران نے منہ بنایا۔

"لو اور سنو... صفدر عسید... کہ گئے... صفدر سعید صاحب کو۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"آپ کا شکریہ..." صفدر ہنسا۔

"کس بات پر؟" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"اس پر کہ انہوں نے صرف صفدر عسید کہا ہے... ورنہ یہ تو میرے نام کی ایسی مٹی پلید کرتے ہیں کہ اٹھائی جائے، نہ دھری جائے۔" صفدر بولا۔

"کیا اٹھائی جائے نہ دھری جائے۔"

"مٹی اور کیا۔" صفدر بولا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا... لیکن وہ آصف کی ران پر لگا۔

"یار اب تم اپنی نظر درست کروا بھی لو۔" آصف جھلا اٹھا۔

"حضرات میں آپ لوگوں کو خبردار کیے دیتا ہوں۔" ایسے میں اخلاق کی آواز گونجی۔

"بہت بہت شکریہ!" عمران خوش ہو گیا۔

"یہ پوچھا نہیں کہ کس بات پر خبردار کر رہے ہیں... اور شکریہ ادا کر ڈالا۔ شوکی نے منہ بنایا۔

"یہ تم پوچھ لو۔" آفتاب بول اٹھا۔

"میں آپ لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں، یہ دیوار برابر ہماری طرف آ

رہی ہے... درمیانی فاصلہ لحہ بہ لمحہ کم ہو رہا ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اب انہوں نے غور کیا تو واقعی دیوار ان کی طرف چلی آ رہی تھی

"ارے باپ رے... اب... اب کیا کریں... یہ تو ہمیں دھکیل دے گی دوبارہ جنگل میں... اس طرح ہم اپنی منزل سے نزدیک ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے۔" خان رحمان نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے تو یہ جادو کی دیوار نظر آ رہی ہے۔" پروفیسر بولے۔

"اگر یہ صرف جادو کی ہے... یعنی اس کا وجود نہیں ہے، صرف ہمیں نظر آ رہی ہے... تو اس صورت میں میں اس دیوار سے نبٹ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے جمشید... پہلے تو تم اپنی کوشش کر لو۔" پروفیسر بولے۔

اب انسپکٹر جمشید دیوار کی طرف قدم اٹھانے لگے... باقی لوگ دم بخود سے وہیں رک گئے... انسپکٹر جمشید بے خوفی کے عالم میں آگے بڑھ رہے تھے... ایسے میں صفدر نے عمران سے کہا:

"عمران صاحب! آپ آگے نہیں جائیں گے۔"

"نن... نہیں... میں ایسی بہادری دکھانے کا قائل نہیں... میں تو جنگل کی طرف دوڑ لگانا پسند کروں گا۔"

"بزدلی تو کوئی آپ سے سیکھے۔" صفدر نے برا سا منہ بنایا۔

"پہلے تو پھر تم ہی سیکھ لو۔"

صفدر برا سا منہ بنا کر رہ گیا... ادھر انسپکٹر جمشید برابر آگے بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ دیوار سے بالکل نزدیک ہو گئے... اب انہوں نے آیت الکرسی اور سورۃ المومنین کی چند آیات تلاوت کیں... اس کے بعد آخری

تین سورتیں تلاوت کیں... لیکن دیوار برابر ان کی طرف بڑھتی رہی... اب وہ الٹے قدموں ان کی طرف آنے لگے... یہاں تک کہ ان کے پاس آ کر رک گئے

''کوئی بات نہیں جمشید... اگر یہ دیوار جادو کی نہیں تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔'' خان رحمان نے پرجوش انداز میں کہا۔

''لیکن ہم کیا کریں انکل۔''

''سب لوگ ہاتھوں سے روکنے کے لیے زور لگائیں۔''

''لیکن...'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''لیکن کیا کامران مرزا۔''

''اگر ہمارے روکے یہ رک گئی تو بھی اس سے کیا ہو جائے گا۔''

''پہلے یہ کوشش تو کر لیں۔''

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ دیوار سے لگا دیے، دوسرا لرزہ دینے والا تھا... وہ یک دم بہت اونچا اچھلے اور جنگل کی طرف جاتے نظر آئے... انہیں یوں لگا جیسے کوئی تیر کمان سے نکل کر جنگل کی طرف گیا ہو۔

☆☆☆☆☆

ہنڈولہ

وہ دیوار کو بھول کر انسپکٹر جمشید کی طرف دوڑ پڑے... ان پر حد درجے بدحواسی طاری ہو چکی تھی... انہوں نے انسپکٹر جمشید کو بالکل صاف طور پر فضا میں اڑ کر جاتے دیکھا تھا... آخر دوڑتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ گئے... جہاں انسپکٹر جمشید گرے تھے... ان کے سر، چہرے اور ہاتھوں پر زخم آئے تھے... گھٹنوں پر سے کپڑے پھٹ گئے تھے، وہاں بھی خون نظر آ رہا تھا... وہ مکمل طور پر بے ہوش تھے۔

ان کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے... پروفیسر داؤد نے ان کے منہ میں فوراً [illegible] دوا کے چند قطرے ٹپکائے... انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ مل کر ان کے زخموں پر پٹیاں کرنے لگے... ایسے میں اخلاق چلایا:

''وہ اور نزدیک آ گئی ہے۔'' اخلاق نے ان سب کو خبردار کیا۔

''کیا!!!'' وہ چلا اٹھے۔ پھر دیوار کی طرف دیکھا... دیوار بدستور ان کی بڑھ آ رہی تھی... اس کے راستے میں آنے والے درخت ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے جا رہے تھے۔ بالکل اس طرح گویا وہ کوئی دھوئیں کی دیوار تھی... کسی ٹھوس چیز کی نہیں تھی... لیکن اس دیوار سے ٹکرا کر انسپکٹر جمشید کا کیا حال ہوا تھا... یہ بات بھی ان کے سامنے تھی... اب اگر وہ ٹھوس دیوار تھی تو

اس کے راستے میں رکاوٹ کیوں نہیں بن رہے تھے... اور اگر وہ دھویں
کی چیز کی دیوار تھی تو پھر انسپکٹر جمشید اس سے ٹکرا کر اتنی دور کیوں جا گرے

انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید ابھی تک بے ہوش پڑے تھے...
لمحہ بہ لمحہ نزدیک ہوتی جا رہی تھی:

''میں انہیں اٹھا لیتا ہوں... اس طرح ہم اس دیوار کے مخالف سمت
بڑھ سکیں گے۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں کندھوں پر اٹھا

''عمران صاحب! آپ کیوں انہیں نہیں اٹھا لیتے۔'' صفدر نے دبی
آواز میں کہا... لیکن فرزانہ نے اسی وقت صفدر کی طرف چونک کر دیکھ لیا...
یہ کا... طلب تھا، اس کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچ گئے تھے۔ یہ بات صفدر نے
بھی محسوس کر لی:

''ان کے ساتھی نے انہیں اٹھا تو لیا ہے...'' عمران نے منہ بنایا۔
''ہم بھی اب ان کے ساتھی ہیں... یہ سب اب ہمارے ساتھی
... مہم بھی الگ الگ نہیں... قدرت نے ہمیں ایک ہی مہم کے تحت
... '' صفدر نے جلے کٹے انداز میں کہا۔
ہاں! تو ہم ان کا ساتھ دے تو رہے ہیں... اور کس طرح ساتھ

''... جاؤ... عمران صاحب۔'' صفدر جل گیا۔
''ہائیں... تو کیا میں سب کے ساتھ جا نہیں رہا ہوں۔''
صفدر برا سا منہ بنا کر رہ گیا... ادھر سب ساتھی اب پیچھے ہٹ

رہے تھے... اور ان کی رفتار کافی تیز تھی... انہوں نے بھی رفتار تیز کر دی...
لیکن بہت جلد انہوں نے جان لیا کہ دیوار کی رفتار ان سے تیز تھی... وہ تیز دوڑ
کر بھی اس کی پہنچ سے نہیں بچ سکتے تھے۔''

''یہ... یہ تو ہمیں آ لے گی۔'' محمود چلایا۔
''ہم اب کر بھی کیا سکتے ہیں... اب تو انکل بھی بے ہوش ہیں...
قرآن کریم کی کچھ سورتیں ہی پڑھ دیتے... اور اگر یہ جادو کی دیوار ہے تو اس
کے آگے بڑھنے کا سلسلہ رک سکتا تھا...''
''آیات تو میں بھی پڑھ سکتا ہوں... ہم میں سے کئی پڑھ سکتے ہیں۔''
پروفیسر بولے۔
''تو پھر جلدی شروع کریں۔''
جن جن کو ایسی آیات آتی تھیں... وہ پڑھنے لگے... لیکن
دیوار کا ان کی طرف بڑھنے کا سلسلہ نہ رکا:
''یہ دیوار جادو کی نہیں... سائنس کی ہے۔'' ایسے میں انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

''اور ایک اور خوفناک خبر یہ کہ یہ دیوار اب دائرے کی صورت اختیار
کرتی جا رہی ہے۔'' فرحت کی آواز لہرائی۔
''کیا مطلب؟'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
''ہاں... دیکھ لیں... اس کے سرے اگرچہ نظر نہیں آ رہے... لیکن
یہ گولائی میں نظر آنے لگی ہے... اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں گھیر رہی ہے... اور
اگر...'' فرحت کہتے کہتے رک گئی۔
''اور اگر کے بعد تمہاری گاڑی رک کیوں گئی۔'' فاروق جل گیا۔

"اور اگر... اس کا دائرہ مکمل ہو گیا... تو جانتے ہو کیا ہو گا۔"

"ہاں بالکل جانتے ہیں۔" آصف فوراً بولا۔

"کیا ہو گا۔" فرحت نے اسے گھورا۔

"وہی ہو گا... جو اللہ کو منظور ہو گا۔" آصف مسکرایا۔

"اوہو... یہ تو ہمارا ایمان ہے... اس صورت میں ہم کس پوزیشن میں ہوں گے... بات تو یہ ہو رہی ہے۔"

"ہاں! بات تو یہ ہو رہی ہے۔" محمود نے آصف کو گھورا۔

"تب پھر تم بتاؤ۔" "اس صورت میں کیا ہو گا۔"

"ہو گا یہ کہ ہم اس دیوار کے... قیدی بن جائیں گے... یہ دیوار اس وقت ایک کنویں کی صورت اختیار کرے گی۔"

"ارے باپ رے۔" بہت سی آوازیں ابھریں۔

"تب تو بھاگ لینا چاہیے... کیونکہ اس صورت میں تو ہم بہت برے پھنسیں گے۔"

"بہت اچھے ہم پھنستے ہی کب ہیں۔" فاروق منمنایا۔

"بالکل یہی بات ہے... دیوار ایک دائرے کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے... اور ہمیں گھیرے میں لینے کی تیاری ہو چکی ہے... اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ہم اس دائرے سے نکل نہیں سکیں گے... لہٰذا بھاگنا بے سود ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے... آرام کی صورت تو نظر آئی۔" عمران نے کہا اور زمین پر لیٹ گیا۔ ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"حد ہو گئی... عجیب ہیں آپ کے ساتھی۔" محمود تلملا اٹھا۔

"یہ عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ غریب بھی ہیں۔" صفدر بولا۔

"آپ کی ان سے کیسی بنتی ہے۔" آصف ہنسا۔

"میں ٹھہرا ماتحت... کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"میں سب سن رہا ہوں۔" عمران نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"تو یوں کہیں نا... سو نہیں رہے... سونے کی اداکاری کر رہے ہیں۔"

"یہ بات بھی غلط ہے... میں واقعی سو رہا ہوں... میرا مطلب ہے... یہ جملہ کہنے کے فوراً بعد۔"

"کیا واقعی۔" فاروق نے منہ بنایا... لیکن عمران کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"یہ حضرت واقعی سو گئے ہیں... آپ ان کی فکر چھوڑیں... دیوار کی فکر کریں۔" صفدر نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم دیوار کی فکر کیا کریں... دیوار ہماری فکر جو کر رہی ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

اور پھر دیوار نے دائرے کی صورت اختیار کر لی... گویا اب وہ دائرے میں قید ہو کر رہ گئے... اس سے نکل تو سکتے نہیں تھے کہ انسپکٹر جمشید کی حالت ان کے سامنے تھی۔ دائرہ مکمل ہوتے ہی، دیوار جس طرف سے آئی تھی، اس کا رخ اسی طرف ہو گیا۔ اس طرح عجیب کنویں کی دیوار ان سے نزدیک ہونے لگی... یہ دیکھ کر وہ سب بھی اس طرف بڑھنے لگے جس طرف یہ کنواں جا رہا تھا... ایک بس عمران تھا جو گہری نیند کے مزے لے رہا تھا... اور اب تو اس کے خراٹے بھی گونج رہے تھے۔ صفدر یہ دیکھ کر گھبرا گیا... اس نے اس کا کندھا

پکڑ کر زور سے جھنجھوڑ ڈالا اور بولا

''عمران صاحب اٹھیے... ورنہ آپ کی حالت بھی وہی ہوگی۔''

عمران نے ڈرے ڈرے انداز میں آنکھیں کھول دیں... ساتھ ہی بولا:

''کک... کیا ہوا... مم... میں کہاں ہوں... دھت تیرے کی... یار صفدر یہ تو تم ہو... حالانکہ خواب میں میں اس وقت بہت حسین اور جمیل جن کے ساتھ اڑا چلا جا رہا تھا۔''

''کیا کہا... حسین اور جمیل جن...'' کئی حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔

''مم... میرا مطلب ہے... حسین و جمیل پری۔'' اس نے فوراً کہا۔

''دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر کہا۔

عین اس لمحے کنوئیں کی نچلی سطح پر بھی فرش بننے لگے... وہ بھی دائرے کی صورت چاروں طرف سے بڑھ رہا تھا... اور اس کا مطلب تھا کہ ان کے لیے جگہ لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہی تھی:

''یہ... یہ کنواں ہمیں نہیں چھوڑے گا۔'' آصف چلا اٹھا۔

''کوئی بات نہیں... ہم بھی اسے نہیں چھوڑیں گے۔'' محمود نے پر جوش لہجے میں کہا۔

''کک کیسے۔'' شوکی ہکلایا۔

''اس کنوئیں کو اور ارے ارے... یہ کیا۔'' محمود مارے حیرت کے چلا اٹھا۔

''اب کیا ہوگا بھائی۔''

''اوپر سے جھولا نما رسیاں لٹکائی گئی ہیں... اور یہ دائرہ مکمل ہونے کو ہے... مطلب یہ کہ جونہی دائرہ مکمل ہوگا... ہمیں چھو لے گا اور پھر ہمارا وہی حال ہوگا... جو ابا جان کا ہوا تھا۔''

''محمود... ٹھیک کہہ رہا ہے... ان جھولوں پر بیٹھ جائیں، رسیوں کو تھام لیں۔'' پروفیسر داؤد نے بلند آواز میں کہا۔

''اور... اور ابا جان۔'' فرزانہ چلائی۔

''ان کی تم فکر نہ کرو... انہیں میں کندھے پر اٹھا کر جھولے پر بیٹھ رہا ہوں۔''

''کک... کیا... آپ کے لیے مشکل نہیں ہوگا انکل۔''

''ہوگا تو... لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔''

اور پھر وہ سب جھولوں پر بیٹھ گئے... جلد ہی نیچے دائرہ مکمل ہوگیا... اب وہ چاروں طرف سے ایک سلنڈر نما چیز میں بند ہو چکے تھے اور پھر انہوں نے اس سلنڈر کو اوپر اٹھتے دیکھا... انہیں یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑا سلنڈر اوپر اٹھ رہا ہو... اور وہ اس سلنڈر کے اندر رسیوں پر بیٹھے جھول رہے ہوں۔

''واہ مزہ آگیا... بچپن میں میری اماں مجھے اس طرح کے جھولے میں جھولا جھلایا کرتی تھیں۔'' عمران نے خوش ہو کر کہا۔

''اماں جاؤ۔'' خان رحمان جھلا اٹھے۔

''جج... جی اچھا۔'' عمران نے فوراً کہا۔

''کیا جی اچھا۔'' پروفیسر داؤد نے اسے گھورا۔

"چلا جاتا ہوں... ذرا اس ہنڈولے کا دروازہ کھل لے۔"

"ہنڈولہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"اوہ واقعی... اس کا اس سے زیادہ مناسب نام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" منور علی خان چونکے۔

"شش شکریہ!" عمران لڑکیوں کی طرح شرما گیا۔

"آخر یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے۔" آصف کی آواز گونجی۔

"بٹوما... جہاں ہم جانا چاہتے تھے... یہ لوگ خود ہی ہمیں لے جا رہے ہیں... اور ہمیں کیا چاہیے۔"

"لیکن! ہم اس ہنڈولے میں بالکل بے بس ہیں۔" فرحت بولی۔

"آخر بٹوما لے جا کر تو اس سے نکالیں گے نا۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ... یہ میں کہاں ہوں... ایسا لگتا ہے... جیسے ہوا میں اڑ رہا ہوں اور... یہ... یہ ضرور کوئی خواب ہے۔"

انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی، ان کے چہروں پر رونق آ گئی:

"اللہ کا شکر ہے... آپ ہوش میں تو آئے۔"

"اوہ ہاں! یاد آیا... مجھے اس دیوار نے اچھال پھینکا تھا... اور یہ کیا... کامران مرزا! یہ آپ نے مجھے کندھے پر اٹھا رکھا ہے۔" وہ چونک گئے۔

"مرتا کیا نہ کرتا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"مجھے افسوس ہے... آپ کو نہ جانے کتنی دیر تک مجھے اٹھانا پڑا ہو گا۔"

"اس کی تو خیر کوئی بات نہیں۔"

اور پھر انسپکٹر جمشید ان کے کندھے سے اتر کر ایک جھولے پر بیٹھ گئے:

"خوب جھولا ہے۔" انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لے کر کہا۔

"ہمارے دوست عمران نے اس کا نام ہنڈولہ رکھا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جو کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" آفتاب بولا۔

"ہے کوئی تک اس جملے میں۔" آصف جل گیا۔

"اب اس ہنڈولے میں تک کی بات کیسے کی جائے۔" محمود ہنس دیا۔

"چلو اچھا ہے... یہ ہمیں خود ہی بٹوما لے جا رہے ہیں... ہم مزید مشقت سے بچ گئے۔"

"اور آگے بھی مزید مشقت سے بچ جائیں گے ہاہاہا..." عمران نے یک دم کہا اور پھر یک دم خاموش بھی ہو گیا۔

"کیا مطلب انکل عرفان۔" مکھن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

عمران نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں... بس دیدے گھماتا رہا اور منہ چلاتا رہا... جیسے چیونگم چبا رہا ہو:

"عمران صاحب کا مطلب ہے... اب ہم پوری طرح ان کے قابو میں ہیں... لہٰذا آگے جا کر بھی ہمیں کچھ ہاتھ پیر نہیں ہلانے پڑیں گے۔" صفدر

ہنسا۔

"ہم لوگ ایسے خیالات پالنے کے عادی نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"کوئی بات نہیں خیالات ہمیں پالنے لگ جائیں گے۔" عمران ہنسا۔

"حد ہوگئی... کیا آپ ہم میں مایوسی پھیلانے کے لیے ہمارے ساتھ نظر آرہے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

"ن... م... مپ... سوری۔" عمران گڑبڑا گیا۔

ان کا یہ انوکھا سفر جاری رہا... پھر انہوں نے ایک عجیب سی وادی میں اس کنویں کو اترتے دیکھا... اس کے چاروں طرف عجیب وغریب عمارات تھیں... یہ عمارتیں آٹھ کونوں والی تھیں اوپر سے بالکل پتلی اور نیچے سے بہت چوڑائی میں تھیں... پھر کنواں خود بخود غائب ہوگیا اور انہوں نے خود کو وادی کی پتھریلی زمین پر پایا...

انہوں نے چاروں طرف دیکھا... پھر انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا:

"کیا یہاں کوئی ہے... جو ہم سے بات کرے۔"

ان کے اس جملے کے جواب میں ایک عمارت کے اوپر والے نوکیلے سرے پر نیلے رنگ کا ایک بلب جل اٹھا... اور اس کی روشنی چاروں طرف گھومنے لگی:

"کیا ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم اس عمارت میں چلے آئیں۔" خان رحمان بولے۔

"ایسا ہی لگتا ہے... ہم یہاں رک کر بھی کیا کریں گے... ہمارے چاروں طرف بلند و بالا پہاڑ ہیں... یہاں سے نکلنے کا پیدل راستہ کوئی نہیں ہے... ہاں رائڈم قسم کی کسی چیز کے ذریعے سے ضرور یہاں سے نکل سکتے ہیں... لیکن فی الحال تو ہمیں یہاں سے نکلنے کی ضرورت بھی نہیں ہے... ہم تو خود یہاں آنا چاہتے تھے... آؤ چلیں دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

اور پھر ان کے قدم اس عمارت کی طرف اٹھنے لگے... نزدیک پہنچنے پر انہیں ایک تکون نما دروازہ عمارت میں نظر آیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور دروازہ اور کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔

"محمود ذرا دیکھنا..."

محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا:

"آؤ... بسم اللہ کرو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اندر داخل ہوگئے۔

سب ان کے پیچھے اندر داخل ہوئے... ان کے سامنے ایک پتلی سی راہداری تھی... اسے عبور کر کے وہ ایک دروازے تک پہنچے... اسے دھکیلا گیا تو وہ بھی کھل گیا... دروازہ کھلنے پر انہیں ایک بہت بڑا ہال نظر آیا... اس کے درمیان میں ایک تکون میز رکھی گئی تھی... اس کے گرد بیس کے قریب کرسیاں تھیں... وہ کرسیاں بھی تکون تھیں... اور کسی عجیب سی دھات کی تھیں۔ میز بھی اسی دھات کی تھی... دھات کا رنگ سرمئی تھا۔ انہیں حیرت کا جھٹکا اس وقت لگا جب انہوں نے دو آدمیوں کو دو کرسیوں پر بیٹھے پایا۔ ان کے سر میز پر رکھے تھے... گویا وہ میز پر سر رکھے سو رہے تھے...

ایک ایک قدم چلتے وہ ان سے نزدیک ہوتے چلے گئے اور پھر

ان کے قدموں کی آہٹ سن کر جونہی ان دونوں نے سر اٹھائے... وہ سب کے سب بہت زور سے اچھلے:

☆☆☆☆☆

کیسی لہریں

وہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید تھے... ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیارانہ انداز میں نکلا:

"آپ!!!"

"آپ!!!" جواب میں انہوں نے بھی یہی کہا۔ کرنل کی آنکھوں سے گہری نیند جھانک رہی تھی۔

"حیرت ہے... کمال ہے، خوشی ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"حد ہوگئی... جملہ ہی بدل دیا... بھول گئے... ہم کہا کرتے ہیں، حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے۔" محمود جھلا اٹھا۔

"یہ موقع افسوس کا نہیں... خوشی کا ہے۔" فاروق اس کی طرف الٹ پڑا۔

"خوشی کا کیسے... ہم یہاں قیدی ہیں... اور شاید بے بس ہیں..." آصف بولا۔

"قید ہو جانا اور قید میں بے بس ہو جانا... یہ معمول کی باتیں ہیں۔" آفتاب نے بھی حصہ لیا۔

"توبہ ہے... تم لوگوں سے... نئے ملنے والے ساتھیوں سے بات

تک نہیں کرنے دی اور شروع ہو گئے۔'' پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔
'' آپ کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی... لیکن آپ پھنس کیسے گئے۔''
'' بس! بٹوما تو آنا تھا... سوچا ان کی مرضی کے مطابق کیوں نہ یہاں آیا جائے... اس طرح آسانی رہے گی... بس پھر ہم دونوں جان بوجھ کر ان کے جال میں آ گئے اور یہ لوگ ہمیں لہروں کے ذریعے یہاں لے آئے۔''
'' لہروں کے ذریعے... آپ کا مطلب ہے... ہندولے کے ذریعے۔'' عمران کی آواز ابھری۔
کرنل فریدی اور کیپٹن حمید چونک کر اس کی طرف مڑے:
'' اوہ! تو یہ حضرت بھی ہیں آپ لوگوں کے ساتھ۔'' کرنل بولے۔
ان کا جملہ سنتے ہی عمران لگا شرمانے۔
'' معلوم ہوا... ہم سب کی منزل بٹوما ہے۔'' خان رحمان مسکرائے۔
'' تت... تو کیا یہ بٹوما ہے۔'' پروفیسر بولے۔
'' لگتا تو بٹوما ہی ہے... لیکن... ہو سکتا ہے، یہ بٹوما نہ ہو'' عمران نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
عین اس لمحے کمرے کی ایک دیوار روشن ہو گئی... معلوم ہوا۔ وہ سکرین تھی... اس پر پہلے لکھا نظر آیا:
'' خوش آمدید پیارے دشمنو!''
'' ہائیں! کیا دشمن بھی پیارے ہوتے ہیں۔'' شوکی نے حیران ہو کر کہا۔
'' صرف آپ لوگ پیارے دشمن ہیں۔'' سکرین پر لکھا نظر آیا۔

'' آپ منہ سے کیوں نہیں بول لیتے۔''
'' اچھی بات ہے۔'' اس مرتبہ آواز آئی... الفاظ بھی نظر آئے۔
'' یہ سب کیا چکر ہے... آپ لوگ ہمیں یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔'' محمود بولا۔
'' ہم نہیں اٹھا لائے۔ آپ خود اٹھ آئے۔'' آواز گونجی... وہ ایک بھاری بھرکم آواز تھی۔
'' خیر... یونہی سہی... ہمارے ملک کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر خان کہاں ہیں۔'' فرزانہ بے تابانہ بولی۔
'' ابھی سکرین پر نظر آ جاتے ہیں... آپ سے باتیں بھی کریں گے۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر عبدالقادر سکرین پر نظر آئے... ادھر انہوں نے بھی ان سب کو دیکھ لیا... وہ بہت زور سے اچھلے:
'' یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... آپ لوگ کہاں ہیں... کیا اپنے ملک میں ہیں اور یہ وہاں سے بھی فوکس کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔
'' یہ تو ہمیں معلوم نہیں پروفیسر صاحب... کہ یہ کس کس بات کے قابل ہو چکے ہیں... لیکن اس وقت ہم یہیں بٹوما میں موجود ہیں۔''
'' کیا!!!'' مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔
'' اس میں اس قدر خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے پروفیسر انکل۔'' فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔
'' اس میں اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت یہ ہے کہ میں جب یہاں لایا گیا تھا... اسی وقت میں نے آپ لوگوں کا انتظار شروع کر دیا تھا...

اور میں سوچتا رہا کہ آپ لوگ یہاں ضرور پہنچیں گے اور اس سارے کھیل کی بساط لپیٹ کر رکھ دیں گے ... لیکن اب میں جو دیکھ رہا ہوں... اس نے تو میرے سارے خواب چکنا چور کر دیے ہیں۔"

"اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"یہ کہ آپ لوگ بھی ان کی قید میں ہیں اور یہ دیکھ کر تو میرے دکھ میں اور اضافہ ہو گیا ہے کہ آپ لوگوں میں مجھے کرنل فریدی اور علی عمران بھی نظر آ رہے ہیں... گویا ہمارے ملک کے سبھی ہیروز اس وقت ان لوگوں کی قید میں ہیں۔"

"مایوسی گناہ ہے پروفیسر انکل ... آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں گے۔" محمود نے جذباتی انداز میں کہا۔

"میرا بھروسہ اسی پر ہے... لیکن انسان ہونے کے ناطے گھبرا جانا بھی قدرتی بات ہے۔"

"چلیے خیر! آپ کو اجازت ہے۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اجازت ہے... کس بات کی۔"

"گھبرا جانے کی۔"

"حد ہو گئی۔" پروفیسر عبدالقادر نے بھنا کر کہا۔

"اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں... کیا ان لوگوں نے آپ سے پن کوڈ معلوم کر لیے ہیں۔"

"اس میں تو یہ اب تک فیل ہیں... اللہ کا شکر ہے۔"

"اور ایسا کس طرح ہو سکا۔"

"اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت زبردست قوتِ ارادی عطا کی ہے....

میری اس قوتِ ارادی کے مقابلے میں ان کے ماہرین تگنی کا ناچ ناچ چکے... لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"اوہ اوہ... کیا واقعی۔"

"اور مجھے جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے... اب ہم انہیں دیکھ لیں گے۔"

"بس یہی کام مشکل ہے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے... ہم انہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔" شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں!" وہ بولے۔

"کیوں انکل! کیا ہماری نظر کمزور ہو جائے گی۔" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

اور سب مسکرانے لگے... پھر محمود نے کہا:

"آخر ہم انہیں کیوں نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"یہاں تم کس سے مقابلہ کرو گے... یہاں تو صرف مشینیں کام کرتی ہیں... جن کام کرتے ہیں... شیطان کام کرتے ہیں... ان سب کی لگام جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں... وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔"

"تب پھر وہ کہاں ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم... میں نے اس پوری وادی میں گھوم پھر کر دیکھا ہے... ان کا اعلان ہے... کوئی اس وادی سے نکل کر کہیں جا سکتا ہے تو بے شک چلا جائے... کوئی پابندی نہیں... نہ اسے پھر قید کرنے کی کوشش کی جائے

گی... اور میں یہ کوشش بار بار کر چکا ہوں، لیکن یہاں سے نکل نہیں سکا... اب رہ گئی بات یہ کہ وہ لوگ کہاں بیٹھ کر اس سارے نظام کو کنٹرول کر رہے ہیں... یہ مجھے معلوم نہیں... تاہم اندازہ ہے کہ یہ بٹوما کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے... اصل بٹوما کہیں اور ہے... اور اصل لوگ وہاں بیٹھے ہیں... گویا ہم یہاں کچھ کر سکیں یا نہ کر سکیں... اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور انہیں کوئی نقصان نہیں ہو سکے گا۔"

"اچھی بات ہے... یہ آپ سے چاہتے کیا ہیں... کیا صرف اس بریف کیس کو کھلوانا اور پن کوڈ معلوم کرنا۔"

"میری حد تک تو ضرور یہی کام ہے... لیکن یہ لوگ یہاں بہت ہی عجیب و غریب اور ہولناک کام لے رہے ہیں... اس کی تفصیل یہ خود ہی بتائیں گے... اس کمرے میں یہاں آپ لوگوں کو لایا ہی اس لیے گیا ہے..."

"مجھے تو درمیان میں آپ لوگوں کی فرمائش پر لایا گیا ہے... کیوں مانکو... یہی بات ہے۔" انہوں نے کسی کو مخاطب کیا۔

"ہاں پروفیسر... بالکل ٹھیک کہا آپ نے... کاش آپ نے ہماری بات مان لی ہوتی... وارے نیارے ہو رہے ہوتے آپ کے یہاں۔" مانکو کی آواز ابھری۔

"یہ تو تم لوگ ہر اس آدمی سے کہتے ہو... جس پر قابو پا لیتے ہو... جو زبان نہیں کھولتا... لیکن مسٹر مانکو... میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر ان سب کے سامنے کہتا ہوں... مسلمانوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگ بے شک بہت پیدا ہوئے... لیکن ہر کوئی میر جعفر اور میر صادق نہیں ہوتا... تم مجھے بڑے سے بڑا لالچ دے کر بھی مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے... جتنا تم میں زور ہے

لگا لو... ہپناٹزم کے بڑے سے بڑے ماہر سے کام لے کر دیکھ لو... کسی بڑے سے بڑے جن کو مجھ پر مسلط کر کے دیکھ لو... سو ان لوگوں نے یہ سبھی کام کر کے دیکھ لیے، لیکن مجھ پر فتح نہیں پا سکے... اور ان شاء اللہ نہ پا سکیں گے... ان کی کامیابی اگر ہے تو صرف اس حد تک کہ یہ مجھے اغوا کر لائے ہیں اور پن کوڈ کا بریف کیس ان کے قبضے میں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں... اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں پہنچا دیا ہے... اب ہم انہیں دیکھ لیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اب آپ اپنی آپس کی باتیں کر چکے... پروفیسر سے ملاقات کر چکے، لہٰذا اب ہم بڑھتے ہیں... جیسا کہ پروفیسر نے آپ لوگوں کو بتایا... اس وادی کی حد تک آپ لوگ آزاد ہیں... اس سے نکل کر کسی سمت میں جا سکتے ہیں تو چلے جائیں... لیکن!"

"ایک تو کہیں نہ کہیں سے یہ لیکن ٹپک پڑتا ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

باقی لوگ مسکرانے لگے... ایسے میں آواز ابھری:

"اب ہم آپ لوگوں کو بتاتے ہیں... ہم پوری دنیا میں کیا کام کر رہے ہیں اور اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے ہم کس کس سے کیا کیا کام لے رہے ہیں... اور اسلامی ملکوں میں اور خاص طور پر پاک لینڈ میں جو حالات اس وقت ہیں یا پاک لینڈ کے پڑوسی اسلامی ملکوں میں جو کچھ ہو رہا ہے... یا پھر دوسرے بڑے اسلامی ملک میں جو ہو رہا ہے... وہ کس طرح ہو رہا ہے... کن ذرائع سے ہو رہا ہے... کر کون رہا ہے... بدنام کون ہو رہا ہے... اور جو کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں... انہیں کن کن باتوں کا ذمے دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ مارے حیرت کے نکلا۔

"فکر کی ضرورت نہیں... آپ لوگ ابھی دیکھ اور سن ہی لیں گے... لیجیے تفصیلات بیان کی جاتی ہیں... اب سکرین پر یہ الفاظ اور ان کے ساتھ اس وادی کی جگہیں نظر آنے لگیں... وہ ان الفاظ کو پڑھنے لگے... جگہوں کو بغور دیکھنے لگے... الفاظ کچھ یوں تھے:

"یہ علاقہ جس میں اس وقت آپ لوگ ہیں، دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے... آس پاس کے علاقوں کو بھی معلوم نہیں کہ یہاں اس وادی میں کوئی عمارت ہے اور اس عمارت میں کیا ہو رہا ہے... اس عمارت میں ہم کیا کھیل کھیل رہے ہیں... کوئی نہیں جانتا... دنیا کے ماہرین... اسلامی ملکوں کے موجودہ حالات کو دیکھ کر جو تبصرے کرتے ہیں، جو تجزیے کرتے ہیں، جو رائے ظاہر کرتے ہیں، جو اندازے قائم کرتے ہیں جو تخمینے لگاتے ہیں... اپنے اندازوں کی جو عمارتیں اٹھاتے ہیں... وہ سب کے سب اس عمارت میں ہونے والے کھیل سے بے خبر ہیں... اصل حقیقت اس عمارت کا کھیل سمجھے بغیر معلوم ہو ہی نہیں سکتی... لہٰذا جتنے تبصرے ہوتے ہیں، وہ سب کے سب غلط ہوتے ہیں... یہی ہم چاہتے ہیں... دنیا کو، یہودیوں کو، عیسائیوں کو، پارسیوں کو اور ہندوؤں کو اور خدا کو نہ ماننے والے ملکوں کو بھی وہی کچھ سچ نظر آئے جو ہم انہیں دکھائیں اور انہیں پتا بھی نہ چلے کہ کون کسی کو کیا دکھا رہا ہے، کس بات پر عمل کروا رہا ہے... کون عمل کر رہا ہے... اس کا تعلق کس مذہب سے ہے، کس قوم سے ہے... یہ سب باتیں کوئی نہ جان سکے... جان سکے تو صرف وہ جو نظر آ رہا ہے... یا لوگ جو اقرار کر رہے ہیں۔

یہاں بہت بڑے بڑے، دنیا کے سب سے بڑے سائنس دان جمع کیے گئے ہیں۔ یہ سائنس دان یہاں کیا کھیل کھیل رہے ہیں، ہم تو بس تم لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے ہیں، چلیے آپ لوگوں کے لیے بتا دیتے ہیں، ہم جو کھیل یہاں کھیل رہے ہیں... ہم نے اس کھیل کا نام بھی رکھا ہے... لیجیے... نام سن لیجیے... اس سارے کھیل کا نام ہے ایم کے الٹرا۔

عام طور پر تو کھیل آپس میں کھلاڑی لوگ کھیلا کرتے ہیں نا... کرکٹ کے کھلاڑی کرکٹ کے کھلاڑیوں سے کھیلتے ہیں... فٹ بال کے کھلاڑی فٹ بال کے کھلاڑیوں سے کھیلتے ہیں، ہاکی کے کھلاڑی ہاکی کے کھلاڑیوں سے کھیلتے ہیں... لیکن ہم یہ کھیل... ہمارے کھلاڑی یہ کھیل سادہ لوح مسلمانوں... بلکہ سادہ لوح مسلمان حکمرانوں سے کھیل رہے ہیں... اور مسلمان ملکوں کے حکمران ہمیں ہی اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتے ہیں... سب سے بڑا دوست ہم ہی کو سمجھتے ہیں... انہیں کیا معلوم... دوستی کے پردے میں ہم ان سے کیا کھیل کھیل رہے ہیں... یہی ایم کے الٹرا کھیل تو کھیل رہے ہیں، اس کھیل کی نگرانی کرنے والے کون لوگ ہیں، چلیے آپ کو یہی بھی بتا دیتے ہیں، انشارجہ، بریگول، برنائن وغیرہ کے سب سے بڑے دماغ... جنہیں تھنک ٹینکس کہا جاتا ہے... تمام بڑے سائنس دان بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ یہودی سرمایہ دار طبقہ ان سب کی کمر پر ہے... ان کی مدد کے بغیر ایم کے الٹرا کھیل کھیلنا مشکل ہے، اس لیے وہ تو اس سارے کھیل کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں... تھنکس ٹینکس کا نام رینڈ کارپوریشن ہے... یہاں ایون کیمرون جیسے شیطانی دماغ ان کے ساتھ موجود ہیں، راک فیلر یہودی سرمایہ لگانے کے لیے سب سے آگے ہے۔

اب یہ بھی جان لیں کہ ایم کے سے مراد "مائنڈ کنٹرول" ہے۔

اس کھیل میں کیا کیا جاتا ہے... سن لیجیے... لوگوں کے ذہنوں سے کھیلا جاتا ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر ان کے دماغوں کو خاص قسم کے پیغامات بھیجے جاتے ہیں۔ یہ پیغامات لہروں اور شعاعوں کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ یہ پیغامات آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں... اور وہ بے خود اور خود فراموشی کے عالم میں سوچے سمجھے وہ سب کچھ کرتے چلے جاتے ہیں... جو ہم ان سے کروانا چاہتے ہیں... ہماری اس عمارت میں جو لوگ کام کر رہے ہیں، ان میں روحانی ماہرین بھی موجود ہیں، جادو اور سائنس کے ملاپ سے اس منصوبے پر کام کر رہے ہیں... اس منصوبے کو ہم نے 'ایم کے الٹرا پروجیکٹ' کا نام دیا ہے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس سارے منصوبے کو ریمنڈ کارپوریشن چلا رہی ہے۔ ایون کیمرون سائنس دان تو ہے ہی ہے... اس کے پاس ایک جادوئی علم بھی ہے... اس جادوئی علم کا نام 'قبالہ' ہے۔ یہ اس علم کا خطرناک ترین ماہر ہے... آپ لوگ اپنے الفاظ میں اسے کالے علم کا ماہر بھی کہہ سکتے ہیں... یہ یہاں کی بہت سی ایسی ہی شخصیات میں سے ایک ہے، مطلب یہ کہ یہاں تو ایسے ایک سے بڑھ کر ایک ماہرین موجود ہیں... ایون کیمرون کا نام یہاں ڈاکٹر دہانت ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمیں... یعنی یہودیوں کو اس منصوبے پر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے... ابھی بتاتے ہیں... پہلے آپ یہ جان لیں کہ یہاں کس قسم کی ٹیکنالوجی استعمال ہو رہی ہے۔ آج کل کے بہت زیادہ تعلیم یافتہ لوگ تازہ ترین ایجادات سے خوب واقف ہیں۔ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمیں ان سائنسی معلومات کا علم ہے... لیکن ایم کے الٹرا پروجیکٹ میں جو کام ہو رہا ہے... اس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہاں انسانی دماغوں پر قابو پانے کے بعد ان کو اپنا غلام بنانے کا کام کیا جا رہا ہے... دماغوں کو غلام بنانے کے لیے کس طرح کام کیا جا رہا ہے، اس سے دنیا کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی واقف نہیں، جب کہ یہ تمام باتیں جاننا آج کے دور کے انسانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے جو مسلمانوں کی موجودہ بے حسی کا راز جاننا چاہتے ہیں۔ ہٹوما کا دوسرا نام مانٹریال بھی ہو سکتا ہے... یہاں سے ہائی فریکوئنسی مائیکرو ویوز خارج ہوتی رہتی ہے۔ جن لوگوں کے دماغوں کو غلام بنانا ہوتا ہے... یہ لہریں ان دماغوں تک پہنچتی ہیں اور بالکل ہپناٹزم کے طریقے سے ان دماغوں کو اپنے زیر اثر لے لیتی ہیں۔ ان کے لاشعور کو گرفت میں لے لیتی ہیں۔ پھر ان کے لاشعور ان کے تحت الشعور کو وہ پیغامات منتقل کرتے ہیں جو ہم یہاں بیٹھے لوگ چاہتے ہیں، یہ شعاعیں کسی بھی انسان کو اپنی گرفت میں لے سکتی ہیں... البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان لہروں کی گرفت میں نہیں آتے... ان لوگوں کی قوت ارادی بہت غضب کی ہوتی ہے۔ اب جن لوگوں کے دماغوں کو اس طرح قابو میں کر لیا جاتا ہے، ان لوگوں سے کچھ بھی کام لیا جا سکتا ہے... مثال کے طور پر ان سے خودکش حملے کرانے کا کام تک نہایت آسانی سے لیا جا سکتا ہے... اگر ایسے لوگ پکڑے جائیں تو ان سے اپنی مرضی کے بیان دلوائے جا سکتے ہیں اور پھر ایسے حملوں کی ذمے داری بھی ایسے لوگوں سے قبول کروائی جاتی ہے... جن پر پہلے ہی قابو پایا جا چکا ہوتا ہے..."

"ن... نہیں۔"

وہ سب کے سب مارے خوف کے چلا اٹھے:

☆☆☆☆☆

خوف کی وادی

ان کے اس طرح چلا اٹھنے کی وجہ سے سکرین سے سب کی توجہ ہٹ گئی... کیونکہ وہ خوف کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے... آخر وہ پھر سکرین کی طرف متوجہ ہوئے... اور تحریر پڑھنے لگے:

"یہ لہریں یا شعاعیں ان انسانوں پر ایسی حالت طاری کر دیتی ہیں کہ وہ لوگ روبوٹ کی طرح احکامات کی تعمیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے ارادے، اپنے نظریات، اپنی مرضی، اپنی تہذیب یا اپنا مذہب ایک طرف ہو کر بے بسی سے یہ تماشہ دیکھنے کی حد تک رہ جاتے ہیں... جو شخص ایک مرتبہ اس شیطانی چکر کے کنٹرول میں آ جاتا ہے، وہ ان شیطانی دماغوں کے کہنے پر قتل، خودکش حملے، بھرے مجمعے میں بلا خوف و خطر فائرنگ تک کر سکتا ہے، یہ سب کام کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن جاتا ہے... اس لیے کہ اس کا اپنا دماغ، اس کا اپنا نہیں رہ جاتا... اس کا دماغ دوسروں کے قبضے میں ہوتا ہے۔"

دماغ کو قبضے میں کرنے کے لیے اس عمارت میں موجود دنیا کے زبردست جادوگر اپنا جادو جگاتے ہیں۔ شیطان اور شیطانی طاقتیں جادوگروں کو بہت پسند کرتی ہیں، ان کا خوب ساتھ دیتی ہیں، انھیں خوش کرنے کے لیے ناپاک رہنا ضروری ہے، یہ لوگ انتہائی حد تک نجاست میں خلط ملط رہتے ہیں،

اس لیے جنات اور شیاطین ان کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں اور ان کے ذریعے یہ لوگ انسانوں کے ذہنوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر ماضی کا ایک اہم واقعہ دکھاتے ہیں آپ اس شخصیت کو اچھی طرح پہچانتے ہوں گے۔

ان الفاظ کے بعد سکرین پر عالمِ اسلام کی ایک جانی پہچانی شخصیت نظر آنے لگی۔ وہ مرکزی اسلامی مملکت کے ایک فرماں روا تھے۔ ایک بڑے ہال میں اپنے دفتری امور نمٹا رہے تھے... دائیں بائیں کرسیوں پر اہم شخصیات بیٹھی تھیں، ساتھ ہی وہ ان میں سے کبھی کسی سے تو کبھی کسی سے بات بھی کر لیتے تھے... ایسے میں ایک نوجوان ہال میں داخل ہوا... انہوں نے فوری طور پر اسے بھی پہچان لیا... یہ نوجوان حکمران کا سگا بھتیجا تھا.. انہیں فوری طور سارا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ چونک کر اس نوجوان کو غور سے دیکھنے لگے... اسی نے انہیں قتل کیا تھا۔ انہوں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بہت ہی عجیب سے تاثرات تھے... ایسے میں الفاظ بھی لکھے نظر آنے لگے، لکھا تھا:

"یہ دیکھیے یہ نوجوان حکمران کا سگا بھتیجا ہے۔ اس کا دماغ پوری طرح ہمارے قابو میں ہے... ہم نے اسے ہپناٹزم کے ذریعے ٹرانس میں لے رکھا ہے۔ اس کام کے لیے پہلے اس کی ملاقات یورپ کی سیر کے دوران ایک انتہائی خوب صورت لڑکی سے کرائی گئی تھی... جب اس کا دماغ پوری طرح لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا، تب اس لڑکی نے اس کے دماغ پر قابو پا لیا، اور اس سے کہا... اگر وہ اسے پانا چاہتا ہے تو اپنے چچا کو قتل کر دے...

اب دیکھیے... یہ اس ہدایت کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے

ہے... اسے اتنا بھی ہوش نہیں کہ بھری محفل میں جب یہ اپنے چچا پر فائرنگ کرے گا تو خود وہ بھی تو محافظوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہو جائے گا... یا گرفتار کر لیا جائے گا اور اسے بعد میں قتل کے بدلے قتل کر دیا جائے گا... لیکن چہرے کی طرف دیکھنے سے صاف نظر آ رہا ہے کہ اسے کسی بات کی کوئی پروا نہیں... یوں بھی یہ اپنے ہوش و حواس میں نظر نہیں آ رہا ہے... اب دیکھتے ہیں... یہ کیا کرتا ہے۔

ان کی نظریں نوجوان پر جمی تھیں... ایسے میں نوجوان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا اور پلک جھپکتے ہی اپنے چچا کے سینے میں کئی گولیاں اتار دیں... ساتھ ہی لکھا نظر آیا:

"آپ نے دیکھا... کس طرح ہم نے ایک بھتیجے کے ذریعے چچا کو ہلاک کروایا۔ وہ چچا جو عالم اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے منصوبے پر عمل شروع کر چکا تھا... جو تیل کا ہتھیار استعمال کر کے انشارجہ کا ناک میں دم کر رہا تھا... اور کئی دوسرے غیر مسلم ممالک اس کی وجہ سے بہت پریشان تھے... ہم نے اس کا کانٹا اسی کے بھتیجے کے ذریعے نکال دیا... ہمارا کیا گیا... اور اس کے بعد جو شخص حکمران بنایا گیا وہ پہلے ہی ہماری مٹھی میں ہے... اس طرح کام لے رہے ہیں ہم جادو اور ہپناٹزم کے ملاپ سے...

اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم نے ایک چپ تیار کی ہے، آپ چپ کو ایک باریک سی پلیٹ کہہ لیں۔ اس سے ہائی فریکوئنسی مائیکرو ویو خارج ہوتی ہے... یہ چپ ہم کسی کے بدن میں چپکا دیتے ہیں۔ یہ کام کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں، اس لیے کہ بڑے بڑے مسلمان رہنما ہمارے ہاں آ کر ہی علاج کراتے ہیں۔ لہٰذا کسی آپریشن کے دوران یا عمل جراحی کے ذریعے یہ چپ

جسم میں فٹ کر دی جاتی ہے۔ اب یہ انسان پوری طرح ہمارے کنٹرول میں آ جاتا ہے... اس چپ کے ذریعے اس کے دماغ کو پیغامات دیے جاتے ہیں۔ اس کے دماغ میں آواز گونجنے لگتی ہے۔ وہ شخص انسانی روبوٹ کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے... خاص طور پر اگر اسے شراب یا کسی دوسرے نشے کا عادی بنا دیا جائے تو جادو کے ذریعے اس کی قوت ارادی کو کمزور کر دیا جائے یا توڑ دیا جائے تو اس کے دماغ کو کنٹرول کرنا اور بھی آسان ہو جاتا ہے... اور اسے ٹرانس میں لانے (یعنی ہپناٹزم کی طرح ہدایات قبول کرنے قابل بنانے) میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ اب ایسے شخص کو اپنے کسی مرکز میں لا کر اس سے کسی بھی قسم کے کاغذات پر دستخط کرائے جا سکتے ہیں... یا اسے کچھ بھی ہدایات دی جا سکتی ہیں... مثلاً اگر اسے یہ ہدایات دے دی جائیں کہ وہ بھرے مجمعے میں دن دہاڑے فائرنگ کر کے لوگوں کو ہلاک کر دے... تو وہ ایسا کر گزرے گا... اس کی مثالیں آپ لوگ اپنے ملک میں جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں... ہم نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں فائرنگ کرائی، بم دھماکے کرائے، بڑے بڑے رہنماؤں کو قتل کر دیا اور ایسا کرنے والوں نے جرم بھی قبول کیے... ذمے داریاں بھی قبول کیں... ہم سکولوں پر بھی بموں سے حملے کرا دیتے ہیں... بازاروں کی دکانوں پر حملے کرا دیتے ہیں... زنانہ سکولوں پر خودکش حملے کرا دیتے ہیں... یہ سب کام ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، حال ہی میں شارجستان کے ایک فائیو سٹار ہوٹل پر دہشت گردوں نے حملہ کیا... بہت سے لوگوں کو مار ڈالا... خود بھی مارے گئے... ان میں سے ایک بچ گیا... اب اس پر مقدمہ چل رہا ہے... اسی طرح آپ کے ہاں پولیس ٹریننگ سکول پر حملہ کرایا گیا... پولیس پر بہت سے شہروں میں حملے کرائے گئے... اور اسی طرح

مسلمانوں کو تو... خاص طور پر آج کل جو نام دیا جاتا ہے... عسکریت پسندوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں ہم پوری طرح کامیاب ہیں... عام طور پر میڈیا والے سوال اٹھاتے ہیں... پڑھے لکھے لوگ سوال کرتے ہیں... اعلیٰ تعلیم یافتہ سوال کرتے ہیں... اگر یہ کام ان لوگوں کے نہیں ہیں تو پھر ذمے داری قبول کرنے کے اعلانات کیوں کیے جاتے ہیں... اب ان بے وقوفوں کو کیا پتہ: یہ اعلانات بھی تو ہم چپ جیسی ایجادات کے ذریعے کراتے ہیں... ہاں تو ذکر ہو رہا تھا چپ جسم میں چپکا دینے کا... یہ چپ لگا کر ہم ان لوگوں سے ایسے کام لیتے ہیں جو ان کی پوری قوم کے خلاف ہو... ملک کے مفاد کے خلاف ہو اور دنیا میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کا ذریعہ ہوں... اس طرح ہم نے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کر دیا ہے... ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے... پوری دنیا مسلمانوں کو دہشت گرد خیال کرنے لگی ہے... اسے ظالم ترین قوم کہا جانے لگا ہے... تمام وہ کام مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال دیے گئے ہیں... جن سے مسلمان قوم وحشی اور ظالم نظر آئے... اب یہ بھی بتا دیں کہ ان چپوں کو انجینیروں کی ایک پوری ٹیم جسموں میں منتقل کرتی ہے، ان چپ انجینیروں کا تعلق موٹرولا، جنرل الیکٹرونک آئی بی ایم اور بوسٹن میڈیکل سنٹروں جیسے شہرہ آفاق امریکی اداروں سے ہے۔

یہاں اس موقعے پر ایک نوجوان آپ کو دکھاتے ہیں... اس نوجوان کا واقعہ آپ کے ملک میں بہت مشہور رہا تھا... ان الفاظ کے ساتھ ہی سکرین پر ایک خوب صورت نوجوان کی تصویر نظر آنے لگی... اس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی انہیں اس کے ساتھ بیتنے والا واقعہ یاد آ گیا۔ یہ نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا... سرکاری ملازم تھا اور ایک اہم عہدے پر مقرر تھا۔ ہمیں اس نوجوان کی خدمات کی ضرورت پیش آ گئی... ایک مرتبہ یہ بیمار ہوا۔ اور بیمار کیا ہوا... اسے ایک دعوت میں بلایا گیا، وہاں اسے کوئی ایسی چیز کھلائی گئی کہ اس کے پیٹ میں شدید گڑبڑ ہو گئی... چنانچہ اسے ہسپتال لے جایا گیا، وہاں اسے علاج کے بہانے بے ہوش کیا گیا اور اس کی ناک کے ایک نتھنے میں ایک ٹرانسمیٹر نصب کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے یہ نوجوان ہمارا معمول بن گیا... لیکن کسی وجہ سے اسے ایکسرے کرانے کی ضرورت پیش آ گئی... تب اس کے ڈاکٹر نے وہ ٹرانسمیٹر وہاں دیکھ لیا... اسے الگ کر دیا گیا... نوجوان اس ننھے سے ٹرانسمیٹر کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔ اس نے اس ٹرانسمیٹر کو چیک کرانے کا فیصلہ کیا... لیکن آپ کے ملک میں کون اسے چیک کرتا... اس کے ماہرین تو افشارجہ میں بیٹھے تھے... چنانچہ افشارجہ کی ایک لیبارٹری کو دیا گیا... اب ہم لوگ اپنے راز کیسے دوسروں پر ظاہر کر دیں... لہٰذا اس سے کہہ دیا گیا کہ دس دن بعد رپورٹ ملے گی... دس دن بعد جب اس نے لیبارٹری سے رابطہ کیا تو اس سے کہہ دیا گیا کہ وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔

اب تک آپ لوگوں پر یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ ہم لوگ کیا کام کر رہے ہیں... آپ کے ملک میں خودکش دھماکے کون لوگ کرا رہے ہیں... سب یہی سمجھتے ہیں، یہ شدت پسند مسلمانوں کا کام ہے... دہشت گردوں کا کام ہے... اپنے بریف کیس کی مثال لے لیں... ہم نے سے اڑنے کے لیے بھی یہی حربے اختیار کیے ہیں... ... کے تمامی کے جسم میں یک عدد چپ موجود ہے، اس کے ذریعے ہم نے اصل بریف کیس غائب کیا ہے... اور پروفیسر عبدالقادر خان کو پیناٹرم کے ماہرین نے وہاں سے غائب کیا تھا... یہ تھیں تفصیلات... اب آپ لوگ اس وادی میں گھومیں پھریں...

کھائیں ہیں... واپس اپنے ملک جانے کا خیال دل سے نکال دیں اور یہ بھی جان لیں کہ اب تم لوگوں کو باقی زندگی یہیں گزارنی ہے... جب دل بہلانا ہو تو یہاں آ کر ہماری کارگزاریاں دیکھ لیاں کریں... ہم لوگ مسلمانوں کے ذریعے مسلمانوں کا کس طرح خون بہا رہے ہیں... یہ دیکھ لیا کریں گے... آپ اپنے ملک میں ہونے والی ہماری کارروائیوں کو باقاعدہ فلم کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں... لیکن اپنے لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتے... ہاں جب ہم چاہیں، اس وقت ضرور رابطہ کر سکتے ہیں... لیکن ہم ایسا چاہیں گے نہیں... اب یہ محفل یہاں ختم ہوتی ہے... یہ اصل بوٹا نہیں ہے... بوٹا کی کارگزاریوں کی تفصیل دکھانے کا ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے... گھوم پھر کر بوٹا کا راستہ تلاش کر سکتے ہیں تو کر لیں اور ہم تک پہنچ سکتے ہیں تو پہنچ جائیں۔ ہم آپ کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی... سکرین تاریک ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر سب سے پہلے فاروق کی آواز سنائی دی:

"اللہ کا شکر ہے... گھومنے پھرنے کا موقع تو ملا... ورنہ ہم تو یہاں بور ہو کر رہ جاتے۔"

"چلو پھر ذرا وادی کی سیر ہو جائے۔"

اور وہ سب باہر نکل آئے۔ یہ عمارت پہاڑی کے دامن میں تھی۔ اس کے چاروں طرف پہلے اونچی پہاڑیاں تھیں اور ان کے پیچھے بلند و بالا پہاڑ تھے... یہ پہاڑ بالکل بنجر تھے۔ ان پر سبزہ یا درخت وغیرہ نہیں تھے۔ بس یہ پتھریلی پہاڑیاں تھیں... پہاڑیوں کے دامن میں البتہ گھاس اور پودے نظر

آ رہے تھے... درخت بھی تھے... اور ان کی وجہ سے یہاں گھوما پھرا جا سکتا تھا... موسم یہاں شدید سرد تھا... اور دھوپ خوش گوار محسوس ہوتی تھی۔

اب جس کے جدھر سینگ سمائے، وہ اسی طرف کو چل دیے... ایسا لگتا تھا... جیسے قدرتی طور پر ان کی پارٹیاں بنتی جا رہی ہوں... ایسے میں انہوں نے عمران کی آواز سنی، وہ مارے خوشی کے کہہ رہا تھا:

"مزہ آ گیا... زبردست آئیڈیل جگہ ہے... اور پھر فرصت کے لمحات بے بہا ہیں... خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے... دیوانے... یار صفدر... دیوانے کتنے..." وہ کہتے کہتے رک گیا اور لگا صفدر کی طرف ہونقوں کی طرح دیکھنے۔

"مجھے تو آپ نہ ہی کہیں... میں کسی لمحے بھی یہ نہیں بھول سکتا کہ ہم یہاں قیدی ہیں... اور آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔" صفدر نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں... آں... جب..." اس کے منہ سے نکلا اور خلا میں تکنے لگا... یوں جیسے صفدر اس کے پاس موجود ہی نہ ہو... صفدر نے برا سا منہ بنایا اور ایک سمت میں آگے بڑھ گیا۔ وہاں آفتاب، آصف، فرحت کے ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ اور شوکی برادرز تھے۔

"ہم... معافی چاہتا ہوں۔" صفدر ان کے نزدیک پہنچ کر ہکلایا۔

"ہم... معاف کیا۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"آپ کے ساتھی آپ کے ساتھ نظر نہیں آ رہے۔"

"میں ان کے بغیر ہی چلا، کہہ رہے ہیں... بہت دل کش جگہ ہے... یہاں بہت پُر لطف وقت گزرے گا۔"

وہ ہنسنے لگے... پھر آصف نے کہا۔

"آپ کے ساتھی کچھ عجیب سے نہیں ہیں۔"

"صرف عجیب سے نہیں... غریب سے بھی۔" صفدر بول پڑا۔

"میں سب سن رہا ہوں... مجھے کوئی پروا نہیں... گھاس کا یہ قطعہ کس قدر خوب صورت ہے... سونے کی بہترین جگہ ہے..." یہ کہتے ہوئے عمران گھاس پر لیٹ گیا اور ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

"کیا ہم یہاں یونہی وقت برباد کریں گے۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"جس طرح تم کہتی ہو... اس طرح برباد کر لیتے ہیں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہو... برباد کرنے کی بجائے ہم اسے آباد کیوں نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے... ہم وقت برباد نہیں کریں گے... ہم اس وادی کا بغور جائزہ لیں گے... کیا خبر ہم باہر نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر ہی لیں۔" محمود کے لہجے میں جوش تھا۔

"بالکل ٹھیک... میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔" فرحت نے محمود کا ساتھ دیا۔

"تو پھر، کہا کیوں نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جناب کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"میرے منہ نہ لگنا... ورنہ ہاں۔" فاروق نے گویا دھمکی دی۔

"ورنہ ہاں کیا... کچھ آگے بھی تو کہو نا۔" آصف مسکرایا۔

"وہ لتے لوں گا کہ یاد کرو گے۔" فاروق بولا۔

"کوئی بات نہیں... کر لیں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا کر لیں گے۔" آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"یاد۔" فرزانہ جھٹ سے بولی۔

"لگتا ہے... ہمارے اندر فاروق اور آفتاب کی روحیں حلول کر گئی ہیں۔"

"ارے باپ... باپ رے۔" فرزانہ گھبرا گئی۔

ایسے میں ایک پرندہ ان کے سروں پر سے گزر گیا... انہوں نے اس کی آواز سنی... وہ عجیب سی تھی... سب نے سر اٹھا کر پرندے کو دیکھا... اس وقت تک وہ ان سے کافی دور جا چکا تھا۔

"حیرت ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہو گی ہمیں کیا۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"ایسا پرندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"تو دنیا کے اس خطے میں بھی تو ہم پہلی بار ہی آئے ہیں... ظاہر ہے، اپنے اپنے علاقوں کے پرندے ہوتے ہیں۔"

"ہوں... یہ بات تو خیر ہے... اس پرندے کی آواز بہت عجیب تھی۔" شوکی بڑبڑایا۔

"آخر ہم پرندے کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں۔" مکھن بولا۔

"واقعی... اس کام کے لیے ہمیں ہاتھ دھونے کی ضرورت نہیں۔" اشفاق نے فوراً کہا۔

"اسے کہتے ہیں، اندھے گائیں، بہرے بجائیں۔" آفتاب نے

منہ بنایا۔

"سنا تو نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا نہیں سنا۔" آفتاب اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"یہ کہ اسے کہتے ہیں اندھے گائیں، بہرے بجائیں... میرا ہے، یہ ضرب المثل کسی اور موقعے پر بولی جاتی ہے۔"

"آ گئی ضرب المثلوں اور محاورات کی شامت۔" آصف بولا۔

"اللہ کا شکر کرو... تمہاری شامت نہیں آئی۔" محمود مسکرایا۔

انہوں نے دیکھا ایک چٹان پر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کا مرزا اور کرنل فریدی کھڑے بات چیت کر رہے تھے... ان سے کچھ فا خان رحمان، منور علی خان، پروفیسر داؤد اور کیپٹن حمید کھڑے نظر آئے۔

اچانک پھر اس پرندے کی آواز سنائی دی... اسی وقت مخصوص طور پر کرنل فریدی کا ہاتھ حرکت میں آیا... ساتھ ہی ایک پتھر او نظر آیا اور پھر وہ اس پرندے کو جا لگا... اچانک یوں لگا جیسے بجلی بہت زور چمکی ہو اور پھر وہ پرندہ آواز نکالے بغیر نیچے گرتا نظر آیا... وہ کسی شہاب ثاق طرح سیدھا نیچے آیا اور زمین سے ٹکرایا، انہیں یوں لگا جیسے ٹنوں وزنی چیز گری ہو... اور اب جو انہوں نے پرندے کی طرف دیکھا تو مارے خوف ان کی آنکھیں پھیل گئیں... ان کے سامنے ایک بہت بڑا وجود سا پڑا تھا عجیب و غریب وجود... پتا نہیں وہ کوئی جن تھا یا دیو... یا کوئی شیطان... کچھ بھی تھا... اب ساکت پڑا تھا... گویا اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔

ان حالات میں سب سے پہلے انہی تینوں نے اس کی ط قدم اٹھائے... باقی لوگ تو خوف کے عالم میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں

"اُف مالک... تن... نیلا خون۔" کرنل فریدی کے منہ سے حیرت کے نکلا۔

"نیلا خون..." مارے حیرت کے فاروق نے کہا۔

"ہاں کیوں... تمہیں کیا ہوا... کیا نیلا خون نہیں ہو سکتا۔" آصف اٹھا۔

"ہونے کو اس دنیا میں بڑے بھائی کیا نہیں ہو سکتا... میرے کہنے کا ب تو صرف یہ تھا کہ یہ تو کسی ناول کا نام بھی ہو سکتا ہے۔"

"وحشت تیرے کی۔"

ایسے میں وہی آواز ابھری:

"یہ آپ نے کیا کیا..."

ساتھ ہی بے شمار ہولناک آوازوں سے وادی گونجنے لگی:

☆☆☆☆☆

بھوت ناک

انہوں نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا... آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں... اور یہ آوازیں جنات کے چیخنے چلانے کی تھیں... گویا یہ تو آوازیں اس چیخ و پکار میں شامل تھیں

"یہ... یہ سب کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید پریشانی سے بولے۔

"ان کا قریبی عزیز مارا گیا... رو ئیں نہ کیا کریں... چیخیں کریں اور پھر جب تھک جائیں گے تو آپ لوگوں کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے... لہٰذا آپ ان سے جنگ کی تیاری کریں... ویسے یہ جنگ دنیا کی انوکھی جنگ ہوگی... جنات، شیاطین اور انسانوں کی جنگ۔"

"ارے باپ رے۔" انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے... پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

"سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں... بلکہ ہمارے پاس آ جائیں۔"

ان کے سب ساتھی ان کی طرف دوڑ پڑے... ادھر انسپکٹر جمشید نے کچھ پڑھ کر ان سب کے گرد انگلی سے دائرہ کھینچ دیا:

"بس اس دائرے سے باہر کوئی نہ نکلے۔" وہ بولے۔

"لل... لیکن انکل... دائرہ تو ہمیں نظر نہیں آ رہا۔"

"بس... ابھی میں نے انگلی سے جو دائرہ ہوا میں بنایا ہے... اسے ذہن میں رکھو... اگر ہم میں سے کوئی خوف زدہ ہو کر اس دائرے سے باہر نکل گیا تو پھر وہ جنات کا شکار ہو جائے گا۔"

"ارے باپ... باپ رے... یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"بھائی پہلے تم ناول کا نام رکھ لو... ہم اس کے بعد کچھ کریں گے۔"

آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

عین اس لمحے انہیں چاروں طرف جنات اور شیاطین نظر آنے لگے... وہ اس قدر خوفناک تھے کہ انہیں اپنے دل بیٹھتے محسوس ہونے لگے... ان کے ہاتھوں میں آگ کے ہتھیار تھے... گویا آگ سے بنے ہوئے تیر کمان اور تلواریں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے... وہ آہستہ آہستہ چاروں طرف سے اس دائرے کی طرف بڑھنے لگے... وہ بری طرح چیخ رہے تھے اور چلا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی دم میں وہ سب کے سب ان سب پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

"اپنی جگہ جمے رہنا... خوف کی وجہ سے کوئی دائرے سے باہر نہ نکلے... اور ہاں آیت الکرسی پڑھتے رہیں۔"

وہ جلدی جلدی آیت الکرسی پڑھنے لگے... پڑھ پڑھ کر خود پر دم کرنے لگے... یہاں تک کہ جنات ان کے بالکل نزدیک آ گئے اور انہیں گیدڑ بھبکیاں دینے لگے... ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ اس دائرے سے نکل جائیں۔ ادھر انسپکٹر جمشید انہیں برابر ہدایات دے رہے تھے... اور خود برابر کچھ پڑھ رہے تھے... انہوں نے جنات کو بھگانے کے لیے ایک عالم دین سے

باقاعدہ تربیت لی تھی اور وہ تربیت آج ان کے کام آ رہی تھی... اور جب شیاطین نے دیکھ لیا کہ وہ ان سب کا کچھ نہیں بگاڑ رہے تو ان کی آوازیں اور بلند ہو گئیں... گویا وہ اب خوفناک آوازیں نکال کر انہیں ڈرانا چاہتے تھے... لیکن انسپکٹر جمشید تو انہیں پہلے ہی خبردار کر چکے تھے... لہٰذا وہ نہ ڈرے... اور ان کا ڈرنا ان جنات کی شکست کا سبب بن گیا... وہ خوف کے عالم میں پیچھے ہٹتے چلے گئے اور پھر اچانک نظروں سے اوجھل ہو گئے... اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک قہقہہ سنا۔ وہ چونک اٹھے:

"یہ... آواز تو سربال کی ہے۔"

"سربال؟" کرنل فریدی، عمران اور ان کے ساتھیوں کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! اس سے ہمارا واسطہ پڑ چکا ہے... پروفیسر عبدالقدیر کو اسی نے ہمارے ملک سے اغوا کیا ہے... اور ان کے ساتھ بین کوڈ بریف کیس بھی لے اڑا تھا... یہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے... خاص طور پر بپناٹزم کا ماہر ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"چلو اچھا ہے... لگے ہاتھوں اس سے ملاقات ہو جائے گی... لیکن لگتا ہے، ان لوگوں نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے... پہلے تو انہوں نے کہا تھا کہ ہم یہاں آزادانہ گھومیں پھریں... کھائیں پئیں... کہ اب ہماری باقی زندگی یہیں گزرے گی... لیکن اب شاید یہ جنگ پر آمادہ ہو چکے ہیں اور ہمارا کانٹا نکالنا چاہتے ہیں۔" کرنل فریدی گہری سوچ کے انداز میں کہتے چلے گئے۔

"لل... لیکن انکل... ہمارے پاس تو کانٹا ہے ہی نہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"حد ہو گئی... یہ کوئی تک ہے۔" آصف جھلا کر بولا۔

"یہ شاید اس بات سے چڑ گئے ہیں کہ ہم نے پرندے کی صورت میں ان کے ایک شیطان کو کیوں مار ڈالا۔" منور علی خان نے خیال ظاہر کیا۔

"اوہ ہاں!"

"بلکہ یہ بات بھی نہیں۔" انہوں نے پھر سربال کی آواز سنی... اس مرتبہ آواز کی سمت معلوم ہو گئی... انہوں نے اس طرف دیکھا... وہ ایک کافی اونچی چٹان پر کھڑا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انسانی کھوپڑی تھی اور دوسرے میں ایک تلوار، اس تلوار سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ کھوپڑی کی آنکھوں کی جگہ سے روشنی نکل رہی تھی۔

"آ... آ... آگ کی تلوار۔" شوکی ہکلایا۔

"یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"آپ... یہاں مسٹر سربال... پپ... پروگرام کیا ہے۔" فاروق کی آواز گویا بھیک مانگ رہی تھی۔

"یار اتنا بھی کیا ڈرنا... تم لوگ کیا خاک مقابلہ کرو گے۔" کیپٹن حمید نے کھنکا کر کہا۔

"بب بڑے بھائی... آپ کی بات پسند آئی۔" عمران کی آواز لہرائی۔

"کک... کون سی بات... میرے منہ نہ لگنا ہاں۔" حمید بھنا کر اس کی طرف پلٹا۔

"لو اور سنو... ارے میاں جاؤ... ایک تو ان کی طرف داری کرو... اوپر سے جلی کٹی سنو... خدا لگتی کہتا ہوں... اس وقت بالکل ہونق لگ

رہے ہو۔"

"کک... کون... کون لگ رہا ہے ہونق... ذرا پھر سے کہنا۔"
حمید دھاڑا۔

"تم... تم سے کہا ہے میں نے... میرے کان نہیں بجے۔"

"اوہو عمران صاحب... یوں کہیں... آپ کے کان نہیں بجے۔"
صفدر جھلا اٹھا۔

"اچھا اچھا... یار صفدر تمہیں تو پتا ہی ہے... میری زبان پھسل جاتی ہے۔"

"زبان ہی کیا... ابھی تو تم پورے کے پورے پھسلو گے۔" حمید نے گرجتی آواز میں کہا اور بے تحاشہ اس کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے... خبردار۔" کرنل فریدی چلائے۔

لیکن اس وقت تک حمید عمران پر حملہ کر چکا تھا... یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا... اور عمران اس سے قدرے فاصلے پر کھڑا بُرے بُرے منہ بناتا نظر آیا... پھر اس کی آواز لہرائی۔

"معاف کرنا بڑے بھائی... میرا ذرا نشانہ چوک گیا... ورنہ تم بالکل ٹھیک مجھ سے ٹکراتے۔"

"لو اور سنو... نشانہ ان کا چوکا ہے... اور ٹکرائے حمید میاں نہیں۔"
شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاہاہا... ہوہوہو... بھون ناک۔" سربال کے منہ سے خوفناک انداز میں نکلا... حمید اپنی جھونک میں اس چٹان کے بالکل قریب جا پہنچا تھا۔ جس پر سربال کھڑا تھا... اس نے گھبرا کر اس کی طرف جو دیکھا تو ساکت ہو

گیا... اس کا منہ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

"کک... کیا ہوا؟" کرنل بوکھلا کر بولے۔

حمید کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... ایسے میں فاروق کی آواز سنائی دی:

"بے چارے نے جادوئی دیس میں مڑ کر دیکھ لیا... بس پتھر کے ہو گئے۔"

"تن نہیں تو۔" آفتاب نے منہ کھولا۔

"کیا نہیں تو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"انہوں نے پیچھے مڑ کر تو نہیں دیکھا..." آفتاب بولا۔

"اچھا بھائی... نہیں دیکھا ہوگا... لیکن یہ ساکت کیوں ہو گئے ہیں۔"

"پوچھ کر بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر آفتاب حمید کی طرف بڑھا... اور پھر اس کا بھی وہی حال ہوا... وہ بھی حمید کی طرح ساکت ہو گیا۔

"خبردار... اس طرف کوئی نہ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔

"کوئی فرق نہیں پڑے گا انسپکٹر جمشید... تم لوگوں نے ہمارے ایک لیڈر کو مار کر جنگ کا آغاز کر دیا ہے... ورنہ ہم نے تو پروگرام بنایا تھا کہ تم لوگ زندگی کے باقی دن اس وادی میں گزارو..." سربال کی سرسراتی آواز سنائی دی... پھر اس نے کہا:

"وہ دیکھو... تمہارا ایک بیٹا ساکت ہونے چلا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے آگ کی تلوار سے محمود کی طرف اشارہ کیا، لیکن اس سے پہلے ہی محمود لوٹ لگا گیا... ساتھ ہی اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

"ہاہاہا... مجھے کچھ نہیں ہوا... وہ اور ہوتے ہوں گے... جو بتوں کی طرح ساکت رہ جاتے ہیں۔"

"ارے نہیں... یہ لو۔" اس نے پھر تلوار لہرائی... اس میں سے آگ کا ایک شعلہ نکلا اور سیدھا محمود کی طرف آیا۔ محمود پھر لوٹ لگ گیا... اور اس بار بھی اسے پتہ نہ ہوا۔

"یہ... یہ کیا مسٹر سربال... آپ کے وار تو خالی جا رہے ہیں... ان کو بکھر دنا۔" فرزانہ ہنسی۔

"اس... اس لڑکے میں کوئی بات ہے... اس سے میں بعد میں سمجھوں گا۔"

"لیکن صرف تاریخ اور جغرافیہ تک... اور الجبرا میری بہن سے۔" محمود چہکا۔

"الٹ کہہ گئے... فرزانہ کو الجبرا نہیں آتا۔" آفتاب ہنسا۔

"اوہ اچھا... شکریہ..." محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاہاہا... بھون ناک۔" سربال نے گرج دار آواز میں کہا اور آصف کی طرف تلوار کو جھٹکا دیا۔ اس سے پھر شعلہ نکلا... اور آصف سے جا ٹکرایا... آفتاب بری طرح اچھلا اور دھڑ سے پتھریلی زمین پر گرا... اس کے بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

"آصف۔" انسپکٹر جمشید چلائے... مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... اب یا تو وہ بے ہوش ہو گیا تھا یا ساکت تھا۔

"یہ حضرت تو ایک ایک کر کے ہمیں بے کار کیے دے رہے ہیں... ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیے۔" پروفیسر داؤد فکر مندانہ انداز میں بولے۔

"ٹھیک ہے... میں اس سے مقابلہ کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"یہ شخص ہپناٹزم کا ماہر ہے... ہو سکتا ہو... جادو یا کالے علم وغیرہ میں بھی مہارت رکھتا ہو... لہٰذا آپ اس سے مجھے مقابلہ کرنے دیں... میں نے ایسے بہت سے ماہرین سے مقابلے کیے ہیں..." کرنل فریدی بولے۔

"آؤ... آؤ... تم سب کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔" سربال ہنسا۔

"آنے کی کیا ضرورت ہے۔" کرنل فریدی مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے سربال کو چونکتے دیکھا۔

"میں نے کہا ہے... آنے کی کیا ضرورت ہے... میں یہیں کھڑے رہ کر مقابلہ کر سکتا ہوں۔" کرنل فریدی مسکرائے۔

"مجھ سے ڈر رہے ہو کرنل۔"

"ارے نہیں! یہ میرے ننھے منھے ساتھی ایسے موقعوں پر یوں کہا کرتے ہیں... فلاں سے ڈرنے والے اسے آسماں نہیں ہم۔" سو آج میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

"شکریہ انکل۔" محمود نے شرما کر کہا۔

"شرما تو ایسے رہے ہو... جیسے کوئی نئی نویلی دلہن۔" فاروق جل گیا۔

"تب پھر مجھے کیسے شرمانا چاہیے۔" محمود اس کی طرف مڑا۔

عین اس لمحے کرنل فریدی کا ایک ہاتھ حرکت میں آیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔ انہوں نے کسی وقت جھک کر اٹھا لیا تھا... اور اپنے

ہاتھ میں اسے چھپائے ہوئے تھے... اس وقت انہوں نے وہی پتھر سربال کی طرف اچھالا تھا... پتھر ٹھک کی آواز کے ساتھ سربال کی پیشانی پر لگا... دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ پتھر پیشانی پر لگتے ہی اسی طاقت سے اور اسی رخ سے واپس آیا اور کرنل فریدی کی پیشانی پر لگا... ان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی... ان سب نے انہیں گرتے دیکھا... ان کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا...

"کیسی رہی۔" سربال کی آواز ابھری۔

"مان گیا میں تو تمہیں... میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہوں۔" عمران کی آواز وادی میں گونج گئی... سب پر اس کے جملے نے حیرت اور افسوس کی کیفیت طاری کر دی۔

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر علی عمران۔" منور علی خان نے اسے گھورا۔

"اب تم لوگوں کا ساتھ کیا دینا... اس طرف صرف موت ہے... جب کہ ادھر زندگی کی بہاریں نظر آ رہی ہیں... دیکھ نہیں رہے... مسٹر سربال کے ہاتھ میں تلوار کس قدر رچ رہی ہے۔"

"ہوش میں آئیں عمران... یہ آگ کی تلوار ہے۔"

"میرے لیے نہیں... میں مسٹر سربال کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں... کیا خیال ہے مسٹر سربال۔"

"ہاں ہاں... کیوں نہیں، ہم لوگ دوستوں کے دوست ہیں... آؤ... میری طرف..."

یہ کہتے ہوئے سربال نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے... گویا عمران کو اپنے سینے سے لگانے چلا تھا:

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں... اپنے مرتبے کا خیال کریں۔" صفدر غرایا۔

"مرتبہ گیا بھاڑ میں... مجھے اپنی جان پیاری ہے... میرا دماغ خراب تھا جو اس مہم پر چلا آیا... پہلے ان کم بخت جنگلیوں نے قید میں ڈال دیا اور اب تم یہاں مروا ڈالنا چاہتے ہو... میں تو باز آیا ملک اور قوم کی ایسی خدمات سے۔"

"خوب خوب... مسٹر... کیا نام ہے آپ کا۔"

"علی عمران پی ایچ ڈی آکسن... اینڈ پرنس آف ڈھمپ۔"

"یہ ڈھمپ کون سی جگہ ہے۔"

"شمال مشرق میں... بلکہ دنیا کے انتہائی شمال مشرق میں ایک وادی ہے... پہاڑوں سے ڈھکی وادی... اس کا نام ہے... ریاست ڈھمپ۔"

"اوہو... اچھا... کمال ہے... حیرت ہے، افسوس ہے۔" سربال کے منہ سے نکلا۔

"یہ اتنی باتیں کیسے محسوس کر لیں آپ نے۔" فرحت بول اٹھی۔

"افسوس اس بات پر ہے کہ میں نے آج تک ریاست ڈھمپ نہیں دیکھی... کمال کی بات یہ ہے کہ مسٹر عمران ریاست ڈھمپ سے یہاں کیسے پہنچ گئے، جب کہ ہم نے اس ریاست میں تو کوئی کارروائی کی ہی نہیں... اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قدر بزدل آدمی کو ایسی مہم کیسے سونپ دی گئی۔"

"آپ کی تینوں باتیں بالکل بجا ہیں۔" عمران مسکرایا۔

وہ برابر سربال کی طرف بڑھ رہا تھا... یہاں تک کہ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گیا:

''بہر حال... ہمارا اعلان یہ ہے کہ ہم دوستوں کے دوست ہیں...
جو ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے... ہم اسے سینے سے لگاتے ہیں۔''

یہ کہہ کر سربال بھی دو قدم آگے بڑھا... جونہی عمران اس کے نزدیک آیا، اس نے اسے دونوں ہاتھوں کے گرد لے لیا... اب وہ اس کی گرفت میں تھا... عمران کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا:

''یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں مسٹر بال صاحب۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ کی محبت اور دوستی کا اندازہ کر رہا ہوں کہ کس قدر گہری ہے۔''

''مم... مم... بپ۔'' عمران کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''ہاں! اب بتاؤ... مسٹر عمران... تم دوستی کے لیے آگے آئے تھے یا مجھ پر حملہ کرنے۔''

''حملہ کرنے۔''

''اسی لیے میں نے کہا تھا... حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے... لو اب جاؤ اپنے ساتھی کے پاس۔''

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اچھال دیا... وہ ہوا میں اڑتا ہوا کرنل فریدی کے اوپر گرا... اور ساکت ہو گیا... ایسے میں سربال کے منہ سے نکلا:

''ہاہاہا... ہوہوہو... بھون ناک۔''

☆☆☆☆☆

خوفناک جنگ

''یہ... یہ بھون ناک کیا بلا ہے مسٹر سربال۔'' شوکی نے ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا۔

''یہ میرا تکیہ کلام ہے... تم اس کی فکر نہ کرو... اپنی فکر کرو... موت تم سب کے سروں پر آ کھڑی ہوئی ہے۔''

انہوں نے جلدی سے اپنے سروں کے اوپر دیکھا... پھر فاروق ہنس کر بولا۔

''کیوں مذاق کرتے ہیں... ہمارے سروں پر تو بادل ہیں۔''

ایسے میں انہوں نے سن سن کرتی آواز سنی... وہ فوراً سمجھ گئے یہ منور علی خان کے آنکڑے کی آواز تھی... انہوں نے موقع پا کر اسے گھمانا شروع کر دیا تھا اور اب آنکڑے کا سرا سربال کی طرف بڑھ رہا تھا... انہوں نے منور علی خان کی طرف دیکھا... وہ واقعی آنکڑہ گھما رہے تھے۔

''یہ کیا ہے۔'' سربال کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ کا کہنا ہے کہ موت ہمارے سروں پر آ کھڑی ہوئی... جب کہ ہم کہتے ہیں... موت آپ کے [illegible] کھڑی ہوئی ہے۔''

اس [illegible] بھی [illegible] زور سے

''میرا مذاق اڑا رہے ہو، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی آنکڑہ ٹھک کر کے اس کے سر پر لگا... اور واپس گردش کرتا ہوا بالکل اسی انداز میں منور علی خان کے سر پر لگا، ان کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی... اور وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے گرتے نظر آئے:

''خبردار... اسے کوئی چیز پھینک کر نہ ماری جائے... اس سے مقابلہ ہاتھوں سے کرنا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً اعلان کیا۔ پھر انہیں خیال آیا تو ساتھ ہی بولے:

''ہر شخص آیت الکرسی، سورۃ المومنین کی ابتدائی کی آیات اور آخری تین سورتوں کی مسلسل تلاوت کرتا رہے۔''

ان ہدایات کے ساتھ ہی ان سب نے تلاوت شروع کر دی:

''اور اس کے چاروں طرف ہو جاؤ۔'' انسپکٹر جمشید نے ایک اور حکم دیا۔

وہ تلاوت کرتے ہوئے اس کے چاروں طرف ہونے کے لیے حرکت میں آ گئے:

''کچھ بھی کر لو... آج تمہارے تمام...'' سربال کہتے کہتے رک گیا۔

''کیونکہ اس کی نظریں اس وقت تلوار اور کھوپڑی پر پڑی تھی... تلوار کے شعلے بجھ گئے تھے... اور اب وہ ایک عام تلوار تھی... یعنی اب اس میں سے آگ نہیں نکل رہی تھی... دوسری طرف کھوپڑی جو پہلے زندہ نظر آتی تھی... جس کی آنکھیں روشن تھیں... اب وہ بالکل مردہ چیز بن کر رہ گئی تھی... اس نے دونوں چیزوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز

ابھری۔

''کیا ہوا... سانپ کیوں سونگھ گیا۔''

''اوہ! یہ... یہ کچھ بھی نہیں... میں ان چیزوں کے بغیر بھی تم سب پر بھاری ہوں۔''

''آخر ایسا کتنا وزن ہے تمہارا۔'' اخلاق نے مارے حیرت کے کہا۔

ان حالات میں بھی وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے... اگرچہ ان کے کئی ساتھی بے کار ہو چکے تھے... ایسے میں انہوں نے کیپٹن حمید کی آواز سنی:

''یہ... یہ کیا... میں... میں حرکت کر سکتا ہوں... اُف مالک! میں تو جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔''

''اور میں بھی اب اپنے آپ میں آ گیا ہوں۔'' آفتاب کی آواز گونجی۔

''گویا پہلے تم آپے سے باہر ہو گئے تھے۔'' فاروق ہنسا۔

''وہ اور معنوں میں کہا جاتا ہے۔'' آفتاب نے اسے گھورا۔

''بس شروع ہو گئے... نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

''یہاں دونوں ہی چیزیں نہیں ہیں۔''

''مجھے کوئی پروا نہیں... میں بغیر کسی جادوئی علم کے بھی تم سب کو تگنی کا ناچ... بلکہ نہیں... موت کا ناچ نچا سکتا ہوں۔''

''م... موت... کا ناچ۔'' فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''ہاں ہاں... کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' محمود جل

گیا۔

"اب کیا کروں گا کہہ کر... تم نے کہہ تو دیا ہے۔" فاروق بولا۔

"میرے ہاتھ میں اب بھی تلوار موجود ہے... اگرچہ اب یہ جادوئی نہیں... لیکن میں تلوار کا دھنی ہوں... وہ تلوار چلاؤں گا کہ تم یاد ہی رکھو گے۔" سربال ہنسا۔

"یاد کیسے رکھیں گے... جب بقول تمہارے ہم سب موت کا ناچ ناچ چکے ہوں گے۔"

"چھوڑو یار... ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" آصف نے ہانک لگائی۔

"یہ ضرب المثل یہاں کہاں سے ٹپک پڑی۔" مکھن کی آواز لہرائی۔

"انہیں کسی سے اجازت تو لینی پڑتی نہیں۔" فرحت ہنسی۔

"کرنل صاحب کی آواز سنائی نہیں دی... شاید ان کی پیشانی پر چوٹ زیادہ گہری آئی تھی۔" پروفیسر داؤد نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

ان سب نے پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا... وہ ساکت پڑے نظر آئے... البتہ باقی لوگ اٹھ چکے تھے... عمران البتہ سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا تھا... ایسے میں انہوں نے سربال کو ایک لمبی چھلانگ لگاتے دیکھ... وہ بلا کی رفتار سے تلوار چلا رہا تھا... اس کی چھلانگ انسپکٹر کامران مرزا کے پاس آ کر ختم ہوئی۔ وہ دھم کر کے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا، ساتھ ہی تلوار ان کے سر پر ماری۔ وہ اگر پہلے ہی ہوشیار نہ ہوتے تو تلوار ان کی گردن اڑا چکی تھی۔

"اب ہم پتھر سے کام لے سکتے ہیں نا انکل۔" مکھن نے جلدی سے

پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں... پہلے کوئی چھوٹی سی کنکر اس پر پھینک کر دیکھو... کیونکہ وزنی چیز کے پلٹ کر آنے کا تعلق جادو سے نہیں... سائنس سے ہے... اس کے گرد کوئی خاص قسم کی لہریں موجود ہیں... جو وزنی چیز کو، بس اسی رفتار اور طاقت سے اچھالتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" اشفاق نے کہا اور ایک کنکر اٹھا کر اس پر [illegible] مارا... کنکر فوراً واپس آیا اور اس کی پیشانی پر لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... [illegible] کر انہیں... پیشانی پر چھوٹا سا زخم البتہ نظر آ رہا تھا۔

"نہیں... یہ تجربہ کارگر نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

ادھر وہ تابڑ توڑ انداز میں انسپکٹر کامران مرزا پر تلوار کے وار کر رہا تھا... اور وہ جھکائی پہ جھکائی دے کر اس کے وار خالی دے رہے تھے... ان سب کی نظریں ان پر جم گئیں...

اچانک سربال منہ کے بل گرا... تلوار اور کھوپڑی اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گریں...

"واہ مسٹر عمران... بہت خوب۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی تعریف کی۔

"مم... میں... نے... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"اس کی ٹانگوں میں ٹانگ تو اڑائی ہے نا۔" وہ ہنسے۔

"وہ... مم... ہپ... اب میں کیا بتاؤں... بس اڑ گئی ہوگی..."

اس نے بوکھلا کر کہا... اور وہ ہنسنے لگے... ادھر انسپکٹر کامران مرزا سربال کی

طرف متوجہ ہوئے... وہ اس پر جھکے تا کہ اس کی گردن پکڑ لیں... اور یہی ان کی غلطی تھی... وہ اچانک اچھلا تھا... اس کا جسم ان کے جسم سے ٹکرایا اور وہ گویا ہوا میں اڑتے ہوئے دور جا گرے۔ انہوں نے دیکھا... سربال اب اپنے پیروں پر کھڑا دونوں ہاتھ جھاڑ رہا تھا... یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید نے اس کی تلوار اٹھا لی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سربال کا لہجہ سرد تھا۔

"لیکن کس سے... اس کی وضاحت بھی تو کریں نا۔"

"ہاہاہا... ہوہوہو... شوشا شوشو۔" انہوں نے ایک نئی آواز سنی... آواز کی طرف دیکھا تو وہاں ایک جن سا کھڑا نظر آیا۔ اس کے سر پر ایک سینگ تھا۔ اور پیشانی پر ایک بالکل گول آنکھ تھی، اس کا حلیہ اس قدر خوفناک تھا کہ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے:

"گھبرانا نہیں مسٹر سربال... ماسٹر نے آپ کی مدد کے لیے مجھے بھیج دیا ہے۔"

"شکریہ مسٹر ہامان۔"

"ہامان۔" ان میں سے کسی کے منہ سے نکلا۔

"ہامان... یہ نام تو تاریخی اعتبار سے سنا ہوا لگتا ہے... ارے ہاں یاد آیا... یہ شاید فرعون کا کوئی وزیر تھا۔"

"ہوگا... اس وقت تم مجھ سے بات کرو... میں تمہیں چٹکیوں میں مسلنے کے لیے آیا ہوں... لو اب اپنے منتر آزما لو۔"

"تلاوت شروع۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

انہوں نے تلاوت شروع کر دی... اچانک ہی اس جن کی

رنگت اڑتی نظر آئی... یوں لگا جیسے اس کے ہوش اڑ گئے ہوں:

"یہ... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔"

"واپس چلے جائیں اور ماسٹر سے کہیں... ان لوگوں کے مقابلے میں جادو نہیں چلے گا... ہاں ہپناٹزم سے کام لیا جا سکتا ہے... وہ بھی ان سب پر نہیں چلے گا... لہٰذا ڈروما کو میری مدد کے لیے بھیج دیں۔"

"اوہ ہاں... سمجھ گیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی جن غائب ہو گیا:

"دیکھا اللہ کے کلام کی طاقت... لوگ جھاڑ پھونک کرنے والوں کے چکر کاٹتے ہیں اور وہ ان سے رقمیں بٹورتے ہیں... حالانکہ اللہ کے کلام میں سب سے زیادہ طاقت ہے۔"

اب میدان میں پھر سربال تھا... وہ انسپکٹر جمشید کے سامنے ڈٹا ضرور کھڑا تھا... ان کے ہاتھ میں اب اس کی تلوار تھی... انہوں نے تلوار کا ایک وار اس کے سر پر کیا۔ وہ بلا کی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ ان کا وار خالی گیا۔ اس سے انہوں نے جان لیا کہ مقابلہ آسان نہیں ہے... تلوار اگرچہ اب ان کے ہاتھ میں ہے... لیکن اس کی پھرتی بھی کوئی کم نہیں تھی... انہوں نے ایک بار پھر بچا تلا وار کیا۔ وہ اسے بھی بچا گیا...

کچھ سوچ کر انہوں نے اپنا رخ تبدیل کیا... اور اس کے کندھے پر وار کیا... اس بار اسے دائیں طرف ہٹنا پڑا... اور پھر اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی... دائیں طرف ہٹتے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس طرف کرنل فریدی پڑے ہیں... وہ ہوش میں آ چکے تھے... اور اس لڑائی کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے... انہیں جو موقع ملا... انہوں نے دونوں پیر

اسی وقت ... اس کے سر پر دو ہتڑ مارے... وہ اچھل کر منہ کے بل گرا۔ کرنل ریڈی نے اسے موقع دینا مناسب نہ سمجھا... ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے ماری۔ اس نے کئی قلابازیاں کھائیں اور پھر اٹھ کھڑا ہوا... اس وقت انہوں نے جان لیا کہ اس میں غضب کی طاقت تھی۔ اس قدر چوٹ کھا کر بھی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور مسکرا رہا تھا... اس کی مسکراہٹ ان سب کے دل ہلائے دے رہی تھی۔

اچانک اس کی آنکھوں میں کوئی چیز گری۔

"ہائے ... مر گیا... " اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں تھام لیں۔

"یہ ... یہ تم نے کیا کیا خان رحمان۔" پروفیسر داؤد مارے حیرت کے بولے۔

"جی ... وہ بس کچھ نہیں... جہاز کے باورچی خانے سے پسی ہوئی مرچیں لے کر ایک پڑیا میں رکھ لی تھیں... میں نے سوچا... اس وقت کیوں نہ ان مرچوں کو آزما لیا جائے۔" اس نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ مارا۔" انسپکٹر جمشید خوشی سے چلا اٹھے... اور پھر اس کے سر پر ایک ٹھوکر رسید کی... وہ اوندھے منہ گرا... پسی ہوئی مرچوں کی وجہ سے وہ آنکھیں کھولنے کے قابل نہیں تھا... اب انسپکٹر کامران مرزا بھی آگے بڑھے، اب تو دونوں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ ہر بار اس کی چیخیں بلند ہوتی چلی گئیں... پھر ان چیخوں کی بلندی نیچے آنے لگی... گویا اب اس سے چیخا بھی نہیں جا رہا تھا... یہاں تک کہ اس کی آواز بالکل بند ہو گئی... وہ اس وقت تک اسے ٹھوکریں مارتے رہے جب تک کہ اس کے جسم میں حرکت ہوتی رہی۔ آخر وہ رک گئے۔

"کیا یہ ختم ہو گیا۔" خان رحمان بولے۔

انسپکٹر جمشید نے اس کی نبض چیک کی... نبض چل رہی تھی...

"ابھی زندہ ہے... گلا دبانا پڑے گا۔"

"تو پھر جمشید... یہ کام بھی کر ہی لو... تا کہ اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہ جائے۔"

انہوں نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں تھام لی اور لگے دباؤ ڈالنے... یہاں تک کہ سربال کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں... اس کا جسم پھڑکا اور ساکت ہو گیا... اس پر بھی انہوں نے اسے نہ چھوڑا... جب پوری طرح اطمینان ہو گیا، تب اس سے الگ ہوئے:

"ایک سے تو نجات ملی۔"

"اب دوسرے کا انتظار ہے۔" خان رحمان بولے۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا... کوئی نظر نہ آیا:

"کوئی آتا نظر نہیں آ رہا... کیا شیطانوں نے چپ سادھ لی۔" آصف نے ہانک لگائی۔

"ڈر گئے بے چارے۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"اب کیوں نہیں آتے ہمارے مقابلے پر۔" شوکی بولا۔

"وہ نہیں آئیں گے... ہمیں ان کے مرکز تک جانا پڑے گا... اور راستہ اس وادی سے نکلے گا... بلکہ شاید وہ ان پہاڑوں کے دوسری طرف ہیں۔"

"ہوں! ضرور ایسا ہی ہے۔"

وہ پوری وادی کا چپہ چپہ غور سے دیکھنے لگے... اچانک انہیں

یوں لگا جیسے وادی میں زلزلہ آ گیا ہو... چاروں طرف خوفناک آوازیں آنے لگیں... وادی ہلتی محسوس ہوئی...

"یا اللہ رحم! یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"شیطان اپنے غصے کا اظہار کر رہے ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"تو سامنے آ کر کیوں نہیں کرتے انکل۔" محمود نے منہ بنایا۔

"پوچھ کر بتاؤں گا۔"

"پوچھ کر بھی تو تبھی بتائیں گے جب وہ سامنے آئیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کیوں نہ ہم سکرین والے ہال میں چلیں... سکرین کو آن کریں... اس کے ذریعے ہم ان سے بات تو کر ہی سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مشورہ دیا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر وہ اس ہال میں چلے آئے۔ سکرین آن کی گئی... انسپکٹر جمشید نے پکار کر کہا۔

"کیا آپ لوگ سن رہے ہیں... ہم یہاں موجود ہیں اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں! سن رہے ہیں۔" ایک عجیب و غریب چنگھاڑتی ہوئی سی آواز آئی۔

"آپ لوگوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا... ابھی تو آپ کے صرف دو ساتھی مارے گئے ہیں۔"

"تم لوگوں کے پاس وہ کون سا عمل ہے... جس سے سرپال کی تلوار بجھ گئی تھی اور کھوپڑی کی روشنی غائب ہو گئی تھی۔"

"وہ اللہ کا کلام ہے... کاش تم لوگوں نے اسے اللہ کا کلام مانا ہوتا۔"

"کیا تم قرآن کی بات کر رہے ہو۔"

"ہاں! قرآن کی۔"

"اس طرح تو ہمارے پاس بھی توریت ہے... زبور ہے، انجیل ہے۔"

"قرآن کے بعد تمام آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔"

"تو کیا وہ اللہ کا کلام نہیں رہیں۔"

"اپنے وقتوں میں وہ اللہ کا کلام تھیں... اب بھی ہیں... لیکن قرآن کے ہوتے ہوئے اب ان کے احکامات پر عمل نہیں کیا جائے گا... اور یہ بات بھی ہے کہ اب وہ کتابیں اصل حالت میں نہیں رہ گئیں۔ ان میں بہت ردوبدل کر دیا گیا ہے... جب کہ قرآن کریم میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کوئی ثابت نہیں کر سکتا... حرف تو رہا ایک طرف... ایک شوشے کی بھی کمی بیشی نہیں دکھا سکتا... پھر قرآن کے حافظ پوری دنیا میں موجود ہیں... چھوٹے چھوٹے بچے قرآن کے حافظ ہیں... لیکن آپ اپنی کتابوں کا ایک بھی حافظ نہیں دکھا سکتے... کیا یہ قرآن کی حقانیت کا ثبوت نہیں... بس ہم آپ کے جادو کے توڑ کے لیے قرآن کی آیات ہی پڑھتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم دی ہے..."

"ہوں... تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے پاس تمہارے مقابلے کے

لیے بس ایک سربال ہی تھا... ایسی بات نہیں... ہمارے پاس سربال جیسے کئی لوگ موجود ہیں، لیکن ہم کیوں تم سے لڑیں... تم ہمارے لیے اب کوئی خطرہ نہیں رہے..."

"اگر ہم خطرہ نہیں ہیں تو پھر سربال کو کیوں بھیجا۔"

"وہ خود تم سے دو دو باتیں کرنے کے لیے بے چین تھا..."

"چلیے پھر اس نے تو چین حاصل کر لیا... اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کچھ نہیں... تم وادی میں سر ٹکراتے رہو... کچھ نہیں ہوگا... تم ہم تک نہیں پہنچ سکو گے... یوں تم لوگوں کو ختم کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اس کی مثال یوں ہے... دیکھو... سکرین پر بالکل ایسی ہی ایک وادی دکھائی جا رہی ہے... اس وادی کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی بالکل انہی جیسی وادی نظر آنے لگی:

"ہے نا بالکل ایسی ہی وادی۔"

"ہاں! ایسی ہی وادی ہے۔"

"اب دیکھو... ہم اس وادی کو کیسے تباہ کرتے ہیں۔"

ان الفاظ کے صرف چند سیکنڈ بعد اس وادی میں کوئی بم نما چیز گری... ایک ہولناک دھماکا ہوا اور انہوں نے وادی میں ہر طرف تباہی ہی تباہی دیکھی:

"تم لوگوں نے دیکھا... تو ہمارے لیے وادی کو ایسی تباہی سے دوچار کرنا کیا مشکل ہے۔"

"ہوں... ٹھیک ہے... ہم نے مان لی یہ بات... اب تم لوگ کیا کہتے ہو۔"

"اس وادی میں گھومو پھرو... درختوں کے پتے اور پھول وغیرہ کھا کر پیٹ بھرو... کہیں پانی مل جائے تو پی لو... اور اس طرح جب تک جی سکتے ہو جی لو... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... ہم تک پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہو تو کر لو... آ سکتے ہو تو آ جاؤ... کوئی پروا نہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی... اور سکرین پر تباہ شدہ وادی نظر آنے لگی... انہوں نے سکرین کو آف کر دیا اور پھر وادی میں آ گئے... اب انہیں اس سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا... کرنل فریدی کی پیشانی پر پٹی باندھی گئی تھی... اور بھی جو ساتھی زخمی ہوئے تھے... ان کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔

تین دن تک وہ مسلسل راستہ تلاش کرتے رہے... پھر انہوں نے مکھن کی حیرت میں ڈوبی آواز سنی:

"اُف میرے مالک! میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔"

☆☆☆☆☆

دوسری وادی

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے... انہوں نے دیکھا... وہ ایک دراڑ میں کھڑا تھا... اب تو یہ اس کی طرف دوڑ پڑے:

"اللہ کا شکر ہے... تم نے کچھ دیکھا تو... اب جلدی سے بتا دو... کیا دیکھا ہے..."

"یہ دراڑ دیکھی ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"دھت تیرے کی... اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"حیرت کی بات ہے... دراڑ کے نیچے پھر دراڑ ہے... اور اگر اس میں لیٹ کر دیکھا جائے تو ایک دوسری وادی بالکل اس جیسی صاف نظر آتی ہے۔"

"کیا... کیا واقعی۔"

"آ کر دیکھ لیں۔"

اب تو انہوں نے جلدی جلدی لیٹ لیٹ کر دیکھا... اس میں شک نہیں کہ وادی بالکل ایسی ہی تھی... اور اس میں ایک بہت بڑی عمارت بھی نظر آ رہی تھی... لیکن اس وادی میں اترنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا... کیونکہ وہ بہت گہرائی میں تھی:

"منور علی خان... تمہارا آنکڑہ اس کی گہرائی کو چھو سکتا ہے..."

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں گہرائی زیادہ ہے۔"

"ہم میں کوئی ایک لٹک کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ مزید کتنی گہرائی ہے... اور ہم چھلانگ لگا سکتے ہیں یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے... میں لٹک کر دیکھ لیتا ہوں۔"

انہوں نے آنکڑہ نیچے لٹکانا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ میں رسی کا آخری سرا رہ گیا:

"نہیں جمشید... آنکڑہ نیچے نہیں لگ سکا۔"

"فاروق تم آنکڑے تک جا کر دیکھو۔"

"ہم... میں... میں۔" وہ کانپ گیا۔

"ہاں! تم..." انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

فاروق اس کام کے لیے تیار ہو گیا... منور علی خان نے رسی کا سرا ایک بھاری چٹان کے نیچے دبا دیا... اسے کھینچ کر دیکھ بھی لیا۔ احتیاطاً رسی کو پکڑے بھی رہے... تب فاروق سے کہا:

"فاروق! اب تم اس سے لٹک کر نیچے کا سفر کر سکتے ہو۔"

"رسی کا سفر۔" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! رسی کا سفر۔"

"لل... لیکن... انکل... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس میں شک نہیں... بس تم نیچے کا سفر شروع کر دو۔" منور علی خان نے ہنس کر کہا۔

اور فاروق نیچے اترتا چلا گیا... اسے اپنے ہاتھ چھلتے محسوس ہو رہے تھے، لیکن وہ اترتا رہا... یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں نے آنکڑے کو پکڑ لیا... اور ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی کسی سطح کو چھونے لگے... اسے خوشی کا احساس ہوا... اس نے آنکڑہ چھوڑ دیا... اب اس نے اس چیز کی طرف دیکھا... وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا اور وہ وادی جسے دیکھ کر انہوں نے نیچے اترنے کا پروگرام بنایا تھا... اس پہاڑ کے دامن میں تھی... گویا ابھی انہیں پہاڑ کو بھی عبور کرنا تھا... لیکن پہاڑ ڈھلوان نہیں تھا... اور اس پر اترنا موت کے منہ میں جانا تھا... لیکن وہ آنکڑے کی رسی کو چھوڑ چکا تھا... اس کے ساتھی فوراً سمجھ گئے ہوں گے کہ فاروق کہیں اترنے میں کامیاب ہو گیا... اب تو وہ رکے بغیر آئیں گے... اور یہی ہوا... وہ سب رسی کے ذریعے نیچے اترتے چلے گئے... سب سے آخری میں منور علی خان آئے... آنکڑے کا لوہے والا سرا کاٹ لیا گیا... کیونکہ باقی ماندہ رسی اب وہ نہیں کھینچ سکتے تھے:

"اُف مالک... یہ تو وہی ہوا... آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔"

آفتاب نے پہاڑ اور اس کے نیچے وادی کا جائزہ لیتے ہی کہا۔

"یہاں محاورہ یوں ہوگا... وڑا اڑ سے گرا پہاڑ پر اترا۔"

"لیکن ہم یہاں محاورے ایجاد کرنے نہیں آئے... پروفیسر عبدالقادر کو چھڑانے آئے ہیں اور اپنی پن کو ڈ فائل واپس حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اور شیطانوں کے اس نیٹ ورک کو تار تار کرنے آئے ہیں۔"

"آئے تو ہیں... لیکن نیچے اترنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا... اب تو ہمارے پاس رسی بھی نہیں رہی۔" خان رحمان بولے۔

"خان رحمان... کیا تم مایوس ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں

گھورا۔

"ہرگز نہیں جمشید... میں تو تبصرہ کر رہا ہوں۔"

"میرے خیال میں ہم اتر سکتے ہیں۔" ایسے میں کرنل فریدی بولے۔

وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے... سب کی آنکھوں میں سوال تھا:

"پہاڑ قدرے سیدھا ضرور ہے... ڈھلوان بہت کم ہے... لیکن اس میں جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں... ان جھاڑیوں کی مضبوطی دیکھنا ہوگی... کیا یہ اس قدر مضبوط ہیں کہ ہم ان کو پکڑ کر اتر سکیں... دوسرے یہ کہ دو دو آدمیوں کا گروپ ایک وقت میں اترے گا۔ دونوں پاس پاس رہ کر اتریں گے... تاکہ کسی ایک کا پاؤں اکھڑ جائے یا جھاڑی جڑیں چھوڑ دے تو دوسرا اس کی مدد کر سکے۔"

"ترکیب نہایت معقول ہے، لہٰذا پہلے جھاڑیوں کی مضبوطی کو خوب آزما لیا جائے۔" عمران نے فوراً کہا:

انہوں نے خوب زور لگا لگا کر جھاڑیوں کو دیکھا... وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں... وزن کے اعتبار سے ان سب میں سب سے زیادہ منور علی خان تھے... پہلے انہوں نے نیچے اترنے کی... ان کے ساتھ خان رحمان تیار ہو گئے۔ آخر انہوں نے جھاڑیوں کے ذریعے اپنا سفر نیچے کی طرف شروع کیا:

"اب ہمیں انتظار کرنے کی ضرورت نہیں... دو دو کرتے نیچے اترتے چلے جاتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ٹھیک ہے۔"

"تب پھر بچہ پارٹی پہلے اترے... ہم ان کے پیچھے ہوں گے...

اس طرح یہ درمیان میں رہیں گے... اور ڈریں گے نہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

اس طرح وہ اترتے چلے گئے... آخر سب لوگ پہاڑ کے دامن میں اتر گئے... اب انہوں نے اس وادی کو صاف طور پر دیکھا... اس کے ایک طرف بہت طویل عمارت تھی اور وہ وقت تھا شام کا... سورج مغرب میں جھک چکا تھا اور وادی میں اندھیرا ہونے لگا تھا... انہیں وہاں کوئی ذی روح نظر نہ آیا:

''حیرت ہے... کیا یہاں کوئی نہیں ہے... یا پھر ان لوگوں کو ہمارے وادی میں اترنے کے ب[illegible] ہو سکا'' خان رحمان بڑبڑائے۔

''عجیب سا لگ رہا ہے۔''

اچانک ان کے اوپر کوئی چیز گری... وہ بری طرح بوکھلا اٹھے۔

وہ ہزار ہا پرندے تھے... نہ جانے کس طرف سے آکر انہوں نے اچانک ان پر حملہ کیا تھا... عجیب بات یہ تھی کہ انہوں نے ان پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ بھی نہیں سنی تھی... وہ ہزاروں تھے... اور ان کی چونچیں بہت لمبی تھیں... وہ ان پر اپنی چونچوں سے حملہ کر رہے تھے... یہ حملہ انہیں بوکھلا دینے کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے ہاتھوں اور پیروں سے ان کا مقابلہ شروع کر دیا... انہیں اس قدر تیزی سے ہاتھ چلانے پڑ رہے تھے کہ کیا کبھی چلائے ہوں گے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

''یہ پرندے اصلی نہیں، نقلی ہیں۔''

''کیا!!!'' وہ چلا اٹھے۔

''اصلی ہیں یا نقلی... لڑ تو رہے ہیں نا اور جواب میں ہمیں بھی لڑنا پڑے گا۔'' خان رحمان پکارے۔

''میرا مطلب ہے... ان کی باگ ڈور عمارت میں بیٹھے کسی سائنس دان کے ہاتھ میں ہے۔''

''ٹھیک ہے... ہم دیکھتے ہیں... آؤ عمران۔'' کرنل فریدی بولے اور پرندوں کے نرغے سے نکلتے ہوئے عمارت کی طرف دوڑ پڑے... بے شمار پرندے ان کے ساتھ ساتھ اڑتے رہے اور حملہ آور ہوتے رہے۔ انہیں چونچیں مارتے رہے۔

ادھر باقی لوگوں کی جنگ ان پرندوں سے شروع ہو گئی... وہ انہیں پکڑ پکڑ کر زمین پر پٹخ رہے تھے... جو بھی کسی کو پٹختے... وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا... ادھر پرندے انہیں ٹھونگیں مار رہے تھے... پرندوں کی تعداد اس قدر تھی کہ وہ سوچ رہے تھے... ان سب پرندوں کو پٹخ پٹخ کر ختم کرتے ہوئے ہم خود نہ ختم ہو جائیں... اس قسم کی جنگ ان کی زندگی میں پہلی جنگ تھی... وہ دعا کر رہے تھے کہ کرنل فریدی اور عمران اس جگہ تک پہنچ جائیں... جہاں سے ان پرندوں کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔

کرنل فریدی اور عمران بلا کی رفتار سے اڑے جا رہے تھے... پرندوں کی ٹھونگوں سے ان کے جسم جگہ جگہ سے لہولہان ہو چکے تھے... لیکن آخر کار وہ عمارت کے دروازے تک پہنچ گئے... دروازہ شیشے کا تھا... اور بند تھا... دونوں نے خود کو پوری قوت سے دروازے سے ٹکرا دیا... شیشہ ٹس سے مس نہ ہوا... وہ پیچھے ہٹے اور پھر شیشے سے ٹکرائے... لیکن اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے... ایسے میں عمران نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں کہا:

اور پھر وہ واپس میدان کی طرف دوڑ پڑا... پرندے بدستور
اس پر حملہ کر رہے تھے... آخر وہ ایک چھوٹے سے پتھر کے نزدیک پہنچ گیا...
اس نے پتھر اٹھایا اور کرنل فریدی کی طرف اچھال دیا... ساتھ ہی خود بھی ان کی
طرف دوڑ پڑا۔

کرنل نے پتھر دبوچ لیا اور پوری قوت سے شیشے پر دے مارا۔
ایک زبردست چھناکا ہوا۔ ساتھ ہی انہوں نے اندر کی طرف چھلانگ لگا دی...
اب انہوں نے دیکھا... پرندے عمارت کے باہر ہی رک گئے تھے۔ انہوں نے
قدرے سکون کا سانس لیا... اب ان کے سامنے ایک راستہ تھا... پختہ راستہ...
وہ اس پر دوڑتے چلے گئے... یہاں تک کہ ایک کمرے کے سامنے پہنچ گئے...
اندر چھ کے قریب لوگ مختلف مشینوں پر بیٹھے تھے... ان کے سامنے سکرینیں لگی
تھیں... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... دروازہ کھولتے ہوئے کمرے میں داخل
ہوگئے... ساتھ ہی ان پر فائرنگ کی گئی... وہ اوٹ لگا گئے... گولیوں سے خود
کو بچاتے ہوئے انہوں نے سکرینوں کا جائزہ لیا۔ ایک سکرین پر انہیں وہ
پرندے اڑتے نظر آئے اور ان کے ساتھیوں پر ٹھونگیں مارتے نظر آئے... اب
ان کی کوشش اس سکرین والی مشین تک پہنچنے کی تھی... اور وہ چھے کے چھے ان پر
مسلسل فائرنگ کر رہے تھے... دراصل وہ بے فکر بیٹھے رہے... ان کا خیال رہا
ہوگا کہ یہ لوگ شیشے کا دروازہ نہیں توڑ سکیں گے... لیکن وہ اس میں کامیاب ہو
گئے... اور جب تک یہ لوگ پوزیشن سنبھالتے... وہ اندر آ چکے تھے... اب اس
وقت بھی وہ بالکل بے ترتیب انداز میں فائرنگ کر رہے تھے... آخر کرنل ان
میں سے ایک سے ٹکرا گئے، انہوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور

دوسروں پر دے مارا... ایسا ہی عمران کر گزرا... بس پھر کیا تھا... ان کی فائرنگ
یک لخت بند ہو گئی اور وہ پرندوں والی سکرین پر جا پہنچے... انہیں اور تو کچھ نہ
سوجھا... جن بٹنوں کے ساتھ لائٹ جل رہی تھی... ان سب کو آف کر دیا...
انہوں نے سکرین سے پرندوں کو غائب ہوتے دیکھا:

"اللہ کا شکر ہے۔" دونوں کے منہ سے نکلا۔

اب انہوں نے وہاں موجود چھ افراد کے پستول اپنے قبضے میں
کر لیے اور ان چھے پر فائرنگ کر دی... انہیں زندہ چھوڑنا خطرناک تھا... وہ
اس کنٹرول روم کے ذریعے نہ جانے اور کیا کیا بلا ان کے مقابلے میں لا سکتے
تھے۔

اب وہ باہر کی طرف بھاگے... ان کے جسموں سے جگہ جگہ
سے خون بہہ رہا تھا... اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو ان کی حالت دیکھ کر لرز
اٹھے... ہر طرف زخم ہی زخم تھے... اور ان سے خون ہی خون رس رہا تھا...
پرندے البتہ غائب ہو چکے تھے... جو مارے گئے تھے... ان کے ٹکڑے بکھرے
پڑے تھے:

"اللہ کا شکر ہے... آپ پرندوں کی یلغار روکنے میں کامیاب
رہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ذرا دیر سے... ہر طرف زخم ہی زخم نظر آ رہے ہیں۔"

"یہ بھی بہت ہے... جان تو بچ گئی... کچھ دیر اور پرندوں کا انتظام
نہ ہوتا تو ہم میں سے شاید کوئی نہ بچتا۔"

"کوئی بات نہیں... اب کون سا بچ جاؤ گے۔"

یہ خوفناک آواز وادی میں گونج گئی... انہوں نے چونک کر

آواز کی سمت میں دیکھا... ان کے سامنے ایک بہت لمبا تڑنگا جن قسم کا آدمی کھڑا تھا... اس کے ہاتھوں میں ہتھیار بھی عجیب و غریب تھے... انہوں نے ایسے ہتھیار زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے... ایک زنجیر سے ایک لوہے کا گولا لٹک رہا تھا... اس پر چاروں طرف نوکیں ابھری ہوئی تھیں... دوسرے ہاتھ میں ایک پائپ تھا... نہ جانے کس چیز کا... اس کے اندر سے آگ کا ایک شعلہ بار بار نکل رہا تھا اور فضا میں منتشر ہو رہا تھا:

"آپ... آپ کی تعریف۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے... تم میرا کام دیکھو... لیکن افسوس۔"

"اب یہ افسوس کہاں سے ٹپک پڑا؟" آفتاب نے منہ بنایا۔

"افسوس! تم لوگ میرے کام کی تعریف کرنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔"

"چلیے! کوئی اور تعریف کر دے گا۔"

"ہاں کیوں نہیں... یہاں موجود میرے ساتھی ضرور تعریف کریں گے۔"

"وہ کہاں ہیں۔"

"اپنے اپنے مقام پر..."

"ایک ہی وقت میں ہمارے مقابلے پر کیوں نہیں آجاتے۔" شوکی نے جل کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں... میں اکیلا تم سب کے لیے کافی ہوں... تم نے منور علی خان کا تذکرہ دیکھا ہے... میرا موت کا گولا نہیں دیکھا۔"

"م... موت کا گولا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں... نکل گئی جان یہ سن کر۔"

"نہیں... جان نہیں نکلی... میں تو یہ کہنے لگا تھا... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"دھت تیرے کی۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہائیں ہائیں... محمود یہ تم بولے۔" آصف نے مارے حیرت کے کہا۔

"ن نہیں تو... قسم لے لو۔" محمود ہکلایا۔

"لاؤ دو۔"

"کیا دوں..."

"قسم اور کیا۔"

"حد ہو گئی... توبہ ہے تم سے... ان حالات میں بھی ادھر ادھر کی ہانک رہے ہیں۔"

"لو دیکھو... بے وقوف۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی گولا اس کے ہاتھ کے گرد گردش کرنے لگا... پھر اس نے کہا:

"میں یہاں کھڑے کھڑے جسے چاہوں... اس گولے کا نشانہ بنا سکتا ہوں۔"

"ن نہیں... جانے دو بھائی... کیوں مذاق کرتے ہو۔" شوکی گھبرا گیا۔

"لو پھر... پہلے تم ہی جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی گولا شوکی کی طرف تیر کی طرح آیا... اس ہاتھ کے ساتھ بندھی ہوئی زنجیر لمبی ہوتی چلی گئی... شوکی نے مارے خوف کے لوٹ لگا دی... اور گولے کی سیدھ سے ایک طرف ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ گولا آگے نکل گیا... اور پھر واپس اس کی طرف جاتا نظر آیا:

"یہ کیا مسٹر... یہ گولا تو ہمارے بھائی شوکی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا۔"

"ہم... مجھے... اس پر حیرت ہے۔" وہ واقعی مارے حیرت کے بولا۔

"خیر اب ایسی بھی کیا حیرت... جانے دیں حیرت ویرت کو... بلکہ کچھ حیرت بچا کر رکھ لیں... پھر کسی موقعے پر کام آئے گی۔"

"کیا چیز۔" پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"جی... حیرت۔"

"اوہ ہاں واقعی... حیرت تو ہے ہی بچا کر رکھنے کی چیز۔" انہوں نے فوراً کہا... باقی لوگ مسکرا دیے۔

عین اس لمحے گولا محمود کی طرف آیا۔ محمود پہلے ہی تیار تھا... گولا اس کے پاس سے گزر گیا... اور واپس بھی چلا گیا:

"یہ موت کا گولا تو کسی کی بھی موت کا سبب نہیں بن رہا مسٹر... ویسے آپ اپنا نام بتا دیں... اس طرح مشکل پیش آ رہی ہے۔"

"میرا نام... ڈاکٹر سائٹ ہے... یہ میرا کوڈ نام ہے... اصلی نام جان کر کیا کرو گے... بس تم مجھے ڈاکٹر سائٹ کہہ سکتے ہو..."

"کہیں آپ ڈاکٹر وائٹ تو نہیں ہیں۔" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا... ڈاکٹر سائٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا... پھر اس نے کہا:

"ڈاکٹر سائٹ۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔

"خیر... ڈاکٹر سائٹ! یہ آپ کا گولا تو بالکل فضول ثابت ہو رہا ہے۔"

"ابھی میں نے اسے سنجیدگی سے نہیں پھینکا۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"تب پھر ذرا اسے سنجیدگی سے پھینکیں۔" آصف چہکا۔

"اور یہ دوسرا پائپ نما ہتھیار... یہ کیا بلا ہے، اسے کیوں استعمال نہیں کیا ابھی تک آپ نے۔"

"اس کی باری بھی آئے گی... پہلے گولا... یہ لو سنبھالو..." اس نے کہا اور اچانک گولا اچھال دیا... اس مرتبہ نشانہ خان رحمان تھے... اور واقعی گولا بہت مہارت سے پھینکا گیا تھا... خان رحمان بہت مشکل سے بچے... تاہم انہوں نے بچنے کے ساتھ ہی اس زنجیر پر ہاتھ ڈال دیا... اب زنجیر کا درمیانی حصہ ان کے ہاتھ میں تھا... گولا زمین پر کچھ دور پڑا تھا... جب کہ دوسرا سرا ڈاکٹر سائٹ کے ہاتھ میں تھا... جب اس نے دیکھا کہ خان رحمان نے زنجیر کو پکڑ لیا ہے تو اس نے اسے زوردار انداز میں جھٹکا مارا... خان رحمان پہلے ہی تیار تھے... انہوں نے فوراً زنجیر چھوڑ دی... نتیجہ یہ کہ گولا تیر کی طرح ڈاکٹر سائٹ کی طرف گیا اور اس کے سر پر لگا... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... لیکن یہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ ڈاکٹر سائٹ اب بھی اپنے پیروں پر کھڑا تھا... اور گولا اس کے سر پر لگا ضرور تھا... لیکن اس کے سر پر کوئی زخم نہیں آیا تھا:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... میرے جسم پر حفاظتی تہ موجود ہے۔"

"تب پھر آپ کے منہ سے چیخ کس خوشی میں نکل گئی۔" فرزانہ نے

طنزیہ انداز میں کہا۔

''گولے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر... کیونکہ ایسا پہلی بار ہوا ہے۔'' اس نے کہا۔ یہ سن کر خان رحمان کے چہرے پر چمک بڑھ گئی:

''بہت خوب خان رحمان۔'' کرنل فریدی ان کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

''میری طرف سے بھی۔'' عمران شرما کر بولا۔

''آپ کی طرف سے کیا...''

''وہ... ایک عدد بہت خوب۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''لو اور سنو۔'' کیپٹن حمید بھنا اٹھا۔

ایسے میں گولا ایک بار پھر آیا... اس بار کرنل فریدی نے ایک اونچی چھلانگ لگائی اور گولے کو فضا میں پکڑ لیا۔ ساتھ ہی زمین پر آ رہے... ان کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

''بہت خوب!''

اب دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی... ڈاکٹر سائٹ انہیں اپنی طرف کھینچ رہا تھا جب کہ کرنل فریدی اپنی طرف... دونوں کے پاؤں اپنی جگہ پر جمے رہے... نہ وہ اسے اپنی طرف کھینچ سکے... نہ ڈاکٹر سائٹ اس کوشش میں کوئی کامیابی حاصل کر سکا۔

''یہ مقابلہ تو برابر چھوٹتا نظر آتا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''تو تم زنجیر پکڑ لو۔'' کیپٹن حمید نے تلملا کر کہا۔

''بڑے بھائی... یہ آپ انگارے کس خوشی میں چبا رہے ہیں۔'' آفتاب مسکرایا۔

''انگارے چباتی ہے میری جوتی۔'' کیپٹن حمید جھلا اٹھا۔

''نہ نہ... یہ کام کرنے کے لیے فرزانہ کی جوتی کافی ہے... وہ دیکھیں زنجیر پکڑنے کے لیے ہمارے بڑے بھائی آگے بڑھ رہے ہیں... اسے کہتے ہیں جرأت۔'' فاروق ہنسا۔

''کہتے ہوں گے... ہمیں کیا۔'' عمران نے حمید کا ساتھ دیا۔

''خبردار محمود... کیا کرنے جا رہے ہو۔'' انسپکٹر جمشید نے پکار کر کہا۔

محمود پر تو جیسے خود فراموشی کا عالم طاری تھا... اس نے انسپکٹر جمشید کی وارننگ بھی نہ سنی... اور زنجیر کے عین درمیان میں پہنچ گیا... اس وقت باقی لوگوں نے دیکھا... اس کے ہاتھ میں اپنا چاقو تھا... اس کا ہاتھ اٹھا اور چاقو کی دھار زنجیر پر لگی... کرنل فریدی پہلے ہی بھانپ چکے تھے... کہ وہ کیا کرنے لگا ہے... لہٰذا عین اس لمحے جب چاقو کی دھار نے زنجیر کو کاٹا... انہوں نے زور لگانا بند کر دیا... ادھر ڈاکٹر سائٹ اسی طرح تنہا کھڑا تھا... نتیجہ یہ کہ وہ دھڑام سے پشت کے بل گرا اور ادھر زنجیر درمیان سے کٹ گئی... اب اس کا سرا کرنل فریدی کے ہاتھ میں تھا... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... اسے گھماتے ہوئے ڈاکٹر سائٹ کے سر پر جا پہنچے... اور گولا اس کے سر پر دے مارا...

ساتھ ہی ڈاکٹر سائٹ کا قہقہہ بلند ہوا... کرنل فریدی بھوں گئے تھے... تھوڑی دیر پہلے سائٹ بتا چکا تھا کہ گولا اس پر کوئی اثر نہیں کرے گا... انہوں نے جھلا کر زنجیر کو ایک جھٹکا دیا اور اس کو چھوڑ دیا... گولا لڑھکتا ہوا پڑھا شیشے کی عمارت کی طرف گیا اور اس کی ایک دیوار سے ٹکرا گیا...

ایک ہولناک دھماکا ہوا اور شیشے کی عمارت میں چھناکوں پر چھنا
ہونے لگے... یوں لگتا تھا جیسے گولے نے جگہ جگہ عمارت میں تباہی مچا دی تھی:

”لو مسٹر وائٹ... مم... میرا مطلب ہے... مسٹر سائٹ... آپ کا ہیڈ کوارٹر تو گیا۔“

”یہ ہیڈ کوارٹر نہیں... اس کا ایک چھوٹا سا کنٹرول روم ہے... یہ تو پورا ایریا... اس قسم کی عمارات سے بھرا پڑا ہے... یہاں خود مجھ سے بھی ایک سے ایک بڑا ماہر موجود ہے... ابھی تم نے دیکھا کیا ہے... تمہاری تو دراصل موت تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے... ہم نے یہی سوچا تھا۔“ یہاں تک کہ کر ڈاکٹر سائٹ خاموش ہو گیا۔

”یہی سوچا تھا... کیا سوچا تھا۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ تم لوگوں کو یہیں لا کر مارا جائے...“

”ارے باپ رے... پہلے کیوں نہ بتایا۔“ اشفاق گھبرا گیا۔

”کیوں... اگر یہ پہلے بتا دیتے تو؟“

”تو ہم ادھر نہ آتے... اور کیا۔“ اشفاق نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی... اسے کہتے ہیں بزدلی۔“ آصف جھلا اٹھا۔

”نہیں تو... ہماری طرف تو اسے حکمت عملی کہتے ہیں۔“ عمران ہنسا۔

”آپ تو بس چپ ہی رہیں...“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”اچھی بات ہے... اب میں نہیں... بولوں گا۔“

عین اس لمحے شیشے کی ٹوٹتی عمارت میں ایک سایہ سا ابھرا... وہ بہت بلند تھا... اس قدر بلند کہ اس کا اوپر والا سرا انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا:

”ارے! یہ... یہ کیا... یہ تو وہی ہے۔“ مارے خوف کے کئی

آوازیں ابھریں:

☆☆☆☆☆

ہڑاکا

"یہ وہ نہیں... اس جیسا ہے... اسے تو میں نے جلا دیا تھا اور اب اس کی باری ہے... میں دائرہ کھینچ رہا ہوں... اس دائرے کے اندر اندر رہیں اور بالکل نہ ڈریں... چاہے یہ کچھ بھی کرے... چاہے ہمیں کتنے ہی خوفناک مناظر دیکھنے کو ملیں۔"

اور پھر انسپکٹر جمشید نے ان سب کے گرد ایک دائرہ انگلی سے کھینچ دیا۔ خود بھی اس دائرے کے اندر رہے... ادھر شیشے کی تباہ شدہ عمارت میں اب اس جیسے کئی اور کھڑے نظر آ رہے تھے... ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے سانپ نظر آئے... وہ بار بار اپنی زبانیں باہر نکال رہے تھے۔ ان جنات نے سانپوں کو دموں سے پکڑ رکھا تھا... گویا وہ ان سے کوڑوں کا کام بھی لینا چاہتے تھے... انہوں نے دیکھا... وہ پورے گیارہ جن تھے۔ اب وہ سب ان کی طرف بڑھے... اس وقت تک انہیں اس دائرے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

انہوں نے منہ سے ہولناک آوازیں شروع کیں... ان آوازوں نے خوف کا ایک عالم طاری کر دیا... ان میں سے کئی کا جی چاہا... دائرے سے باہر نکل جائیں اور بھاگ کھڑے ہوں... لیکن ساتھ ہی انسپکٹر

جمشید کی ہدایت یاد آ جاتی اور وہ وہیں کے وہیں رہ جاتے... پھر وہ تمام ان کے نزدیک آ گئے... نزدیک آ کر وہ زور سے اچھلے... گویا انہیں دائرہ نظر آ گیا تھا... اب وہ اور زیادہ اودھم مچانے لگے... دائرے کے گرد ناچنے اور اچھلنے کودنے لگے... ادھر انسپکٹر جمشید مسلسل پڑھ رہے تھے... قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ تلاوت آواز سے کر رہے تھے... پھر جوں جوں ان کی آواز تیز ہوتی گئی... جنات کا شور شرابا کم ہوتا چلا گیا... ان کے قدم ہٹتے چلے گئے... یہاں تک کہ وہ یک دم غائب ہو گئے...

"چلو چھٹی ہوئی... اللہ نے ان سے نجات عطا فرمائی۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"کوئی بات... ہماری طرف سے ایک اور ماہر بھیجا جا رہا ہے۔" آواز ابھری۔

جلد ہی ایک اور غیر معمولی قد کا بہت زیادہ ڈیل ڈول والا آدمی آتا نظر آیا۔ وہ سرے سے بالکل گنجا تھا۔ اور اس کی کھوپڑی پر پینٹ کیا گیا تھا۔ پینٹ پر کوئی تصویر بنائی گئی تھی... اس کے نزدیک آنے پر انہوں نے دیکھا... وہ تصویر حرکت کرتی تھی... باتیں کرتی تھی... اور وہ شخص اس کی باتوں کا جواب دیتا تھا:

"یہ... یہ کیا ہے بھئی۔" مارے حیرت کے ان میں سے کئی آوازیں ابھریں۔

"اب ہمیں ان صاحب سے مقابلہ کرنا ہوگا... پتا نہیں یہ مقابلے کب ختم ہوں گے۔"

"کیوں بھائی صاحب... آپ کا اسم شریف کیا ہے۔" اشفاق نے

ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا۔

''مڑاکا''

''شکل صورت تو سربال جیسی لگتی ہے۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! میں اس کا بڑا بھائی ہوں... مجھے تم سے اس کی موت کا انتقام بھی لینا ہے اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو بچانے کے لیے بھی تمہیں ختم کرنا ہے۔''

''گویا ہماری وجہ سے تم اپنے ہیڈ کوارٹر کو خطرے میں محسوس کر رہے ہو۔''

''ایسی بات نہیں... ہیڈ کوارٹر تمہاری پہنچ سے دور ہے... لیکن اب جب کہ تم یہاں آ گئے ہو تو تمہارا انتظام تو کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، پہلے آپ ہمارا انتظام کر لیں مسٹر کیا نام بتایا آپ نے اپنا... پڑاکا۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''مڑاکا۔'' اس نے بڑا سا منہ بنایا۔

''آپ اکیلے ہیں اور ہم بہت سارے... کیا آپ ہم سب کا مقابلہ کر سکیں گے۔'' آصف نے پوچھا۔

''تم اتنے ہی اور ہو، تب بھی میرے لیے مقابلہ کرنا مشکل نہیں...''

''آخر ایسی بھی کیا بات ہے آپ میں۔''

''میرا جسم بہت لچک دار ہے... تم اسے ربڑ کا سمجھ لو... اب ربڑ پر تم سکے برساؤ تو اسے کیا نقصان پہنچے گا بھلا۔'' وہ ہنسا۔

''ربڑ کو تیز دھار چیز سے کاٹا تو جا سکتا ہے۔'' محمود نے اپنے چاقو کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں! کاٹا جا سکتا ہے... لیکن اس کے لیے تمہیں میرے نزدیک

آنا پڑے گا... اور میرے نزدیک آنے کا مطلب ہے... موت۔''

''وہ کیوں... کیا آپ کے بدن میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔''

''کرنٹ تو عام چیز ہے... میرے جسم سے لہریں گزر رہی ہیں، ان لہروں کی وجہ سے میں تم لوگوں کے ہر حملے سے محفوظ رہوں گا... البتہ تم میرے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں ہو گے۔''

''ارے باپ رے... یہ... یہ ناانصافی ہے۔'' شوکی چلا اٹھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' خان رحمان نے اس کی تائید کی۔

''ناانصافی... وہ کیسے، تم اتنے بہت سے ہو... کیا یہ ناانصافی نہیں۔'' اس نے بڑا سا منہ بنایا۔

''اس ناانصافی کو انصاف سے اس طرح بدلا جا سکتا ہے کہ تم اپنی لہریں ختم کر دو... ہم میں سے ایک تم سے مقابلہ کرے گا... اس طرح تو کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔''

''نہیں... میں لہریں ختم نہیں کروں گا... تم لوگوں کو مجھ سے اسی حالت میں مقابلہ کرنا ہوگا۔ آ جاؤ۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''اچھی بات ہے... آپ بھی پھر ہمیں نہیں جانتے... ہم نے آپ سے بھی زیادہ لڑاکوں کو شکست دی ہے۔''

''دوستو! مجھے تو پھر اجازت دو۔'' ایسے میں عمران کی آواز ابھری۔

''اجازت کیسی۔''

''ہاں! آپ کے لیے ہیلی کاپٹر تیار ہی تو کھڑا ہے نا... بس، اس میں بیٹھیں گے اور یہ جا وہ جا۔''

''ہم اس رسی کو لٹکا ہوا چھوڑ آئے ہیں... میں اس رسی کے ذریعے

اوپر وادی میں چلا جاؤں گا... اور وہاں سے واپس اس جنگل میں۔"

"بھول رہے ہو دوست... اس وادی میں ہم جنگل سے خود نہیں آئے تھے... وہ بہروں کا کنواں ہمیں اٹھا کر لایا تھا... اب نہ جانے وہ جنگل کہاں ہے... اور وہ وادی کہاں... اور ہم کہاں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہاں کہاں لگا رکھی ہے... مسٹر عمران اگر جانا چاہتے ہیں تو انہیں جانے دیں۔" خان رحمان جھلا کر بولے۔

"ہاں اور کیا... آؤ صفدر پیارے چلیں... یہاں کیا رکھا ہے۔" عمران نے منہ بنایا۔

"آپ... آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا عمران صاحب۔"

"نہیں... ان سب کا چل گیا ہے... پہاڑ سے ٹکرانے چلے ہیں۔"

وہ بولا اور جانے کے لیے مڑ گیا... ساتھ ہی اس نے کہا:

"صفدر! تم آ رہے ہو۔"

"نہیں! میں ان لوگوں کا ساتھ دوں گا۔"

"اپنے ملک پہنچ کر تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔" عمران نے گویا اسے دھمکی دی۔

"کوئی پروا نہیں..."

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر عمران لگا جانے... لیکن اسی وقت مڑاکا کی آواز گونج گئی۔

"اب یہ ممکن نہیں..."

"اب یہ ممکن نہیں... کیا ممکن نہیں۔" عمران اس کی طرف مڑا۔

"نہیں جا سکتے... یہیں مرنا ہوگا... اس لٹکتی رسی کو جلا دیا گیا ہے... وہ دیکھو... وہ جل رہی ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر انہوں نے اس طرف دیکھا جہاں لٹکی ہوئی رسی چھوڑ آئے تھے... انہوں نے دیکھا، اس کے نچلے سرے کو آگ لگی تھی... اور وہ جلتی جا رہی تھی... دھواں دیتا ہوا مدھم سا شعلہ اوپر ہی اوپر ہو رہا تھا:

"حد ہو گئی یعنی کہ... کیسے لوگ ہیں... کم بختوں نے سارے راستے بند کر دیے..." عمران نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"ہاں تو کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے گا... ظاہر ہے... جس کی موت پہلے آ گئی ہے... وہی آئے گا۔" مڑاکا چہکا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں... کیوں بھئی... کون جاتا ہے مقابلے پر۔

"میں کروں گا اس سے مقابلہ۔" منور علی خان بولے۔

"نہیں منور علی خان آپ نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب پھر میں جاتا ہوں۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے... آپ چلے جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور میں کیوں نہ چلا جاؤں۔" کرنل فریدی بولے۔

"آپ... ہاں آپ جا سکتے ہیں۔"

اب انہوں نے عمران کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہا ہو:

"آپ کچھ نہیں بولے عمران صاحب۔" صفدر چلا اٹھا۔

"یار مجھے بہادری دکھانے کا اتنا شوق نہیں۔"

’’حد ہو گئی... جناب! یہاں معاملہ بہادری دکھانے کا نہیں... اپنا ملک بچانے کا ہے۔‘‘

’’تو ماشاءاللہ! یہاں ایک سے بڑھ کر ایک ماہر موجود ہیں... میں بے چارہ کس گنتی میں ہوں... آپ بسم اللہ کریں۔‘‘ وہ مسکرایا۔

’’ٹھیک ہے... میں چلا۔‘‘ یہ کہہ کر کرنل آگے بڑھے... اس وقت شوکی کی آواز ابھری:

’’میرے خیال میں فیصلہ درست نہیں کیا گیا۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ کئی آوازیں ابھریں۔

’’تینوں انکل ہماری فوج کے اہم ترین لڑاکے ہیں... سب سے پہلے ان کا جانا درست نہیں... ہم میں سے کسی کو جانا چاہیے۔‘‘

’’شوکی کی بات میں بہت وزن ہے۔‘‘ فرزانہ نے فوراً تائید کی۔

’’کتنا؟‘‘ پروفیسر بول پڑے۔

’’اتنا کہ اس کی بات غور کرنے کے قابل ہے۔‘‘

’’تب پھر کون جائے گا مقابلے کے لیے۔‘‘

’’میں۔‘‘ فرزانہ نے فوراً کہا۔

’’نہیں... میں جاؤں گی۔‘‘ فرحت نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’کسی نہ کسی کو تو آنا ہوگا... بلکہ باری باری سب کو آنا ہوگا... کیونکہ تم لوگوں کی موت آ چکی ہے۔‘‘

’’یہ آپ کو کیسے پتا چل گیا... موت کا تو صرف اللہ تعالیٰ کو پتا ہے۔‘‘

’’ہاہاہا۔‘‘ اس نے قہقہہ لگایا۔

’’کیوں... کیا ہوا... کیا آپ خدا کو نہیں مانتے۔‘‘

’’یہ سب انسانوں کی فرض کی ہوئی باتیں ہیں۔‘‘

’’آپ کا مطلب ہے... اس کائنات کا کوئی خالق نہیں... یہ خود بخود بن گئی۔‘‘ پروفیسر داؤد نے بھنا کر کہا۔

’’ہاں اور کیا... یہ حادثاتی طور پر بنی ہے۔‘‘

’’یہ چاند اور سورج کے مقرر اوقات... کیا یہ سب بھی حادثاتی طور پر ہیں۔‘‘

’’ہاں اور کیا؟‘‘

’’اب آپ سے کون مغز مارے۔‘‘ پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

’’تو پھر مقابلہ کریں... اگر آپ لوگوں نے مجھے شکست دی تو اس پر بات کر لیجیے گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے... کیا خیال ہے بھئی... میں فیصلہ کر دوں... تم میں سے کون جائے گا۔‘‘ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

’’ٹھیک ہے انکل۔‘‘ کئی آوازیں ابھریں۔

’’اچھا تو فرزانہ جائے گی۔‘‘

’’اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں... آپ کو فیصلے کا اختیار دے چکے ہیں۔‘‘ فرحت نے منہ بنایا۔

’’میرے خیال میں یہ تو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔‘‘ کرنل فریدی کی آواز سنائی دی۔

’’کیا آپ کا اشارہ فرزانہ کو بھیجنے کی طرف ہے۔‘‘ خان رحمان نے پوچھا۔

’’ہاں! پہلے ہم میں سے ہی کسی کو جانا چاہیے۔‘‘

"اس میں حکمت یہ ہے کہ ہماری فوج کے حوصلے نہیں اکھڑیں گے، اگر ہم میں سے کوئی ایک چلا گیا اور کھا گیا مسٹر مزاکا سے شکست تو اس کا اثر اچھا نہیں ہوگا... لہٰذا یہی ٹھیک ہے..." انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اچھا خیر۔" کرنل فریدی کندھے اچکا کر رہ گئے۔

"چلو فرزانہ... شاباش۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"یا اللہ مدد۔" فرزانہ نے کہا اور آگے بڑھی۔

"یہ بات مجھے بھی پسند نہیں آئی... ایک چھوٹی سی بچی سے مقابلہ کرتے مجھے شرم آئے گی۔"

"لیکن کیا کیا جائے... ہماری طرف کا فیصلہ یہی ہے..."

"خیر مجھے کیا... یہ تو میری چٹکی کی مار ہے۔" مزاکا نے منہ بنایا۔

"ایسی چٹکی کی ماریں یہاں اور بھی ہیں، وہ بھی باری باری آئیں گی۔"

"آخر کیوں؟" مزاکا نے بلند آواز میں کہا۔

"آخر کیوں... کیا مطلب... یہ آخر کیوں آپ کہاں سے اٹھا لے آئے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

"آخر کیوں... آپ لوگ اپنی جانیں دینے پر تلے ہیں..."

"پہلی بات... اپنے دین کے لیے... دوسری بات، اپنی قوم کے لیے اور تیسری بات اپنے وطن کے لیے۔ یہ تینوں باتیں معمولی نہیں۔"

"تمہاری مرضی... ورنہ ہم لوگ یہاں تمہیں باعزت مقام دے سکتے ہیں۔"

"اور پروفیسر عبدالقادر؟"

"وہ یہیں رہیں گے۔"

"آپ انہیں رہا کر دیں... وہ ہمارے ملک چلے جائیں... پن کوڈ والا بریف کیس بھی واپس کر دیں... اس کے بعد ہم یہاں رہ لیں گے۔"

"یہ تو خیر نہیں ہو سکتا۔"

"تب پھر ہم تم لوگوں سے لڑیں گے۔"

"کیا فائدہ ہوگا... سب کے سب مارے جاؤ گے۔"

"کوئی بات نہیں... مرتے وقت ہمیں یہ افسوس تو نہیں ہوگا کہ ہم اپنے دین اور وطن کے لیے کوشش کیے بغیر مر رہے ہیں... بلکہ ہم یہ اطمینان لے کر مریں گے کہ اپنے دین اور وطن کے لیے کوشش کرتے ہوئے جانیں دے رہے ہیں۔"

"تمہاری مرضی... آؤ اے چھوٹی... میں تمہیں اڑا کر رکھ دوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ آگے کر دیے اور لگا ان سے فرزانہ کو اشارہ کرنے۔

"فرزانہ سنبھل کر۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"میں ایک بار پھر احتجاج کرتا ہوں۔" فرزانہ کو واپس بلا لیں... ہم میں سے کوئی چلا جاتا ہے۔" کرنل بے چین ہو کر بولے۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" پہلی بار عمران پریشان نظر آیا۔

"اللہ مالک ہے... اب جو فیصلہ ہو چکا، ہو چکا۔"

فرزانہ بے خوفی کے عالم میں مزاکا کی طرف بڑھ رہی تھی... باقی ساتھی بے چینی کے عالم میں بار بار پہلو بدل رہے تھے... مٹھیاں کس رہے تھے... سبھی کے چہروں پر بے قراری تھی...

ادھر مڈاکا فرزانہ پر جھپٹنے کے لیے لڑاکے مرغ کی طرح جھکا۔ وہ بہت قد آور تھا... فرزانہ اگر اس کے ہاتھ لگ جاتی تو اس صورت میں اس کا بچنا بس ناممکن ہی تھا...

اب سب کی نظریں دونوں پر جمی تھیں... وہ پلکیں جھپکنا بھول گئے تھے۔ مڈاکا کوئی چال چلنے کے موڈ میں نہیں تھا... اسے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی... وہ جانتا تھا... یہ ننھی سی بچی آخر اس کا بگاڑ کیا لے گی۔

ایسے میں اس نے کہا:

"بے فکر ہو کر مجھ پر وار کرو... میں تم پر وار نہیں کروں گا۔"

"کیا واقعی؟" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں بالکل۔" وہ ہنسا۔

"گویا آپ مجھے کھلی چھٹی دے رہے ہیں۔"

"ہاں! تم خوب وار کرو... جب تم وار کر کر کے تھک جاؤ گی... تب میں تمہیں ایک ہاتھ رسید کروں گا... اور بس وہ ایک وار ہی تمہاری موت کا سبب ہو گا... اس لیے میں چاہتا ہوں تم خوب دل کھول کر اپنی کوشش کر لو... دراصل تمہارے بڑوں نے تمہیں بھیج کر تم پر ظلم کیا ہے۔"

"میں ایسا خیال نہیں کرتی... وہ مجھ پر بہت زیادہ مہربان ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

اب وہ قدرے بے فکری کے عالم میں اس کی طرف بڑھ رہی تھی... پہلے والا خطرہ تو فی الحال رہا نہیں تھا۔ اس لڑائی نے تو اب نئی صورت اختیار کر لی تھی... وہ آزادانہ وار کر سکتی تھی۔

آخر وہ اس کے نزدیک پہنچ گئی اور بولی:

"میں پہلے ایک آزمائشی مکا مارنا چاہتی ہوں... تاکہ اندازہ ہو جائے میں کہاں کھڑی ہوں... یا میں کتنے پانی میں ہوں..."

"ضرور... کیوں نہیں، میں کہہ چکا ہوں... میں وار نہیں کروں گا۔"

وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ پھر پوری قوت سے نشانہ لے کر اچھلی، اس کا سر مڈاکا کی ناک کی نوک پر زبردست طریقے سے لگا۔ مڈاکا کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ تاہم گرا نہیں، اس نے دونوں ہاتھ اپنی ناک پر رکھ لیے۔ اس کے منہ سے مارے تکلیف کے نکلا۔

"اُف! اُف۔"

اب جو اس نے ہاتھ ناک پر سے ہٹائے۔ تو ناک سے خون نکلتا نظر آیا۔ ہاتھوں پر خون لگا دیکھ کر اس کا چہرہ تن گیا۔

"ہم! میرا فیصلہ غلط تھا۔ ہم، میں دو بدو مقابلہ کروں گا۔ تم پر وار بھی کروں گا۔ تمہارا وار روکوں گا بھی۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں کھول ڈالیں اور پھر چونک اٹھا۔ فرزانہ اس کے سامنے نہیں تھی۔

"یہ! یہ! یہ لڑکی کہاں چلی گئی۔"

"میں یہ ہوں! مسٹر مڈاکا آپ کے پیچھے۔"

وہ تیزی سے گھوما، لیکن فرزانہ اب بھی اسے نظر نہ آئی۔

"یہ کیا! تم تو اس طرف بھی نہیں ہو۔"

"میں نے کہا نا، میں آپ کے پیچھے ہوں مسٹر مڈاکا۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

وہ ایک بار پھر گھوما۔ فرزانہ بھی ساتھ ہی گھومی اور وہ پھر اس

کے پیچھے تھی، وہ پھر گھوما، فرزانہ بھی گھومی، اب وہ ٹھہرا بے تحاشہ ڈیل ڈول والا اور فرزانہ بالکل دبلی پتلی، وہ اس کی نسبت بہت تیزی سے گھوم جاتی تھی۔ اس طرح وہ اس کی کمر کے پیچھے ہی نظر آئی۔

یہ ایک دلچسپ صورت حال تھی۔ اب اس کے ساتھی مسکرا رہے تھے۔ یہاں تک کہ کرنل فریدی تک پکار اٹھے:

''بہت خوب! مزہ آگیا! ایسا مقابلہ تو کبھی دیکھا نہ سنا۔''

''اور میرے نزدیک یہ ایک عجوبہ مقابلہ ہے۔'' عمران بھی بولے بغیر نہ رہ سکا۔

اب ٹمڈاکا کی کوشش تھی، اس سے زیادہ تیز گھوم کر اسے پکڑے۔ ادھر فرزانہ بہت پھرتی دکھا رہی تھی۔ جب اس طرح ٹمڈاکا فرزانہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا تو وہ جھلا اٹھا۔ اسے غصہ آ گیا۔ اچانک وہ زمین پر گر گیا۔ ساتھ ہی اس نے خود کو ایک ہاتھ پر اوپر اٹھاتے ہوئے دونوں ٹانگیں گھما دیں۔

فرزانہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ لہٰذا دونوں ٹانگیں اس کی پنڈلی پر لگیں۔ وہ اچھل کر دور جا گری۔ اس لمحے سب کو خیال آیا۔ اب فرزانہ نہیں اٹھ سکے گی، لیکن اس وقت سب کے چہروں پر رونق آ گئی۔ جب وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہت خوب فرزانہ۔'' پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

ادھر اسے اٹھتے دیکھ کر ٹمڈاکا کا رنگ اڑ گیا۔ شاید اسے ایک فیصد بھی اس کے اٹھنے کی امید نہیں تھی۔

''مسٹر ٹمڈاکا! ابھی آپ نے صرف پہلے فرد سے ایک ایک ہاتھ کیا

ہے۔ ابھی دو دو ہاتھ نہیں کیے۔ ذرا سوچو، ہماری تو ایک پوری فوج آپ سے لڑنے کے لیے تیار کھڑی ہے۔''

''اب مجھے بھی اپنی فوج کو آواز دینا ہوگی۔ دراصل ہمارا خیال تھا، تم سب کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک شیشے کی عمارت کی طرف منہ کر کے کہا۔

''آپ سن رہے ہیں، اب آپ باقی لوگوں کو بھی بھیج دیں۔''

''لیکن مزہ اسی میں تھا، ایک کا مقابلہ ایک کے ساتھ۔ ہم چاہتے تھے، پہلے فرزانہ اور آپ کا مقابلہ نتیجہ خیز ثابت ہو جائے۔''

''جس طرح آپ لوگ ایک طرف کھڑے ہیں... میرے ساتھی بھی ایک طرف کھڑے ہو کر مقابلہ دیکھیں گے... فکر نہ کریں۔''

''ٹھیک ہے! آنے دیں پھر۔''

اور پھر شیشے کی ٹوٹی پھوٹی عمارت میں سے نکل کر پندرہ کے قریب لمبے چوڑے افراد وہاں آ کھڑے ہوئے... ان کے ہاتھوں میں مختلف قسم کے ہتھیار تھے... بس پستول کی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں تھا...

''اب مقابلہ برابر کا ہے۔'' ٹمڈاکا ہنسا۔

''لیکن ایک وقت میں ایک ایک کا مقابلہ ہوگا۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

''بالکل ٹھیک! اور پھر تازہ دم ساتھی بھیجنے کی بھی آزادی ہوگی... مطلب یہ کہ اگر مسٹر ٹمڈاکا اس لڑکی کو شکست دے دیتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کے آئندہ ساتھی سے بھی مسٹر ٹمڈاکا ہی لڑیں گے... جی نہیں... ہم اپنے ساتھی تبدیل کرتے رہیں گے۔''

''اور ہم بھی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''بالکل ٹھیک! اب مقابلہ پھر شروع ہوتا ہے۔'' مڈاکا فرزانہ کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

''میں تیار ہوں۔'' فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

یہ کہتے ہی فرزانہ مڈاکا کی طرف دوڑ پڑی... اس کی رفتار بہت تیز تھی... مڈاکا نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی... وہ جانتا تھا... فرزانہ اس کے جسم سے ٹکرا کر بری طرح چوٹ کھائے گی اور یہ چوٹ اسے کہیں کا نہ چھوڑے گا... لیکن وہ یہ بات بھول گیا کہ فرزانہ کو بھی تو یہ بات معلوم ہے... پھر وہ کیوں ایسی بے وقوفی کر رہی ہے... اسے یہ سوچنے کا وقت نہ مل سکا... کیونکہ اتنی دیر میں فرزانہ اس کے نزدیک پہنچ چکی تھی... لیکن جونہی وہ اس کے نزدیک پہنچی، دوڑتے دوڑتے اس نے کنی کترائی اور اس کی کمر پر پہنچتے ہی اچھل کر اس کے بال پکڑ لیے... اور ان سے جھول گئی... مڈاکا نے ایک جھٹکا مارا... لیکن اس جھٹکے سے خود اس کے منہ سے چیخ نکل گئی... کیونکہ فرزانہ کے جسم کو لگنے والے جھٹکے سے خود اس کے بالوں کو جھٹکا لگا تھا...

''ایک جھٹکا اور مسٹر مڈاکا۔'' فرزانہ ہنسی۔

''نن نہیں۔'' مڈاکا چلایا۔

''خوب! بہت خوب!'' کرنل فریدی، عمران، ان کے دونوں ساتھی اور خود تینوں پارٹیاں ایک ساتھ پکار اٹھیں۔

اب فرزانہ کا پورا وزن اس کے بالوں سے لٹک رہا تھا... اور وہ شدید تکلیف میں نظر آ رہا تھا... پھر وہ اپنے ہاتھ کمر کی طرف لے آیا اور اس نے فرزانہ کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور لگا گرفت کو سخت کرنے...

پھر انھوں نے فرزانہ کے منہ سے چیخ نکلتے سنی... اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ بالوں سے ہٹ گئے... مڈاکا نے اپنے جسم کو جگا دیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے اچھال دیا...

فرزانہ بہت اونچا اچھلی اور انھیں نیچے گرتی نظر آئی... اس کے منہ سے نکلنے والی دل دوز چیخ نے ان سب کو تھرا دیا۔

☆☆☆☆☆

ترکیب نمبر 13

''فرزانہ!'' ان سب کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے، فرزانہ نے چلا کر کہا۔

''خبردار! میری طرف آنے کی ضرورت نہیں... یہ میدانِ جنگ ہے، پہلے دشمن سے نبٹ لیں۔''

ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔

''مڈاکا کے مقابلے میں اب مجھے جانے دیں انکل۔'' آصف نے پرجوش انداز میں کہا۔

''نہیں! اب صرف اور صرف میں جاؤں گا۔'' انسپکٹر جمشید سرسراتی آواز میں بولے۔

ان کے لہجے نے انھیں چونکا دیا... یہ کیفیت ان پر بہت کم طاری ہوتی تھی... اور جب طاری ہو جاتی تھی تو پھر وہ کسی کی نہیں سنتے تھے...

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ مڈاکا ایک فاتح کی طرح میدان میں جما کھڑا تھا... پیچھے سے اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

''آپ واپس آ جائیں... آنے والے دشمن کا مقابلہ ہم میں سے

کوئی کرے گا۔''

''نہیں! میں ہی کروں گا... میں ان سب کو چھٹی کا دودھ یاد دلا کے رہوں گا...'' مڈاکا چلایا۔

''آپ کی مرضی۔'' اسی ساتھی نے کہا۔

ادھر کرنل فریدی بولے۔

''اس سے مقابلے کا موقع مجھے دیا جائے۔''

''نہیں! اب تو میں ہی جاؤں گا... ہاں میری شکست کی صورت میں آپ کو اجازت ہے۔''

کرنل فریدی مسکرا دیے... وہ ان کی کیفیت کو سمجھ رہے تھے... خود ان پر کئی بار ایسی کیفیت طاری ہو چکی تھی...

وہ تیر کی طرح مڈاکا کی طرف گئے... بالکل نزدیک پہنچتے ہی انھوں نے خود کو زبردست بریک لگائے اور پھر اچھل کر سر کی ٹکر اس کے ناک پر دے ماری... اس نے خود کو بچانے اور جھکائی دینے کی بھرپور کوشش کی... لیکن انسپکٹر جمشید نے بھی پہلے ہی خوب اندازہ لگا کر یہ وار کیا تھا... لہٰذا سر اس کی ناک سے پوری قوت سے ٹکرایا... اس کے منہ سے بھیانک آواز نکلی... وہ دھم سے گرا اور تڑپنے لگا...

''یہ ہے اس چوٹ کا انتقام... جو فرزانہ کو پہنچی... اور یہ ٹھوکر ہے اس کا بدلہ جو تم نے پروفیسر عبدالقادر کو تکلیف پہنچائی اور یہ ٹھوکر ہے...''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اس وقت تک وہ اس کی پسلیوں میں تین ٹھوکریں رسید کر چکے تھے... اچانک اس کا ایک آدمی دوڑ کر آیا اور ان سے ٹکرا گیا... وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح بے خبری میں

وہ حملہ کر دے گا۔''

''یہ... یہ ناانصافی ہے... پہلے مقابلے کے لیے للکارنا چاہیے تھا... ابھی تو میں مڈاکا سے ہی فارغ نہیں ہوا۔'' انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا... لیکن اس کے ساتھی نے کوئی بات نہ سنی اور ان کے جبڑے ایک اور مکا رسید کر دیا... وہ بری طرح لڑکھڑا گئے... عین اس لمحے انسپکٹر کامران مرزا تیر کی طرح آئے اور اس نئے حملہ آور سے ٹکرا گئے... وہ ان کی طرف سے بے خبر تھا... لہٰذا اچھل کر گرا:

''آپ مڈاکا کی خبر لیں... ابھی اس میں دم خم باقی ہیں... میں اسے دیکھتا ہوں۔'' انھوں نے بلند آواز میں کہا اور نئے حملہ آور کو ٹھوکروں پر رکھ لیا اور انسپکٹر جمشید نے مڈاکا کے ناک پر ایک وار اور کیا... اس کا چہرہ بری طرح لہولہان ہوگیا... وہ دھاڑا...

''دیکھ کیا رہے ہو... سب مل کر ٹوٹ پڑو... اور ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑو۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی مڈاکا کے ساتھی تو حرکت میں آئے ہی تھے... یہ لوگ بھی میدان میں کود پڑے... کرنل فریدی اور عمران بجلی کی طرح دشمنوں کے سروں پر پہنچ گئے... اب وہاں ایک ہولناک جنگ شروع ہوگئی... منور علی خان اور خان رحمان کے ساتھ صفدر اور حمید بھی بہادری کے جوہر دکھانے لگے... ان سب پر ایک جوش سوار ہو چکا تھا... ایسے میں پروفیسر داؤد نے اپنی ایک جیب سے ایک رومال نکالا... انھوں نے دیکھا... ایک طاقت ور دشمن محمود، فاروق اور فرزانہ کو تگنی کا ناچ نچا رہا تھا... انھوں نے آگے بڑھ کر اچانک وہ رومال اس کی ناک سے لگا دیا... وہ فوراً تیورا کر گرا...

''یہ... یہ کیا ہوا اسے... یہ تو ہم پر بھاری پڑ رہا تھا۔''

''یہ لو رومال... جادو کا رومال... اگر یہ جادوگری دکھا سکتے ہیں تو ہم کیوں حلال جادوگری نہیں دکھا سکتے... موقع ملنے پر رومال دشمن کے ناک پر رکھتے جاؤ... اور اللہ کی شان دیکھتے جاؤ۔'' انھوں نے دبی آواز میں کہا اور رومال محمود کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''آؤ دوستو! اب ہم ان سے ذرا نئے انداز میں لڑائی لڑیں گے۔'' سب لوگ سامنے سے مقابلہ کرتے رہیں... میں پیچھے سے آکر رومال ناک سے لگانا شروع کرتا ہوں... اس طرح اس لڑائی کا جلد خاتمہ ہو جائے گا اور ہمیں زیادہ ورزش نہیں کرنی پڑے گی۔''

ان سب نے ہاں میں سر ہلا دیے... اب چھوٹی پارٹی اس انداز میں لڑنے لگی... دشمن جلدی جلدی بے ہوش ہونے لگے... جلد ہی میدان صاف تھا... اس وقت انھوں نے ایک خوفناک قہقہہ سنا... قہقہہ شیشے کی تباہ شدہ عمارت کی طرف سے آ رہا تھا... انھوں نے چونک کر دیکھا... ایک عجیب و غریب خوفناک ترین شکل صورت والا آدمی حلق پھاڑ کر قہقہے لگا رہا تھا... اچانک اس کے قہقہے رک گئے، اس نے چیخ کر کہا:

''میں ہوں مائٹر پال... مجھے شکست دیے بغیر تم یہاں کامیاب نہیں ہو سکتے... اور مجھے شکست دینا تم لوگوں کے بس کی بات نہیں۔''

''لل... لیکن یہ کیوں انکل مائٹر پال۔'' آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''اس لیے کہ... تم نے کیا کہا... کیا نام لیا میرا...''

''اچھی طرح یاد نہیں، کچھ نہ کچھ تو آپ کا نام ضرور لیا تھا۔'' آفتاب

نے فوراً کہا۔

"میرا نام ماسٹر پال ہے... سنا" وہ غرایا۔

"جی بالکل سن لیا۔"

"اب سنو... تم مجھے شکست نہیں دے سکتے... اپنا یہ رومال بھی آزما لو، ذرا اپنا چاقو بھی... اپنے مکے بھی آزما لو... اور اپنی لاتیں بھی... جب تم سب تھک جاؤ گے... تب میں شروع ہوں گا... اور وہی تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔"

"آخر ایسی آپ میں کیا بات ہے۔"

"بس ہے... تمہیں اندازہ ہو ہی جائے گا... آؤ... سب لوگ مجھے مارو..."

"نہیں نہیں... مذاق نہ کریں... آپ کو چوٹ لگ جائے گی۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"حد ہو گئی... کہہ رہے ہیں... آپ کو چوٹ لگ جائے گی... اور ہمیں کیا چاہیے..." آصف بھنا کر بولا۔

"اوہ اچھا! تب تو ٹھیک ہے... چوٹ لگتی ہے تو لگتی رہے۔"

اور پھر وہ ان کے درمیان آ گیا۔

"شروع کرو۔"

"کیا واقعی... یعنی آپ ہاتھ پیر نہیں ہلائیں گے۔" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں نہیں ہلاؤں گا... لیکن جب تم تھک کر چور ہو جاؤ گے... مزہ تو اسی وقت آئے گا۔"

"خیر... ہمارا کیا جاتا ہے... شروع کرتے ہیں۔"

اور پھر انھوں نے اسے اپنی مکوں اور لاتوں پر رکھ لیا... اس کے پورے جسم پر تابڑ توڑ مکے اور لاتیں برسنے لگے... اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی... یوں لگتا تھا جیسے ان کے مکوں اور لاتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہو رہا ہو... ایسے میں انھوں نے دیکھا... عمران کچھ دور زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا یہ کارروائی دیکھ رہا تھا...

"یہ کیا عمران صاحب... آپ اس کارروائی میں حصہ نہیں لے رہے۔"

"جب اتنے بہت سے لوگوں کے مکوں اور لاتوں کا ان حضرت پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو میرے مکے ہی کیا بگاڑ لیں گے... لہٰذا میں اپنے مکے محفوظ رکھتا ہوں۔"

"کیا کہا... مکے محفوظ رکھتا ہوں..." خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں اور کیا۔"

"اچھا بھائی رکھ لیں آپ اپنے مکے اور لاتیں محفوظ۔" منور علی خان نے برا سا منہ بنایا۔

اور پھر وہ سب اپنا زور لگا کر تھک گئے... یہاں تک کہ سب بے دم ہو کر ادھر اُدھر گر گئے... یا بیٹھ گئے اور لگے ہانپنے...

"اب! اب کیا ہوگا۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہوگا کیا... اب سب کا آملیٹ بنے گا۔" عمران ہنسا۔

"اور آپ ہنس رہے ہیں۔"

"میرے رونے سے بھی تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"حد ہوگئی..." آصف بھنا کر بولا۔

"ابھی کیا ہے... حد تو اب ہوگی... وہ دیکھیں... مسٹر... پتا نہیں ان کا کیا نام ہے... اٹھ رہے ہیں... انگڑائی لے رہے ہیں... گویا ہم سب کی مرمت کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں... بالکل... میرا نام بھول گئے... میں میں ہوں... مانٹرپاں۔"

"اس سے بہتر تھا... آپ کا نام مانٹرپال ہوتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم نام نہیں... میرا کام دیکھو... تھک تو تم پہلے ہی چکے ہو... اب میری باری ہے... اور میں تازہ دم ہوں... یوں بھی تمہارے ہاتھ پیر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"اللہ مالک ہے... موت تو تمہاری ہمارے ہی ہاتھوں لکھی ہے... ان شاءاللہ۔"

"الٹ کر گئے... ہل سکتے نہیں اور مجھے موت کے گھاٹ اتاریں گے... واہ۔"

"ہم میں سے ایک ایسا ہے... جو ہل جل سکتا ہے... اور وہ ہیں مسٹر علی عمران۔" شوکی ہنسا۔

"نن نہیں... میں اور ان سے مقابلہ کروں گا... بھائی شوکی... گھاس تو نہیں کھا گئے کیا؟" عمران گڑبڑا گیا۔

"یہاں آپ کو گھاس نظر آرہی ہے کہیں۔" شوکی نے برا مان کر کہا۔

"نن نہیں... تو۔"

"لو... مسٹر مانٹرپال آپ کی طرف ہی آرہے ہیں۔"

"ارے باپ رے... ہپ۔"

"تم... مسٹر عمران... بہت چالاک بنتے ہو... تم نے سوچا تھا... باقی سب لوگ مجھے مار کر تھک جائیں گے اور تم تازہ دم رہ جاؤ گے... اب میں تمہیں کرتا ہوں تازہ دم۔"

"نن نہیں۔"

عمران خوف کے عالم میں پیچھے ہٹا۔ مانٹرپال بے فکری کے عالم میں آگے بڑھا اور پھر دھڑام سے گرا... کرنل فریدی پیچھے سے دوڑ کر اس کی کمر سے ٹکرائے تھے... اور ٹکرائے اس طرح تھے جیسے یہ لوگ بند دروازے توڑتے ہیں... اس انداز سے خود کو زیادہ چوٹ نہیں آتی...

مانٹرپال کو اوندھے منہ گرتے دیکھ کر سب کے چہروں پر رونق آگئی۔ ادھر عمران نے اس کی گردن پر چھلانگ لگا دی... اور وہیں جم گیا... ساتھ ہی اس نے چیخ کر کہا۔

"پتھر... بڑا سا... اٹھا کر اس کے سر پر دے ماریں۔"

انسپکٹر جمشید اس جملے سے پہلے ہی پتھر اٹھا چکے تھے، لیکن وہ اس کے سر پر مار نہ سکے... کیونکہ اسی وقت اس نے عمران کو اپنے اوپر سے اچھال پھینکا تھا اور وہ بہت دور جا کر گرا تھا...

"میں نے کہا تھا... تم سب کی موت میرے ہاتھوں آئے گی۔"

یہ کہ کر وہ کرنل فریدی کی طرف مڑا... وہ اس سے کچھ فاصلے پر بالکل تیار کھڑے نظر آئے... ادھر انسپکٹر کامران مرزا بھی کھڑے ہو چکے تھے...

اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"باقی لوگ اس لڑائی سے الگ رہیں... اور میں یہ پتھر اچھالنے لگا ہوں ماسٹر پال کی طرف..."

"ضرور... ضرور... کیوں نہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے پتھر پھینکا کہ ان کا کوئی ساتھی اس کی زد میں نہ آ جائے... پتھر اگرچہ کافی وزنی تھی... پھر بھی وہ تیزی سے ماسٹر پال کی طرف گیا... اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی... جونہی پتھر اس کے سر کے نزدیک آیا، اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے اپنے پیچھے کی طرف دھکیل دیا... پتھر اس کی کمر سے کچھ دور جا گرا...

"انسپکٹر جمشید! تمہارا یہ وار خالی گیا۔"

"کوئی بات نہیں... ویسے کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں کہ ہم تو تھک کر چور ہو گئے تھے اور بے دم ہو کر گئے تھے... اب پھر لڑنے کے لیے کس طرح تیار ہو گئے۔"

"پہلے حیرت ہوئی تھی... اب دور ہو گئی... تم لوگوں نے نمائشی انداز میں مجھ پر وار کیے تھے... تم تھکے نہیں تھے... بس ظاہر کیا تھا کہ تھک کر گر گئے ہیں۔"

"چلو اچھا ہے! اتنی بات تو سمجھ میں آ ہی گئی۔" انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"لیکن اس سے کیا ہوتا ہے... میرے جسم پر تمہارے مکوں اور لاتوں کا اثر نہیں ہوگا... تم کوشش کرتے رہو، اب میں بھی ساتھ میں وار کروں گا... جو، موقع میں نے تمہیں دیا تھا، دے چکا۔"

"کوئی پروا نہیں..."

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی کمر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ فوراً اس کی طرف مڑے... اب انسپکٹر جمشید اس کی طرف دوڑ پڑے، وہ ان کی طرف مڑا تو انسپکٹر کامران مرزا اس کی کمر سے پوری قوت سے ٹکرائے... وہ ایک بار پھر گرا...

اس وقت تک کرنل فریدی پتھر اٹھا چکے تھے... انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... پتھر اس کے سر پر دے مارا... لیکن یہ بھی کم پھرتیلا نہیں تھا... فوراً کروٹ لے گیا... اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا... جونہی وہ کھڑا ہوا... عمران نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے دوسری ٹانگ پکڑ لی... بس پھر کیا تھا... وہ دھڑام سے گرا...

"بس... اس کی ٹانگیں نہ چھوڑیں..." انسپکٹر جمشید بولے... اور پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا... وہ پھر پہلو بدل گیا... پتھر اس کے پاس سے نکل گیا... اس کے ساتھ ہی اس نے ایک ٹانگ کو جھٹکا کر مارا... عمران اچھل کر دور جا گرا... دوسری ٹانگ کو جھٹکا دیا تو انسپکٹر کامران مرزا اچھل کر گرتے نظر آئے... وہ اب پھر ڈٹا کھڑا تھا... یہ دیکھ کر چاروں مسکرائے...

"ہو تم بھی ایک ہی مسٹر ماسٹر چل۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"میں تمہیں صحیح نام لینا سکھاؤں گا... فکر نہ کرو۔"

"شکریہ انکل!" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہے کوئی تک... یہ خوش ہونے کی بات ہے۔" آفتاب بھنا اٹھا۔

"اچھا بھائی غلطی ہو گئی۔"

ادھر کرنل فریدی ایک بار پھر اس پر حملہ آور ہوئے... ساتھ ہی

انھوں نے عمران کو اشارہ کیا... وہ بھی دوسری طرف سے اس پر حملہ آور ہوا... دونوں کے مکے اس کے کانوں پر لگے... یہ اشارہ کرنل فریدی نے ہی دیا تھا کہ کانوں پر وار کرنا ہے... اچانک اس کے منہ سے چیخ نکل گئی...

انھیں بہت حیرت ہوئی۔

"وہ مارا... چابی ہاتھ لگ گئی۔" شوکی چلا اٹھا۔

اب ان کی کوشش تھی کہ اس کے کانوں پر وار کرتے رہیں، لیکن اب وہ اپنے کانوں کی حفاظت کر رہا تھا... جونہی کانوں کی طرف کسی کا مکا آتا، وہ دونوں بازوؤں سے کانوں بچا جاتا... پھر اس پر غصہ طاری ہو گیا... وہ تیزی سے ایڑی پر گھوما اور ایک لات گھما دی... وہ چاروں گرتے چلے گئے... وہ کافی دور جا کر گرے تھے... وہ اب بھی ان سب پر بھاری تھا... ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری:

"ترکیب نمبر 13۔"

"بھلا یہاں ترکیب نمبر 13 کیا کرے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تجربہ ہی سہی۔" فرزانہ مسکرائی۔

وہ چاروں طرف آ کھڑے ہوئے... گویا سب کے سب ایک بار پھر مانٹر پال کے خلاف کمر بستہ ہو چکے تھے۔

"ویسے مجھے بھی قدرے حیرت ہے۔" مانٹر پال کے منہ سے نکلا۔

"کس بات پر؟"

"تم لوگ ہو کیا چیز مار کھا کھا کر پھر اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔"

"جی... کیا کریں... مجبور ہیں۔" آفتاب نے مسمسی صورت بنائی۔

"ویسے مسٹر مانٹر پال... اس سے پہلے کہ ہم سب آپ کے ہاتھوں، دوسری دنیا کو سدھار جائیں... ہماری ملاقات ڈاکٹر عبدالقادر صاحب سے کرا دیں۔"

"کیا یہ تم لوگوں کی آخری خواہش ہے۔" مانٹر پال ہنسا۔

"آپ اسے پہلی اور آخری بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے! تم لوگ ڈاکٹر عبدالقادر کو اوپر بھیج دو۔" اس نے شیشے کی عمارت کی طرف منہ کر کے کہا۔

جلد ہی ڈاکٹر عبدالقادر کا سر عمارت سے ابھرتا نظر آیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب آ گئے۔

"آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ واقعی سچے محب وطن ہیں۔"

"شکریہ! اپن کوڈ بریف کیس کہاں ہے، اس کا کیا بنا۔"

"یہ لوگ مجھ سے اسے نہیں کھلوا سکے... معاملہ ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور میں مر تو جاؤں گا... انھیں کچھ نہیں بتاؤں گا... لہٰذا اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"اوہو... یہ... یہ کیا..."

مارے خوف کے محمود کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے مانٹر پال کی کمر کی طرف اشارہ بھی کیا تھا... یہ جملہ کچھ اس بے ساختہ انداز میں کہا گیا تھا کہ مانٹر پال بھی مڑے بغیر نہ رہا... اور یہی وہ لمحہ تھا جب محمود حرکت میں آیا۔

ان سب نے مانٹر پال کی دل دوز چیخ سنی۔

ہولناک لمحات

انھوں نے دیکھا، محمود کا چاقو اس کی گدی میں پیوست تھا اور اس جگہ سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"یہ... یہ تم نے کیا کیا۔" وہ خوفناک لہجے میں دھاڑا۔

"جو مجھے کرنا چاہیے تھا... میں نے بس وہی کیا۔" محمود بولا۔

"میں تمھیں کچا چبا جاؤں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اندھا دھند انداز میں محمود کی طرف دوڑ پڑا... لیکن اوندھے منہ گرا... عمران نے اچانک اپنی ٹانگ آگے کر دی تھی...

"غالباً اسے سرکاری ٹانگ کہتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

ادھر وہ اوندھے منہ گرا... ادھر کرنل فریدی نے اس کی کمر پر چھلانگ لگا دی... پھر وہ کمر پر سے اونچے اچھلے اور اس پر آ کر گرے... وہ کسی بھیلسے کی طرح ڈکرایا... انھوں نے پھر چھلانگ لگائی... لیکن اس مرتبہ وہ کروٹ لینے میں کامیاب ہو گیا... اس طرح کرنل فریدی زمین آ رہے... ادھر اس نے بازو گھما دیا، بازو ان کی پنڈلی پر لگا، وہ اچھل کر دور جا گرے...

وہ اب تک زبردست طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا... اگرچہ اس کی گردن سے خون بھی ابل رہا تھا... اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی

ایک ٹانگ پکڑ لی... اس نے دوسری ٹانگ گھما دی... انسپکٹر کامران مرزا بھی اچھل کر دور جا گرے... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے اس کے سر پر ایک ٹھوکر رسید کی... لیکن وہ پوری طرح گھوم گیا... ان کا وار خالی گیا... ساتھ میں اس نے اپنی ایک لات گھمائی... وہ اس کی لپیٹ میں آ گئے اور دور جا گرے...

ان حالات میں منور علی خان اور خان رحمان آگے بڑھے... انھوں نے دائیں اور بائیں دو طرف سے اس کی طرف دوڑ لگائی اور پیروں کی ٹھوکریں اس کی پسلیوں پر رسید کیں... یہ حملہ چونکہ دو طرف سے تھا... اس لیے وہ بچ نہ سکا... ٹھوکریں وصول کرنا پڑ گئیں... تاہم اس نے خود کو ایک ہاتھ پر ٹکائے ہوئے ایک چکر پھیری کاٹی اور ان دونوں کو اس کی لپیٹ میں لے لیا... ان دونوں کے گرتے ہی گویا میدان بڑوں سے صاف تھا...

"اب! اب تم کیا کرو گے بچو۔" وہ ہنسا... اس کی ہنسی بے حد خوفناک تھی...

"وہی کریں گے... جو ہمارے بڑوں نے کیا ہے... اور ترکیب نمبر 13 کے مطابق کریں گے۔"

"چلو کرو پھر جو کرنا ہے کرو... مجھے اپنے زخم پر پٹی بھی کرانی ہے... خون زیادہ نہ بہہ جائے۔"

"تب پھر پہلے پٹی کرا لیں۔" آفتاب نے مشورہ دیا۔

"تم لوگوں کی موت کے بعد کراؤں گا... آؤ... ہو جائیں دو دو ہاتھ۔"

ان سب نے بڑوں کی طرف دیکھا... وہ مسکرائے... جیسے کہ رہے ہوں:

"کوئی بات نہیں، ایسا بھی ہونا چاہیے۔"

اب انھیں اس چٹان سے ٹکرانا تھا... وہ اس کے چاروں طرف کھڑے ہوگئے... ایسے میں انھوں نے دیکھا... پروفیسر داؤد اور پروفیسر عبدالقادر دبی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے... پھر انھوں نے دونوں کو شیشے کی عمارت کی طرف جاتے دیکھا... ان سے جنگ کی وجہ سے وہ ان دونوں کی طرف توجہ نہ دے سکا...

اب اس نے انھیں اپنے چاروں طرف کھڑے دیکھا تو ہنسا اور پھر ایک سمت میں چھلانگ لگائی... جو اس کی لپیٹ میں آتا گیا... دونوں ہاتھوں سے ان پر مکے برساتا آگے نکل گیا...

پھر واپس مڑا... اور ایک بار پھر اٹھا... اس مرتبہ بھی اس نے ان میں سے تین کو گرا دیا... آج ان کی ترکیب نمبر 13 مکمل طور پر فیل ہوگئی تھی... دو مرتبہ وہ اور حرکت میں آیا اور وہ سب کے سب لمبے لیٹے نظر آئے... بڑے پہلے ہی ادھر ادھر گرے پڑے تھے... اور چھوٹے بھی بیکار ہوگئے...

"اب... اب کون رہ گیا میرے مقابلے میں؟" وہ دھاڑا۔

"کک... کوئی نہیں بڑے بھائی... میں نے تو ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا..." عمران کی منمناتی آواز سنائی دی۔

"پہلے ہی کہہ دیا تھا... کیا کہہ دیا تھا؟" وہ چلایا۔

"یہ کہ ان صاحب سے لڑنا فضول ہے، لوہے کے چنے چبانا ہے... کیوں بلاوجہ اپنے ہاتھ پیر تڑواتے ہو، لیکن یہ صاحبان نہیں مانے... خیر جانے دیں... اب ان کی باتوں پر کیا جانا... آپ تو بہت بڑے ہیں، بہت دل گردے والے ہیں، کوئی خیال نہ کریں، میں بہرحال آپ کی طرف دوستی کا

ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی... لو! میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں... آؤ۔" مائٹر پال نے کہا۔

عمران آگے بڑھ گیا... اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا... ادھر اس کا ہاتھ آگے بڑھا... عمران نے اس کا ہاتھ پکڑا، ایک زوردار جھٹکا دیا... مائٹر پال بری طرح لڑکھڑا گیا، عمران اچھلا اور پیر کی ٹھوکر اس کی پنڈلی پر رسید کر دی... وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح گرا...

"کیوں! کیسی رہی یہ دوستی..." عمران کی آواز ابھری۔

"بہت خوب عمران۔" کرنل فریدی نے اس کی تعریف کی۔

"جی وہ بس... کم از کم آپ تو شرمندہ نہ کریں۔"

"آپ کا مطلب ہے... باقی آپ کو شرمندہ کر سکتے ہیں۔" آصف کی آواز ابھری۔

"وہ... وہ... تمغ تمغ..." عمران کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"یہ تمغ تمغ کسے کہتے ہیں۔" شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

اب جو انھوں نے عمران کی طرف دیکھا تو اس کی گردن مائٹر پال کے بازو میں کسی نظر آئی... اس وقت عمران سے چوک ہوگئی تھی... وہ خیال کر بیٹھا تھا کہ اب اس میں اٹھنے کی سکت نہیں رہ گئی... لیکن اس میں ابھی دم خم تھا... عمران ان سے بات کیا کرنے لگا کہ اس نے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا... یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید آگے بڑھے... انھوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کے سر پر رسید کر دی... چوٹ انھیں بھی لگی... بالکل مائٹر پال کے لیے

یہ خبر بہت زبردست تھی... اس کا بازو خود عمران کی گردن سے ہٹ گیا... اور
دونوں ہاتھ سر کی طرف اٹھ گئے...

"شش... شکریہ" عمران کے منہ سے نکلا... اور یہ دور ہٹ کر
اپنی گردن مسلنے لگا... اسی وقت انسپکٹر جمشید نے ایک ہاتھ اور رسید کیا... ماسٹر
پال کے منہ سے چیخ نکل گئی... تاہم چیختے چیختے بھی اس نے لات گھما دی...
انسپکٹر جمشید ایک بار پھر دور جا گرے... یہ دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے
بڑھے... انہوں نے ایک مکا اس کی ناک پر مارا... یہ سب ان کے لیے اس وجہ
سے ممکن ہو رہا تھا کہ اس کی گدی زخمی ہو چکی تھی اور اس سے مسلسل خون بہہ رہا
تھا... ورنہ اس قدر آسانی سے وہ اس پر حملے نہیں کر سکتے تھے... ناک پر مکا لگتے
ہی وہ بہت زور سے اچھلا... ڈکرایا بھی... اور اچھل کر کامران مرزا پر گرا... وہ
اس کے نیچے دب گئے... اس وقت کرنل فریدی حرکت میں آئے... انہوں نے
دائیں ہاتھ کی کہنی اس کی ریڑھ کے مقام پر ماری... اس کے منہ سے چیخ نکل
گئی... ساتھ ہی اس نے ہاتھ گھما دیا... اور کرنل کی گردن اس کے ہاتھ میں
آ گئی... اب ایک طرف تو کرنل اس کی گرفت میں تھے... دوسری طرف انسپکٹر
کامران مرزا اس کے نیچے دبے ہوئے اور نیچے سے نکلنے کے لیے زور لگا رہے
تھے... اس وقت محمود اور آصف دو طرف سے آئے اور اپنے سروں کی ٹکریں
اس کے دونوں کانوں پر دے ماریں...

یہ وار ماسٹر پال کے لیے خوفناک تھا... اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے
پڑ گئے... نتیجہ یہ کہ کرنل کی گردن چھوٹ گئی اور انسپکٹر کامران مرزا بھی نیچے سے
نکلنے میں کامیاب ہو گئے...

اچانک انہوں نے ماسٹر پال کی چیخیں سنیں... انہیں بہت حیرت

ہوئی... انہوں نے دیکھا... اخلاق اس کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو موڑے
کھڑا تھا اور اس نے پورا زور اس انگلی پر ہی صرف کر رکھا تھا...

مارے تکلیف کے ماسٹر پال کے منہ سے بلبلانے جیسی آوازیں
نکلنے لگیں... وہ بری طرح بے دم اور بے بس ہو گیا... وہ دوہرا ہوا جا رہا تھا... یہ
دیکھ کر مکھن آگے بڑھا اور اخلاق کے انداز میں اس کی دوسری چھوٹی انگلی پکڑ
لی... اب وہ اور زیادہ مشکل میں نظر آیا:

"بس ٹھیک ہے... پکڑے رہنا... اسے..." منور علی خان نے کہا
اور آگے بڑھ کر آنکڑے کے ساتھ رہ جانے والی رسی اس کی گردن کے گرد کس
دی اور زور لگاتے چلے گئے...

اس کا گلا پھولنے لگا... چہرہ سرخ ہونے لگا... آنکھیں باہر کو
ابلنے لگیں۔ اس وقت اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا:

"مم... مجھے نہ مارو... میں تو تم لوگوں کے بہت کام آ سکتا ہوں۔"

"کیا خاک کام آ سکتے ہو... تم تو سانپ ہو سانپ..." منور علی
خان غرائے۔

"تم راکڈوم کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکو گے... اور یہ صرف
میں جانتا ہوں... راکڈوم کہاں ہے۔"

"اچھا تو بتاؤ... کہاں ہے۔"

"تم مجھے چھوڑ دو... اور بدلے میں راکڈوم میں یہاں سے چلے
جاؤ... ڈاکٹر عبدالقادر کو بھی لے جاؤ، اس فائل کو بھی لے جاؤ..."

"تو ہم تمہیں بھی ساتھ کیوں نہ لے جائیں۔"

"نہیں... میں یہاں سے بیگال جاؤں گا... اور کہیں نہیں۔"

"منور علی خان... اپنا کام جاری رکھو۔"

"بہت بہتر جمشید... انہوں نے کہا اور رسی پر دباؤ بڑھانے لگے... اس کی حالت پھر خراب ہونے لگی... آخر منہ سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں... اس نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنا چاہا:

"نہیں منور علی خان... اس کی ایک نہ سنو... یہ ہمارے لیے بدستور خطرہ بنا رہے گا... اس کا کام تمام ہی کر دو... اور اخلاق اور مکھن... تم اس کی چھوٹی انگلیاں اسی طرح پکڑے رہو... جب تک منور علی خان اسے چھوڑ کر نہیں ہٹ جاتے... تم بھی نہ چھوڑنا۔"

"جی بہت بہتر۔"

خرخراہٹ تیز ہونے لگی... پھر آہستہ آہستہ بند ہونا شروع ہوئی اور آخر بالکل رک گئی... اس کے ہاتھ پیر بالکل ڈھیلے پڑ گئے... انہوں نے اب بھی اسے نہ چھوڑا... پھر اس کی گردن بھی ایک طرف کو ڈھلک گئی... لیکن وہ اب بھی اسے پکڑے رہے... آخر انسپکٹر جمشید نے اس کی نبض اور دل کی دھڑکن کو خوب اچھی طرح چیک کیا... اس میں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے... تب انہوں نے کہا:

"بس ٹھیک ہے... یہ دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے..."

انہوں نے اسے چھوڑ دیا:

"اب پہلے ہمیں راکڈوم تلاش کرنا ہے..." کرنل بولے۔

سب اس کام میں جت گئے... آخر آٹھ گھنٹے کی کوشش کے بعد ایک گہرے کنویں میں راکڈوم نظر آیا... کنویں کے اوپر بادل سے چھائے ہوئے تھے... اس لیے راکڈوم کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا... لیکن ان بادلوں نے

ہی انہیں اس طرف متوجہ کیا تھا... کنویں میں لوہے کی سیڑھی نیچے جا رہی تھی... خان رحمان اس میں اتر گئے اور راکڈوم کو اوپر لے آئے... اسے چلانے کا تجربہ انہیں تھا ہی... اب انہوں نے پروفیسر داؤد سے پوچھا:

"شیشے کی عمارت کے نیچے کیا کچھ ہے اور کتنے آدمی ہیں۔"

"اب وہاں چند افراد موجود ہیں اور وہ میری طرح مختلف ملکوں کے ماہرین ہی ہیں، انہیں بھی اغوا کر کے لایا گیا ہے... لہٰذا ہم انہیں ساتھ لے چلیں، مگر۔"

"ٹھیک ہے... اور وہاں کیا ہے۔"

"سائنسی آلات کا ایک بہت بڑا جال بچھایا گیا ہے..."

"بس ٹھیک ہے... کیا آپ اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔"

"بالکل..." پروفیسر داؤد بولے۔

"بس تو پھر... انہیں بھی اوپر لے آتے ہیں... لیکن پہلے ہم بھی اس جال کو ایک نظر دیکھ لیں... جہاں سے یہ لوگ پوری دنیا میں اپنی مرضی کے لوگوں کے دماغوں کو قابو میں کرتے رہے ہیں..."

وہ نیچے اتر گئے... یہ جال کئی میل میں پھیلا ہوا تھا... وہ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے رہے... آخر تھک گئے اور اوپر آ گئے... پھر سب راکڈوم میں سوار ہو گئے... خان رحمان نے اس کی پائلٹ سیٹ سنبھال لی... اب راکڈوم اوپر اٹھا... کافی بلندی پر پہنچنے کے بعد پروفیسر داؤد نے ریموٹ بٹن دبانے شروع کیے۔ انہوں نے نیچے ہولناک دھماکے سنے... اور پھر شیطانوں کا وہ جال ریزہ ریزہ ہو گیا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

اب وہ راکڈوم کے ذریعے جنگل میں آئے... جنگیوں سے ملاقات کی... وہ سب اب مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام پر عمل پیرا ہو چکے تھے... ان سے رخصت ہو کر وہ اپنے بحری جہاز پر آئے... لیٹو کا اور اس کا ساتھی انہیں دیکھ کر کھل اٹھے۔ اور پکار اٹھے:

''ہم تو آپ کی طرف سے مایوس ہو چلے تھے۔''

''اللہ نے مہربانی فرمائی۔'' وہ بولے۔

اب ان کا واپسی سفر شروع ہوا... ظاہر ہے... انہیں بحری جہاز پر ہی واپس جانا تھا... بحری جہاز بھی تو مال غنیمت تھا... پندرہ دن کے سفر کے بعد انہیں سمندر میں ایک طرف دھواں اٹھتا نظر آیا... انہوں نے جہاز کا رخ اس طرف کر دیا... انہوں نے دیکھا... وہ ایک جزیرہ تھا اور اس کے ساحل پر دو آدمی کھڑے تھے... ان کے بال بے تحاشہ بڑھ گئے تھے... اور وہ بے تابانہ انداز میں ہاتھ ہلا رہے تھے...

انہوں نے جہاز ساحل کے قریب روک لیا... اور ان سے پوچھا:

''تم لوگ کون ہو... اور یہاں کیسے پہنچے۔''

''ارے! یہ آپ لوگ ہیں۔'' وہ دونوں چلا اٹھے۔

آواز سن کر وہ زور سے چونکے... یہ تو نمبریا کے سلطان کی لانچ کے ساتھی تھے... وہ کسی جزیرے پر انہیں نہیں ملے تھے... اور وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔

وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے... سب نے اللہ کا شکر ادا کیا... انہیں جہاز پر سوار کرایا گیا... اب ان کا سفر نمبریا کی طرف شروع ہوا...

کیونکہ انہیں اپنے ملک کے حالات کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا... نمبریا کے سلطان نے ان کا پرجوش انداز میں استقبال کیا اور یہ خبر سنائی:

''آپ لوگوں کے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد فوج نے نئے صدر کا تختہ الٹ دیا تھا... اور پھر سے پرانے صدر کو صدارت سونپ دی تھی۔ انہوں نے آپ لوگوں کے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا... اور میں نے انہیں تفصیل سنا دی تھی... اب میں انہیں آپ لوگوں کی یہاں آمد کی خبر سنا دیتا ہوں... اس طرح وہاں آپ کا خاطر خواہ استقبال ہو سکے گا۔''

''ہمیں استقبال کی کوئی ضرورت نہیں... ملک کے حالات جان کر بہر حال خوشی ہوئی اور اب ہمیں اجازت دیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے... آپ کم از کم دو تین دن تو مجھے مہمانی کا موقع دیں۔''

بہت لے دے کرنے کے بعد انہوں نے ایک دن وہاں گزارا اور اپنے وطن کی طرف بحری جہاز میں روانہ ہوئے... راکڈوم بھی جہاز کے عرشے پر موجود تھا... اور یہ مال غنیمت تھا:

''میں سوچ سوچ کر تھک چکا ہوں... لیکن یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کیس کا سہرا کس کے سر باندھا جائے۔'' فاروق کی آواز ابھری۔

''یہ واقعی ایک بہت پیچیدہ سوال ہے... اور اس کا جواب آسان نہیں۔'' پروفیسر بولے۔

''اس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم سہرے کو بھول جائیں۔'' انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

''بھول کیسے جائیں انکل... یہ تو ہماری مہم کا لازمی حصہ ہے... اور

ہر مہم کے آخر میں اس کا ذکر آ کر رہتا ہے... سو اس مرتبہ بھی آ گیا۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر اس کا ایک حل ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"چلیے پھر بتا دیں... کیا حل ہے۔"

"سب کے گلے میں ایک ایک کامیابی کا سہرا ڈال دو۔"

"ارے باپ رے... اتنے بہت سے سہرے ہم لائیں گے کہاں سے۔"

"فکر نہ کرو... صدر صاحب یہ انتظام خود ہی کر لیں گے... بلکہ وہ کر چکے ہوں گے... جونہی ہم ساحل کے قریب پہنچیں گے... ہمیں بہت سے ہاتھوں میں سہرے نظر آئیں گے۔"

"وہ سہرے نہیں... پھولوں کے ہار ہوں گے انکل۔" شوکی پکارا۔

"تو کیا ہوا... انہی کو سہرے خیال کر لینا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیال کرنے کی بھی ایک ہی کہی... ویسے تو کہا جا سکتا ہے... خیال کرنے کو ہم کیا خیال نہیں کر سکتے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہے کوئی تک اس بات کی۔" آصف نے جلا کر کہا۔

"پپ پتا نہیں۔" مکھن بول اٹھا۔

"کیا پتا نہیں۔"

"یہ کہ اس بات کی کوئی تک ہے یا نہیں۔"

"بھائی یہ تو خیال کرو کہ ہمارے ساتھ کرنل صاحب اور عمران صاحب بھی موجود ہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"بلکہ صفدر صاحب اور حمید صاحب بھی موجود ہیں۔" آصف بول پڑا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ وہ اس کے پاس بیٹھے مکھن کی ران پر لگا۔

"اس سے یہ کہیں بہتر تھا کہ یہ میں کہہ دیتا دھت تیرے کی..." مکھن نے منہ بنایا۔

"کیوں... اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں اپنی ران پر آرام سے ہاتھ مارتا۔"

"ہم لوگ تم لوگوں کی یہ دلچسپ باتیں سن رہے ہیں... خاص طور پر میرے دائیں گھٹنے کو نیند آ رہی ہے۔" عمران نے ہانک لگائی۔

"لیجیے... ان کے گھٹنوں کو نیند آنے لگی... بے چاری آنکھیں کیا کریں گی۔"

"آنکھیں سہرے کے انتظار میں جاگ رہی ہیں۔" عمران کی آواز سنائی دی۔

"میرا ایک مشورہ ہے۔" ایسے میں کرنل فریدی کی آواز سنائی دی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے... آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی۔"

"کوئی مشورہ دے رہے تھے آپ۔" فرحت نے بے چینی کے عالم میں کہا... فرزانہ کا جملہ تو جیسے اس نے سنا ہی نہیں... فرزانہ اس پر بڑا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"سہرے کا حل یہ ہے کہ ہم اسے اخلاق احمد کے سر باندھ دیں...

ماسٹر پال ہم سب کو شکست پر شکست دے رہا تھا... تگنی کا ناچ نچا رہا تھا... یہاں تک کہ محمود کا چاقو بھی اسے خاص نقصان نہ پہنچا سکا... لیکن وہ بے بس اس وقت ہوا جب اخلاق نے اس کی چھوٹی انگلی پکڑ لی... اور یہ تدبیر واقعی بہت زبردست تھی..."

"ٹھیک ہے، میں بھی سہرے کا حق دار اخلاق کو قرار دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے باپ رے... یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں... میں اتنے بڑوں کی موجودگی میں سہرا باندھتا اچھا لگوں گا... میں ایسے سہرے سے بے سہرا اچھا۔" اخلاق نے بوکھلا کر کہا۔

"حد ہوگئی... بھائی صاحب سہرے سے ڈر رہے ہیں، بے کوئی تک۔" آصف نے منہ بنایا۔

"کک... کس بات میں۔" پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

"اس بات میں کہ اخلاق سہرے سے ڈر رہا ہے۔"

"بڑی بات ہے اخلاق... ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے... سہرے سے ڈرنے کی۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"آپ نے ٹھیک کہا... اس بے چارے کی کیا عمر ہے... اس لحاظ سے تو سہرا آپ کے سر سجے گا۔"

"کیا!!!"

پروفیسر داؤد اس انداز میں چلائے کہ سب ہنسنے لگے... اور ادھر انہیں ساحل نظر آنے لگا... وہاں ہزاروں لوگ سہرے ہی سہرے لیے کھڑے تھے... ان سب کے منہ سے نکلا:

"ارے باپ رے... یہاں تو سہروں کی بارش ہونے والی ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں تیرنے لگیں... جہاز لمحہ بہ لمحہ ساحل سے نزدیک ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اٹلانٹس پبلی کیشنز
A-36 ایسٹرن اسٹوڈیوز کمپاؤنڈ، B-16 سائٹ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk